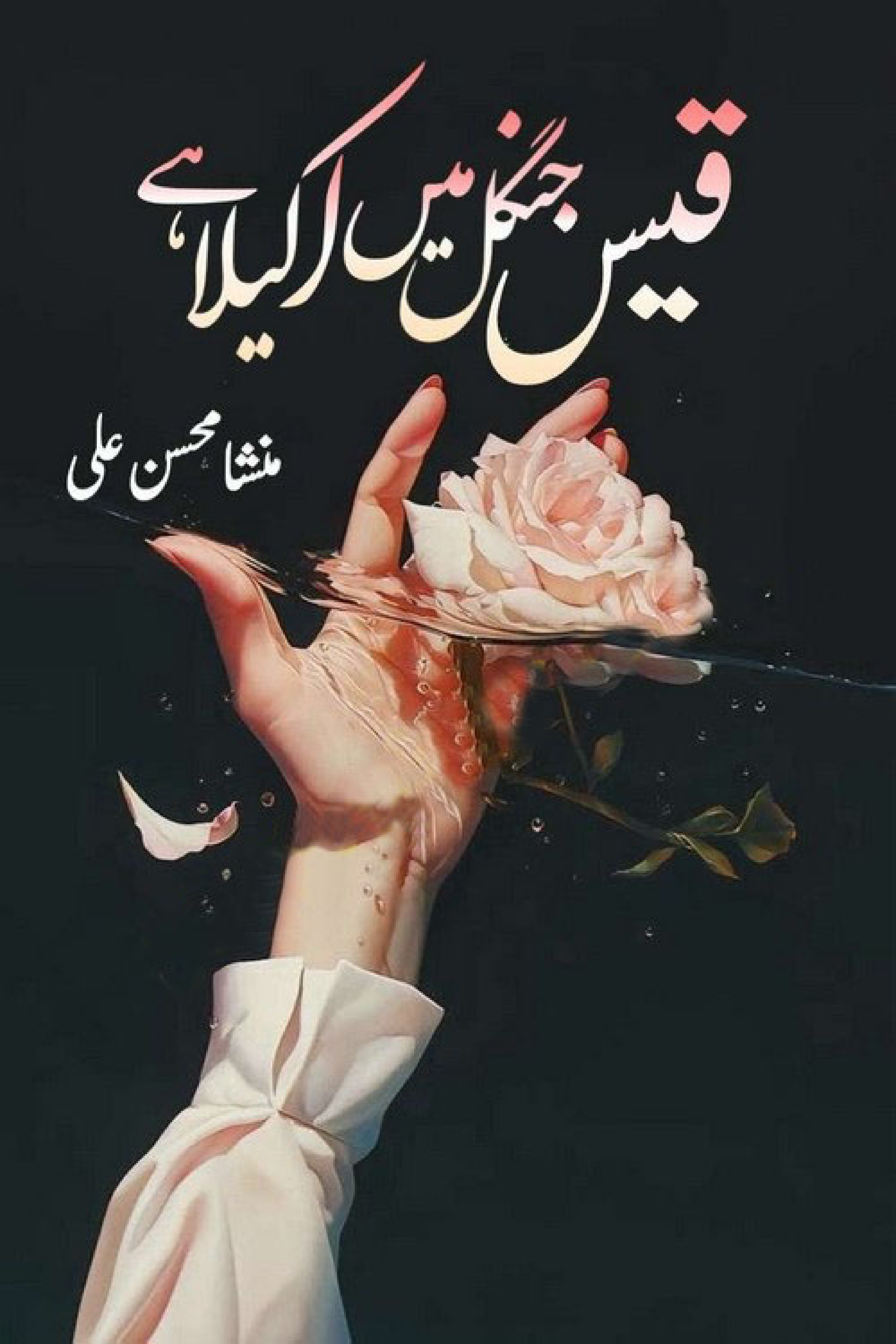
قیس جنگل میں اکیلا ہے
منشا محسن علی

قیس جنگل میں اکیلا ہے

منشاء محسن علی

قسط نمبر 1

سرسوں کے پھولوں والے گھر میں سیاہ رات اتر آئی ہے۔ رات سب سے پہلے گھر کے در و دیوار پر اتری ہے۔ پھر در و دیوار سے سرکتی ہوئی ادھر ادھر چوکنا ہو کر دیکھتی گھر کے مکینوں پر اتر آئی ہے۔ اور اب آخر میں کالک جیسی رات بہت سکون سے پاؤں پسار کر گھر کے مکینوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے۔

☆......☆......☆

بہت دور سے لڑتے جھگڑتے ہوئے آوارہ کتوں کے جھنڈ کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ سستی سے اکتائے ہوئے جھینگروں کے راگ بھی موسیقی کا کوئی انوکھا سر ایجاد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسے میں کڑ کڑ کرتا ہوا وہ پرانا لوہے کا ٹرنک کھٹ سے کھلا تھا۔ مہر نے ذرا کی ذرا آنکھ بھر کر عجی کی طرف دیکھا جو بے یقینی کے عالم میں اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

ٹرنک کیا تھا کوئی قدیم بوسیدہ ماضی کا باب تھا جو کھلا تھا تو چاروں طرف گرد کا غبار پھیل گیا تھا۔ مہر نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور عجی نے ناک کی چونچ پر اپنا دوپٹا ڈال کر خود کو بمشکل دمہ ہونے سے بچایا تھا۔

"اماں! کیا ضرورت ہے بھلا یوں اس ٹرنک نما شے کو کھولنے کی؟ دیکھیں تو لوہے کے اتنے کڑاکے نکل رہے ہیں کہ جھینگر بھی ڈر کے مارے چپ ہو گئے ہیں۔" عجی نے اکتا کر جیسے اماں کو روکنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے کتے بھی خوف زدہ ہو گئے ہیں آواز دبا کر بیٹھ گئے ہیں۔" مہر نے بھی زبان کو ہلایا تھا کہ شاید اس طرح اماں اپنا ارادہ ترک کر کے باز آ جائیں۔

مگر وہ کلثوم اماں تھیں۔

مہر اور عذرا کی ماں......!

صرف ان دونوں کی بھی نہیں۔ وہ تو...... وہ تو...... خیر...... خیر...... یہ ذکر پھر سہی!

ٹرنک کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اب ایک ایک کر کے اماں چیزیں نکال نکال کر اپنے کرنکل جارجٹ کے دوپٹے سے صاف کرتی جا رہی تھیں۔ چوہوں کا ادھ کھایا ہوا وہ ریشمی رومال، گھسے اور مٹے ہوئے ربڑ کے چند ٹکڑے، گریفائٹ کی پنسل کے ٹوٹے، سوکھی ہوئی دوات کی چند پچکی ہوئی ڈبیاں، ڈالر کے پین کی نبیں، پرکار کے ٹوٹے ہوئے دندانے اور بھی بہت کچھ......

مہر اور بجی کی آنکھیں پھر سے چار ہو گئی تھیں۔ سرسوں کے پھولوں والے اس گھر کی بڑی بیٹی کا چہرہ پہلی بار زرد نہیں ہوا تھا۔

مہر نے پلکیں جھپکائیں۔

"ٹھیک تو ہو تم بجی؟"

"ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ چاہو تو نبض دیکھ لو میری۔" اگلی نے بازو آگے کر دیا۔

سامنے بیٹھی ہوئی مہر کا ماضی بھی کڑ کڑ کرتے ہوئے ٹرنک کی طرح ابل پڑا تھا۔

"نبض ٹھیک ہے۔ درست رفتار سے چل رہی ہے۔"

آنکھوں کے چھپر بھیگنے لگے تھے۔ باہر جھینگر راگ دھیمے سروں سے بجنے لگا تھا۔

کلثوم اماں نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا۔ منت اور ترلے کے آٹے سے گوندھی ہوئی نظر تھی۔ اور روٹی پکانے والیاں دونوں سامنے بیٹھی تھیں۔

"تم دونوں کی گڑیا اور پٹولے میں نے کبھی سینت سینت کر نہیں رکھے۔ سنبھال کر نہیں رکھے۔ مگر ادھر دیکھو اس کی ایک ایک چیز میں نے رکھی ہوئی ہے۔ دنیا منہ پھٹ ہے جو بھی کہتی رہے مگر تم دونوں اسے کچھ نہ کہا کرو۔ میرے دل پر چوٹ پڑتی ہے۔ وہ اس گھر کا اکلوتا مرد ہے۔" کلثوم اماں کرنکل کا دوپٹا منہ پر ڈال کر پھپک پھپک کر رو دی تھیں۔

دنیا میں سچ کی علمبردار مہر نے اماں کی تصحیح ضروری سمجھی تھی۔ "بے فکر ہو جائیں اماں، اب وہ اس گھر کا اکلوتا مرد نہیں رہا۔"

عجی نے سسکی لی تھی۔ اماں خالی خالی آنکھوں کے ساتھ دیکھے گئیں۔ مہر نے قہر بن کر وہ رات ان کے وجود پر دے ماری تھی۔

''ہمیشہ آپ کو یہی کہتی رہی اماں کہ آپ کے نصیب میں صرف بیٹیوں کے سکھ ہیں۔ جس پر جان نچھاور کرتی رہتی ہیں وہ آپ کے لیے کبھی سکھ نہیں بنے گا۔ مگر نہیں یہ اختلافی نقطہ ہمیشہ میرے اور آپ کے تعلق کو ہی زنگ لگا گیا جیسے اس ٹرنک کو لگ چکا ہے۔''

اماں عجی کی طرف لپکی تھیں۔ جو دیوار سے لگی تھی۔

''صبح کب ہوگی اماں...... میں دن نکلتے ہی چلی جاؤں گی۔''

مہر کو زور سے ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ وہیں ٹھنڈے فرش پر لوٹ پوٹ ہوگئی تھی۔

''اے لو...... ایسے حالوں میں کون چھوڑ کر جاتا ہے بھلا اپنے محبوب کو۔ دنیا گواہ ہے تمہارے دل کے جذبات کی۔ سب جانتے ہیں تمہارے دل کی بپتا...... سب کو خبر ہے کہ عذرا عرف عجی قیس سے عشق کرتی ہے۔''

''ہائے ہائے......!'' اماں دہل گئی تھیں۔

عذرا نے مہر کی چوٹی پکڑلی۔ ''خبردار، خبردار جو دوبارہ اپنے منہ سے یہ بات نکالی تو، ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟''

''چٹیا کاٹ کر نہر میں ڈال دوں گی تمہاری۔''

''کون سی نہر......؟ وہ گندا نالہ......؟ ہائے ہائے وہ تو بہت ہی برا ہے، بدبودار......''

اماں نے سارا معاملہ ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھا تو عجی کو دھرلیا۔ بازو سے پکڑ لیا تھا۔

''تو کہہ ناں مہر سے میری بات مان لے۔''

مہر کی آنکھیں جیسے خون رنگ ہوگئی تھیں۔

''تمہاری بات مانوں یا اس کی بات مانوں...... پہلے یہ تو بتاؤ کہ آخر بات کس کی ہے۔ سچ کہوں تو اماں، مجھ سے امید نہ رکھنا، میں کسی وعدے کی زنجیر میں ہوں۔''

عجی کو اچنبھا ہوا تھا۔ رات گدلی کھڑکیوں سے چھپ کر سننے آ گئی تھی۔

مہر کو جی بھر کر لاج نے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کون سا وعدہ...... کس کا وعدہ......؟"

چھپن چھپائی کا کھیل تھا کیا؟

اماں کو لگا وہ آج جی جان سے شکست کھا گئی ہیں۔ اصل میں تو یہ ہار کسی اور کی تھی۔ ہاں ہاں...... یہ ہار تو کڑ کڑ کرتے ٹرنک میں بسے انسان کی تھی۔ جوان تین عورتوں سے بارہ سیڑھیوں کے فاصلے پر تھا۔ بارہ مطلب درجن بھر سیڑھیاں...... وہ تینوں عورتیں ان سیڑھیوں سے نظر چرا رہی تھیں۔ کبھی کبھار نظر ادھر کو پلٹ جاتی تھی۔

اماں نے ہاتھ جوڑ کر مہر کے آگے کر دیے تھے۔

"مان لے میری بات...... ورنہ دودھ معاف نہیں کروں گی تجھے۔"

اماں کا روٹھا روٹھا انداز اور عجی کی سوالیہ نظریں سمجھو تو مہر پارہ پارہ ہو گئی تھی۔

"تم سے کہا تھا نا عجی...... یاد کرو۔ ذرا یاد تو کرو، وہ جب ایک دوپہر میں نے تم سے کہا تھا کہ مائیں جذباتی ہوں تو اولاد کو ایموشنل نہیں ہونا چاہیے ورنہ...... ورنہ مائیں بلیک میل کرنے لگتی ہیں۔"

سناٹا گہرا اور گہرا ہوتا گیا۔ تب ہی درجن بھر سیڑھیوں سے ایک ننھے بچے کی آواز سنائی دینے لگی۔

آہستہ آہستہ...... پھر تیز...... اور تیز...... مہر نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ عذرا نے دیوار سنبھال لی تھی اور اماں نے کرنکل کا دوپٹا کانوں کے پیچھے اڑسا تھا۔

"سمجھاؤ ناں عجی اسے...... دیکھو تو ذرا، بچہ رو رہا ہے۔ کیسے سنبھال رہا ہو گا وہ اسے۔"

مہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھاگرے کی چنٹیں ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ بجلی شام سے ہی غائب تھی۔ پورے کمرے میں جلتی ہوئی اکیلی موم بتی پگھلنے کو تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی وہ کلثوم کے پاس آ کر رک سی گئی تھی۔

"اماں......! کیوں ہوا ایسی تم...... مٹی کے مادھو جیسی...... دیوی جیسی کہ سب کچھ دان عام کر دو۔

تم نے بھی تو پالی ہے ناں پرائی اولاد، پرایا خون۔ یہ بچہ تو اس کا اپنا ہے، وہ کیوں نہیں پال سکتا اسے۔ باپ ہے اس کا۔ یاد کر لے ناں لوری اور جب جب بچہ روئے تمہاری طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر لوریاں کانوں میں انڈیلتا رہے۔"

اب بجی کے بت میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ بھی کھسک کر پاس آئی۔

"یادداشت کمزور ہے اس کی مہر، بھول جانے کی بیماری ہے اسے۔ جو میرا عشق بھول سکتا ہے، وہ کیا لوری یاد کرے گا۔ دو کا پہاڑہ تھوڑی ہے کہ رٹا لگائے گا۔ لوریاں تو محبت سے یاد ہوتی ہیں مہر...... دل سے نکلتی ہیں۔"

رات گم صم تھی۔ لمحے دم بخود تھے۔ اور وہ تینوں ساکت...... فضا میں ایک لوری کی آواز گونجنے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے سرعت سے۔

لوری سے شام ہوتی تھی۔ لوری سے رات گزر جاتی تھی۔ آج لوری کی آواز سے مشرق سے دن نکل رہا تھا۔ سورج نے کرنیں پھینکنا شروع کر دی تھیں۔

الھڑ بلھڑ باوے دا
باوا کنک لے آوے گا
بی بی بہہ کے چھٹے گی
سو روپیہ وٹے گی
اک روپیہ کھوٹا
اوہدا لیاندا لوٹا
لوٹے وچ پانی
ماں میری رانی
پیو میرا راجا
سونے دا دروازہ

چاندی دیاں توڑیاں

ستے بھیناں گوریاں

اک بھین کالی

اوہی کرماں والی

اماں کلثوم کی لوری کی آواز بارہ سیڑھیوں کو پار کر کے پہنچ گئی تھی۔ بچے کی آواز گم ہو گئی تھی۔ عجی اور مہر لکڑی کے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ اماں ٹرنک بند کرنے میں لگی تھیں۔ کڑ کڑ کرتا ہوا ٹرنک اس بار خاموشی سے بند ہوا تھا۔ مہر حیرت میں تھی۔

''یہ ٹرنک کی آواز کیسے......؟''

عذرا نے ہنس کر کہا تھا۔

''اماں کی لوری کا اثر ہو گیا ہے۔''

اماں سکون سے ٹرنک جگہ پر کھسکا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''افسوس میری اپنی سگی اولاد پر میری لوریاں فیل ہو گئیں۔'' کلثوم جارجٹ لہراتی نکل گئی تھیں۔

مہر ششدر رہ گئی تھی۔

''فیل بول کر گئی ہیں ناں......؟ میں نے غلط تو نہیں سنا۔''

عجی نے اپنی چادر کو سر پر جمایا جیسے کہیں ضروری کام سے جانا ہو۔

''ہاں...... تمہیں فیل کر کے گئی ہیں۔''

عذرا بھی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مطلب دونوں امیدوار مقابلے سے باہر تھے۔ سب کی آنکھیں مہر پر تھیں۔ جو مہر تھی مگر قیس کے بقول ''قہر'' تھی۔

کون جانے...... کس کو خبر...... گھر کے آنگن میں لگی سرسوں کے پیلے پھولوں والی کیاریوں کو یہ راز پتا تھا کہ وہ...... یعنی کہ وہ...... ہاں...... وہی وہی...... مہر تھی۔ محبت تھی، برکھا تھی۔ پورے کا پورا ساون تھی۔

سب نے قیس کا رونا رویا تھا کہ "قیس جنگل میں اکیلا ہے۔"

کسی نے مہر بختیار کو دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ اماں کلثوم نے بھی نہیں...... عذرا بختیار نے بھی نہیں......!

☆......☆......☆

سلیٹی آسمان بادلوں سے مکمل ڈھک چکا تھا۔ کچھ پرندے مٹر گشت کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ دن بھر کی ہلچل شروع ہو چکی تھی۔ ننگ دھڑنگ بچے ماؤں سے جی بھر کر ذلیل ہونے کے بعد اب کستوری محلے والوں کا ضبط آزمانے پر تلے ہوئے تھے۔ مہر کھڑکیوں کے پاس بیٹھی ہوئی رجسٹروں کے ڈھیر میں کہیں گم ہو چکی تھی جیسے زمانوں کے بعد حال میں واپس آئے گی۔ وہیں کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی بجی دھڑا دھڑ قمیصوں کی ترپائی میں لگی ہوئی تھی۔ اماں نے کچن سے نکل کر باہر جھانکا تھا کہ کون اتنا کم مصروف تھا کہ جس کے ذمے دودھ لانے کا کام ڈال دیا جائے۔ مہر کی مصروفیت ذرا مشکوک لگی تو اس کی طرف چلی آئی تھیں۔

"جاؤ مہر، بھاگ کر دودھ لے آؤ ورنہ ابھی ٹیپو کی گھنٹی بجنے لگے گی۔"

اماں کی آواز مصروفیت میں غرق مہر تک تو نہ پہنچی تھی مگر ٹیپو کی گھنٹی تک ضرور پہنچ گئی تھی جو ٹن ٹن بجنا شروع ہوئی تو صور اسرافیل کو بھی مات دیتی ہوئی لگی۔

مہر اماں سے برتن پکڑ کر باہر کی طرف بھاگی تھی۔

"آج تو ٹیپو کا بچہ میرے ہاتھ سے نہیں بچے گا۔"

ٹیپو کا بچہ اپنی سہراب سائیکل کے ساتھ کھڑا محلے کی عورتوں پر رعب ڈالنے میں ان کے سسرال کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ٹیپو صاحب سوکھے سڑے ہوئے چرخ سے انیس سالہ کسی افریقی ریاستوں کے شہزادوں جیسی آن بان اور شان رکھتے تھے۔ بتیسی کے بتیس میں سے اٹھائیس دانت ہی سلامت بچے تھے۔

محلے کی خرانٹ مگر چہرے مہرے سے بے چاری عورت اپنی منت سماجت میں مشغول تھی اور ٹیپو صاحب ڈول پر ڈول مار کر جیسے ٹیپو سلطان ہو گئے تھے۔ مہر وہیں کھٹاک سے دروازے میں آ کھڑی ہو

گئی تھی۔

''ٹیپو بھیا...... خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ کل جیسے ہی دودھ ابالنے لگی، دودھ ہی پھٹ گیا۔ تب سے میری ساس کا موڈ خراب ہے۔ میرے میاں سے بھی میری شکایت لگا چکی ہیں۔''

ٹیپو کے پیروں سے ہوتی ہوئی بات سر پر بجھ چکی تھی۔

''بس کر دیں بہن جی...... جیسے ہی ٹیپو کو پیسے دینے کا وقت آتا ہے سارے محلے کے مسئلے شروع ہو جاتے ہیں۔''

''ارے بھیا...... صبح صبح میں جھوٹ تھوڑی بولوں گی...... سچ ہی کہتی ہوں دودھ میں کوئی مسئلہ ہے۔''

ٹیپو طیش سے ڈول پٹخ رہا تھا۔ غصے میں تو کالا رنگ قندھاری انار کا مقابلہ کرنے پر تل جاتا تھا۔

''پھر اپنا راستہ ناپ لیں۔ آج سے دودھ بند...... مجھے کسی پاگل کتے نے کاٹا تھا جو اس خرانٹ محلے والوں کا کھاتا شروع کر لیا تھا۔''

مہر کے ضبط نے جیسے سارے پیمانے لبریز کر کے اسے میدان جنگ میں آنے پر آمادہ کر ہی لیا تھا۔ وہ ٹیپو کے چراغ گل کرنے کے لیے سامنے آئی تھی۔

''خرانٹ کس کو کہا ہے بھلا...... اور صحیح تو کہہ رہی ہیں بے چاری۔ ضرور دودھ میں کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے۔''

''باڑے سے دودھ لاتا ہوں۔ سچا کھرا اور خالص...... اپنے جیسا۔''

''رہنے دو...... دودھ بیچتے ہو مگر دودھ کے دھلے نہیں ہو تم ٹیپو صاحب...... لگتا ہے بھینس کو کوئی غلط انجیکشن لگا چکے ہو۔ آج ہی لیبارٹری جا کر دودھ ٹیسٹ کرواتی ہوں۔ پھر سب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔''

ٹیپو کا رنگ پہلے لال ہوا، پھر نیلا پڑا اور آخر میں سفید ہو گیا۔

''مجھے دھمکی دے رہی ہو؟''

''سچ کہہ رہی ہوں۔ تم اس محلے کی بھولی بھالی ہاؤس وائف لوگوں کو تو بے وقوف بنا سکتے ہو مگر مجھے

نہیں۔تم مجھے ابھی جانتے نہیں ہو۔ڈاکٹر بننے والی ہوں۔ایسی دو نمبریاں چٹکیوں میں پکڑ لیتی ہوں میں۔"

"اب تو میں ایک پاؤ بھی دودھ نہیں دینے کا۔سچ کہتے ہیں جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچو......میں نے سارے محلے کا ادھار معاف کیا۔"ٹیپو نے اپنی سائیکل سنبھال لی تھی اور بھاگا تھا۔

وہ دونوں پیچھے کھڑی دیکھ رہی تھیں۔

عورتیں پیچھے ہکا بکا کھڑی تھیں۔

"ہائے ہائے مہر، تم نے یہ کیا کیا۔ٹیپو تو سچ میں چلا گیا۔اب دودھ والا کوئی اور کہاں سے ڈھونڈیں گے۔"

"ارے کیمیکل ملا کر پلا رہا تھا ہم سب کو......میں تو کب سے اماں سے کہہ رہی تھی مگر میری سنتا ہی کون ہے۔اب دیکھا دال میں کچھ کالا تھا تو تب ہی بھاگ گیا منحوس......"

نو سو چوہے کھا پی کے ہضم کر کے ٹیپو عرف بلی جا چکی تھی۔

پاس کھڑی چمن کو افسوس ہوا تھا۔

"میری ساس تو چائے کے انتظار میں بیٹھی ہے۔ڈبے والے دودھ کی چائے تو وہ پیتی نہیں......"

مہر کو تو خوب برا لگا تھا۔

ساس نامی مخلوق بھی ہر صدی میں خوف کی علامت رہی تھی۔چنگیز خان اور ہٹلر کے بعد ساس کا خوف ہی قائم و دائم تھا۔

"ارے ہر وقت کیوں ڈرتی رہتی ہیں ساس سے؟اکیسویں صدی ہے اگر کوئی پنگا کریں بھی تو مجھے بتایئے گا، پولیس کیس کا طریقہ بتا دوں گی۔"

مہر کے مشورے پر اگلی کے اوسان خطا ہونا شروع ہو گئے تھے۔دہل کر اسے دیکھا۔

"مہر! تم سے تو ڈر لگتا ہے بھئی......تمہارے مشورے پر چلی تو تینوں بچوں کے ساتھ طلاق لے کر سڑک پر آجاؤں گی۔"

توبہ توبہ کرتے ہوئے عورتیں ڈبے والا دودھ لینے چل دی تھیں۔ مہر کے بت کو کلثوم کی آواز نے ہلایا تھا۔

"دودھ لے بھی آؤ یا دروازے پر ہی جم کر کھڑی ہو گئی ہو۔"

مہر اماں کے عتاب سے بچنے کے ایک سو ایک طریقے سوچتے ہوئے لوہے کے گیٹ سے اندر چلی گئی تھی۔ آسمان پر بادلوں کی ٹکڑیاں جیسے برسنے کو تیار کھڑی تھیں۔

☆......☆......☆

ایک آدھ گھنٹہ اماں سے عزت افزائی کروانے کے بعد وہ محکمہ موسمیات کی خبر کی تصدیق کرنے کے لیے جب چھت پر پہنچی تھی تو سامنے کا منظر ہی بدل چکا تھا۔ بارش کی پھوار پڑنا شروع ہو چکی تھی۔ گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو کے ساتھ پکوڑوں کی مہک بھی فضا میں موجود تھی۔ مہر گہری سانس لے کر اوپر پہنچی تھی تو وہ دونوں سامنے ہی موجود تھیں۔

عذرا الگنی سے کپڑوں کا ڈھیر اتارنے میں لگی تھی۔ اور زرناب ہمیشہ کی طرح دور تک پھیلی ہوئی کستوری محلے کی چھتوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ایسے ہی یہاں آکر سحر زدہ ہو جایا کرتی تھی۔ کستوری محلے کے مکین اور یہاں کا ماحول جیسے جادو کی چھڑی تھا سب کچھ بدل کر رکھ دیتا تھا۔ مجی سے اس کی دوستی کی وجہ بھی شاید یہی تھی۔ وہ بڑے گھر کی لڑکی تھی۔ جہاں رہنے والوں کے دلوں کا چھوٹا وزن اسے پریشان کر دیتا تھا۔ تب ہی وہ یہاں بھاگ بھاگ کر آتی تھی۔

مہر ہمیشہ زرناب کو دیکھ کر سوچا کرتی تھی۔

"زندگی نے بھی کن لوگوں کو نوازا ہے۔ جنہیں چاہ کسی اور چیز کی ہے اور دسترس میں کچھ اور ہے۔"

نیچے سے اماں کی آوازیں چھت پر پہنچنے کے ساتھ ساتھ پورے محلے کو بھی فیض یاب کر رہی تھیں۔

"مہر! اچار کے مرتبان سنبھال کر رکھ لو، بارش شروع ہو چکی ہے۔"

مہر جیسے عاجز آ گئی تھی۔ یونہی ہمیشہ اس گھر کی ہر افتاد اور ایمرجنسی میں مہر کی ہی شامت آیا کرتی تھی۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اچار کے مرتبان اٹھا کر شیڈ کے نیچے رکھنے لگی۔

''ایک تو میں اماں کے ان اچار کے مرتبانوں سے سخت عاجز آ گئی ہوں۔''

بجلی کے کھمبوں کی تاروں پر پرندوں کے جھنڈ پنکھ پھیلا کر جیسے تازہ دم ہو رہے تھے۔ چند شریر چڑیوں اور کوؤں کے درمیان ہونے والی مہا بھارت کو زرناب دلچسپی سے دیکھتے ہوئے عجی کی طرف مڑی تھی۔

''تھینک یو سو مچ...... تم نے اتنے شارٹ نوٹس پر میرا آرڈر ریڈی کر دیا۔''

دوستوں کی خوشی میں ہمیشہ خوش رہنے والی عجی نے چہرے پر مسکراہٹ سجالی تھی۔ ایک ہی تو بہترین دوست بنائی تھی آج تک اس نے۔ اور یہ وہ فخریہ کریڈٹ تھا جو سب کے سامنے وہ خود کو دیا کرتی تھی۔

''ارے کوئی بات نہیں، تمہارا کام کر کے ہمیشہ ہی مجھے خوشی ہوتی ہے۔ ایک ہی تو میری دوست ہے اس کے کام نہیں آؤں گی تو کس کے آؤں گی۔''

مہر کی بڑبڑاہٹیں عروج پر تھیں۔

''اماں اچار کا بزنس کیوں شروع نہیں کر دیتیں۔ ذرا سی بارش کی بوند گری نہیں اور مہر بختیار کی ڈیوٹی لگ جاتی ہے۔ مرتبان ادھر کر دو، مرتبان ادھر کر دو۔''

زرناب اور عجی ہنس رہی تھیں اور مہر کو شدید بری لگ رہی تھیں۔ تب ہی نچلے پورشن سے اماں کا اعلان پھر سے شروع ہو گیا تھا مگر اس بار ان کی مخاطب مہر نہیں تھی۔

''عذرا، زرناب......! اگر کپڑے اتار لیے ہوں تو جلدی سے نیچے آ جاؤ، پکوڑے بن گئے ہیں۔''

زرناب کو جیسے یہ اعلان جی جان سے پسند آیا تھا۔

''اللہ! آنٹی کے ہاتھ کے پکوڑوں جیسا ذائقہ تو دنیا میں کسی کے ہاتھ میں نہیں ہو گا۔''

عجی جلدی جلدی تار سے کپڑے اتار رہی تھی۔ زرناب ہتھیلیوں میں بارش اکٹھی کرتی آسمان کی طرف دیکھتی گول گول گھوم رہی تھی۔

عذرا نے چھت سے ذرا سا لٹک کر جوابی پیغام پہنچایا تھا۔

''اماں! سب ہو گیا۔ ہم بس آ رہے ہیں۔''

مہر کو پھر سے اماں پر نئے سرے سے غصہ آیا تھا۔

"اماں کا بس چلے تو الہ دین کا چراغ لے لیں اور فٹافٹ اس سے کام نکلواتی رہیں۔ اور بے چارہ الہ دین بھی وہاں کا رخ کرے گا جہاں سے کوئی زندہ واپس نہیں آتا۔"

زرناب جیسے ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئی تھی۔ سبز آنکھوں والی لڑکی کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

"بہت مزے کی باتیں کرتی ہو مہر......"

"یہاں تو لوگوں کو اعتراض ہی میری باتوں پر ہے۔" شکایتی نظریں عجی کی طرف اٹھی تھیں۔

عجی نے فٹ سے چوری پکڑ لی۔

"باتوں پر نہیں تمہارے لہجے پر، درستی کرلو...... چلو زری...... تمہارے پکوڑے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ تم نے ہی جلدی مچائی ہوئی تھی۔"

زرناب کا دل جیسے بارش نے کھینچ لیا تھا۔ آنگن میں لگے نیم کے درخت پر کوئلیں کوکنے لگی تھیں۔

مڈل کلاس زندگی کا یہ سحر زرناب کو یونہی بے گانہ کر دیا کرتا تھا۔

"یار! کتنی پیاری ہوتی ہے ناں بارش۔ کتنی اچھی لگتی ہے ناں بارش...... کہیں سے پکوڑوں کی خوشبو اور کہیں سے حلوے کی۔"

مہر مرتبان ٹھکانے لگانے کے بعد اب بے زاری سے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ مہر کے لہجے میں ایک کسک اور خالی پن تھا جو بارشوں کے ملگجے پانیوں میں ہوتا ہے۔

"کہاں پیاری ہوتی ہے بارش زری...... بس بارش بھی ایک فینٹسی ہی ہے۔ مڈل کلاس لوگوں کی زندگی کو ڈسٹرب کر کے چلی جاتی ہے۔ پہلے ہی گلیاں اتنی تنگ ہیں اوپر سے بارش کے پانی سے ندی نالے بن جاتے ہیں، کپڑے بچا کر چلنا پڑتا ہے۔ اسکول والے الگ خوار ہو رہے ہوتے ہیں۔ بے چارے جاب والے تو آفس لیٹ جا کر باس کی ڈانٹ ہی سنتے ہیں۔ ٹی وی ڈراموں میں، ہیرو ہیروئین کے رومانٹک سینز میں ہی اچھی لگتی ہے بارش بس...... ورنہ حقیقت میں تو مسائل ہی مسائل۔"

مہر کے لہجے نے زرناب کو متوجہ کیا تھا۔ مہر یونہی زرناب کی توجہ بھٹکانے کے کام کیا کرتی تھی۔

''مڈل کلاس کے واقعی یہ مسئلے تو ہیں۔ لگتا ہے تم اپنی کلاس کو لے کر کافی سوچتی رہتی ہو؟ اتنا حساس نہ ہوا کرو۔''

زرناب کی بات جیسے مہر کو لگ گئی تھی۔ وہ کچھ لمحے ٹھہرتی تھی وہاں اور وہ لوگ مدتوں سے کستوری محلے میں رہ رہے تھے۔

''ہر کسی کو ہونا چاہیے۔ حساس لوگ اور حساسیت ویسے بھی کمیاب ہوتی جارہی ہے اس دنیا سے۔''
عجی نے دونوں کو سیڑھیوں کی طرف دھکیلا تھا۔

''اتنے خوب صورت موسم میں اتنی خوف ناک باتیں، چلو نیچے چلو۔''

عجی کپڑوں کا ڈھیر تھامے دھپ دھپ کرتی اتر گئی تھی۔ وہ دونوں چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی نیچے آ رہی تھیں۔ مہر نے ایسے ہی باتوں باتوں میں پوچھ لیا تھا۔

''اگر کبھی پوری زندگی گزارنی پڑ جائے ایسے محلے میں تو؟''

''شاید خوشی خوشی گزار لوں گی۔ میں نے بڑے گھروں میں چھوٹے لوگ دیکھے ہیں مہر، اور چھوٹے محلوں میں بڑے لوگ دیکھے ہیں۔''

آخری سیڑھی پر پہنچ کر زرناب عرف زی منظر سے غائب ہو گئی تھی۔ مہر کی نظریں چھت پر تھیں۔ جو قطرہ قطرہ ٹپک رہی تھی اور گھر کے برتنوں میں پانی جمع ہوتا جا رہا تھا۔ وہی پانی اب مہر کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔

گدلا پانی......کھارا پانی......کہو تو بارش......سنو تو آنسو......!!

☆......☆......☆

انگریزوں کے دور میں قائم ہونے والا کستوری محلہ جوں کا توں موجود تھا جیسے کچھ اڑیل اور ضدی بزرگ ہوتے ہیں کہ اپنی ہٹ سے ذرہ بھر بھی ادھر سے ادھر کو نہ سرکیں گے، یہی حال اس محلے کے ساتھ ساتھ یہاں کے مکینوں کا بھی تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھروں کے ساتھ ساتھ گھٹن بھری زندگی کے بھی عادی ہوتے چلے گئے۔ پرانے لوگ تھے پرانے ہی رہے، اور باہر کا زمانہ کہیں کا کہیں نکل گیا تھا۔ کبھی کبھار جو

بڑے شہر کا چکر لگتا تو عمارتوں کی تعمیر اور ہیت سے گھبرا کر گھر آجاتے اور یہیں سکون ملتا۔

زندگی ہر جگہ اور انسانوں کے لحاظ سے مختلف رنگ وروپ بدلتی ہے۔

پرانی طرز کے سیمنٹ گارے کی عمارتیں جن کے چوباروں سے جنگلی پیپل کے درخت پھوٹ پڑتے تھے۔کہیں کہیں لکڑی کے کام والے گھر بھی بہتات میں تھے۔بس چلتے پھرتے وقت ذرا احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا کہ کہیں بار بار کی کھٹ کھٹ سے لرزہ نہ طاری ہو جائے۔پرانے کاروبار جو پرکھوں سے چلے آرہے تھے،انہی کی عزت اور شان وشوکت تھی۔

پرانی کیسٹس کی دکانیں جو ہارمونیم اور طبلے کی آوازوں سے گونجتی رہتی تھیں۔کچھ زلف تراش اور دیگوں کی کھڑ کھڑ کے کاروبار بھی زندہ تھے۔گورنمنٹ اسکول بھی پرانی عمارتوں کے ساتھ اپنی جگہ کھڑے تھے جہاں اب بھی ٹاٹ پر بیٹھ کر بچے اب پڑھتے تھے اور حساب کورٹے لگاتے تھے۔

یہی دنیا ان کی کل کائنات تھی۔زیادہ پڑھے لکھے لڑکے کلرک تھے جن کے گھر رشتے والے ہر ہفتے شیر مال اور نمک پارے کھانے آیا کرتے تھے۔

نائن رشتے کروانے پر ہمہ وقت کمر بستہ رہتی تھی۔یہ انہی دنوں کی بات تھی جب کشمیرن بوا نے اطلس کو پکڑا تھا اور خود سے عہد کیا تھا کہ اس کا رشتہ طے کروا کے ہی دم لیں گی۔محلے بھر نے خوب خوب کھلی اڑائی تھی۔

”بدمعاش کا رشتہ کروائیں گی تو شریف زادیوں کے دروازے بند ہی پائیں گی۔“پورے محلے کی عورتوں نے جھنڈ کی شکل میں کشمیرن بوا پر دھاوا بولا تھا۔

”خبردار!جو ہمارے دروازے پر اس مشٹنڈے بدمعاش اور شرابی کا رشتہ لائیں تو......“

وہ بدمعاش تھا۔تھوڑا بہت مشٹنڈہ بھی......مگر شرابی......؟

برے لوگ بھی لوہے چون کی طرح ہوتے ہیں۔برائیاں ہر وقت انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لپٹ جاتی ہیں۔چمٹ جاتی ہیں۔

کشمیرن بوا نے گندے نالے کے پاس گول میز کانفرنس میں اطلس سے کیا ہوا عہد واپس لیا تھا۔

"ناں بھیا ناں......ہم تو باز آئے تمہارے کام سے۔ پورے محلے سے دشمنی پال لی ہے میں نے۔سب نے میری صحیح مٹی پلید کی ہے کہ کس نکلے ،اچکے،لوفر اور بدمعاش کا رشتہ لائی ہو۔"

نکما، بدمعاش، اچکا اور لوفر گندے نالے میں پتھر پھینکتا رہا۔شام سے جب وہ تھکا ہارا گھر پہنچا تھا تو اماں چارپائی پر ہی فالج زدہ جسم لے کر پڑی تھیں۔ مینا اور ٹنکو دونوں پھٹے ہوئے کمبل میں پڑے قیمتی نیند سو رہے تھے۔وہ فرش پر بیٹھا رہا۔اماں چھت کو دیکھتی رہیں ہمیشہ کی طرح اور اطلس فرش کو......!

ابا کے مرنے کے بعد زندگی کی ساری چمگادڑیں آکر لپٹ چمٹ گئی تھیں۔ وہ خالی ذہن کے ساتھ لڑتا رہا اور بچتا رہا۔ یہاں تک کہ سب کچھ ختم ہوگیا۔

بچت بھی، دکان بھی، راشن بھی......اور رشتے بھی......!

گھر کی حالت کوڑے کی طرح لگتی تھی۔سوچا تھا کوئی رشتہ ملے تو آنے والی گھر دیکھ لے گی۔ سب کچھ سنبھال لے گی۔

کستوری محلے والے بدمعاشوں کو بیٹیاں نہیں دیتے۔" چابک کی طرح لگی تھی بات اور نشانے پر دل تھا۔

ہائے ہائے اطلس......وائے وائے اطلس......

☆......☆......☆

چھتری سرپرتا نے سخت جھنجلایا ہوا وہ کستوری محلے کی تنگ وتاریک گلیاں عبور کر کے مطلوبہ مقام پر پہنچا تھا۔آس پاس کھڑے بچوں کی ننگ دھڑنگ فوج اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی آٹھواں عجوبہ ہو اور اس کی گاڑی دیکھ کر سب کی آنکھوں سے معصوم سا لالچ ٹپک رہا تھا۔سامنے لوہے کے گیٹ کو اب ہاتھ سے بجا بجا کر رومان کے ہاتھ ضرور سرخ ہو گئے تھے۔سخت چڑا ہوا سا لگ رہا تھا۔اس گھر کی کال بیل بھی برقی تاروں سمیت باہر لٹک رہی تھی جسے دیکھ کر رومان کی جان مزید جل سڑ رہی تھی۔ تین چار بار کی دستک کے جواب میں کہیں اب جا کر کھٹ سے دروازہ کھلا تھا اور منہ میں پکوڑا ٹھونستی ہوئی لڑکی کا سر نظر آیا تھا۔

''ہمارا گیٹ توڑیں گے کیا؟''

رومان جل کر خاک واک ہو گیا تھا۔

''پہلے کون سا سلامت نظر آرہا ہے یہ۔''

کستوری محلے کی مہر بختیار نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھا۔

''کون ہیں آپ؟ کیا چاہیے؟''

''یہ عذرا عرف عجی کا گھر ہے؟''

بس یہ کہنے کی دیر تھی سامنے والی نے پکوڑا انگلا اور جیسے گھمسان میں رن پڑنے کو تیار ہوگئی۔

''لڑکیوں کا نام لے کر گھر ڈھونڈنا شرافت تو نہیں ہوتی۔''

رومان نے بارش کو ہلکا ہوتا دیکھ کر چھتری سمیٹ لی تھی اور آنکھوں پر لگے ہوئے قیمتی گلاسز بھی ہاتھ میں پکڑ لیے تھے۔

''جی بالکل ٹھیک کہا۔ میں شریف ہوں بھی نہیں۔''

رومان کا اطمینان بھرا لہجہ اگلی کو خاصا ناگوار گزرا تھا۔ وہ اب پھر سے سر سے پیر تک پوسٹ مارٹم کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

''وہ تو نظر آرہا ہے۔''

''اوہ......اچھا......! آپ کو نظر بھی آتا ہے؟''

وہ جیسے چار لفظ اس پر بھیجنے ہی والی تھی کہ پیچھے کہیں دور سے آواز آئی تھی۔

''مہر! کون ہے دروازے پر، گوند بن کر چپک جاتی ہو ہمیشہ دروازے پر۔''

رومان نے جیسے اس بار مزا اور سکون کا سانس ایک ساتھ لیا تھا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ محترمہ آپ تو گوند کی طرح چپک ہی گئی ہیں۔ اور ویسے بھی مجھے پتا ہے کہ عجی کا یہی گھر ہے۔ ایک بار میں زرناب کو ڈراپ کرنے آیا تھا۔ مگر آج کا دن ہی خراب تھا جو آپ سے سامنا ہو گیا۔''

مہر کی صحیح معنوں میں اب چڑیوں توتوں کی ڈار ایک ساتھ آسمان کی طرف پرواز کر گئی تھی۔

''ارے رومان بھائی، آپ اندر آیئے ناں پلیز۔ آپ پہلے تعارف کروادیتے تو مجھے آسانی ہوجاتی۔''

''مجھے شوق نہیں ہے ہر کسی سے اپنا تعارف کروانے کا۔ آپ زرناب کو بلا دیجیے بس۔''

مہر پر شرمندگی کے کئی مٹکے ٹوٹ گئے تھے۔

''آجائیں پلیز...... ورنہ میری کلاس ہوجائے گی عجی آپی سے کہ میں نے ان کی بیسٹ فرینڈ کے فیانسی کو باہر کھڑے رکھا۔''

رومان کے چہرے کے تاثرات نفی میں تھے مگر پھر وہ آس پاس بچوں کی فوج دیکھ کر سر جھکا کر گیٹ سے اندر داخل ہونے لگا تھا کہ جاتے جاتے بچوں کی نظروں کے تعاقب میں اپنی گاڑی دیکھ کر پھر ٹھہر گیا۔

''کیا ہوا؟''

وہ پلٹ کر اس کا گریز محسوس کر کے پوچھ رہی تھی۔

''وہ میری گاڑی اور یہ بچے......''

مہر ہولے سے مسکرائی تھی۔

''یہ بچے سیکیورٹی گارڈ ہیں کستوری محلے کے، آپ کی گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔''

وہ حیران حیران سا سر نیچے کر کے ہاتھ میں چھتری تھامے گھر میں داخل ہوا تھا۔ وہ گھر بڑا عجیب تھا جس کی بڑی بڑی لکڑی کی کھڑکیاں تھیں جن کو دیمک آدھا آدھا چاٹ چکی تھی۔ پھر بھی دیواروں کا رنگ تازہ تھا۔ شاید قلعی کروانے میں مکین کوئی ناغہ نہیں کرتے تھے۔

وہ مہر کے پیچھے پیچھے اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تب ہی نظر دیوار کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی کیاریوں پر گئی تھی۔ جو موگرے اور مولی کے پودوں پر آنے والے پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ شاید یہی وہ دلچسپ سی خوشبو تھی جس نے پوری فضا پر حکومت کر لی تھی۔ رومان نے ایک مشک بھری گہری سانس کھینچ کر اندر اتاری تھی۔

"سنو......!"

مہراس کی آواز پر چونک کر مڑی تھی۔

"جی......؟"

وہ کیاریوں کے پاس رک گیا تھا۔کیاریوں میں زرد زرد پھول کھلے ہوئے تھے۔شان وشوکت سے......غرور سے......!جن پر چند چھوٹے شہد کی مکھیاں منڈلا رہی تھیں۔

"یہ کس چیز کے پھول ہیں؟"

مہر بختیار بے موقع ہنسی تھی۔وہ یونہی ہنستی تھی کہ مقابل کو مذاق اڑاتی ہوئی لگتی تھی۔وہ پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ سرسوں کے پھول ہیں......عجی نے بوئے ہیں۔"

وہ کستوری محلے کا سرسوں کے پھولوں والا گھر تھا۔

☆......☆......☆

عجی نے اپنی پیاری دوست کے منگیتر کے لیے ٹرے بہت دل سے سجائی تھی۔گھر کے شوکیس سے مہنگے ترین چینی کے برتن نکالے تھے جو اماں نے کستوری محلے کے حاجی صاحب سے منتیں ترلے کر کے باہر سے منگوائے تھے۔اوران برتنوں کو صرف اور صرف خاص موقعوں پر نکالنے کی اجازت تھی۔

چینی کے برتنوں میں بھاپ اڑاتا ہوا چائے کا کپ، سبزی والے پکوڑوں سے بھری ہوئی پلیٹ اور میووں والے بسکٹ سج چکے تھے۔وہ مسکراتی ہوئی ٹرے تھامے بیٹھک کی طرف آئی تھی جہاں مہر مہمان کو بٹھا کر خود گھر کی غلام گردشوں میں کہیں گم ہو چکی تھی۔

مگر جاتے جاتے زرناب کو ضرور چھیڑ کر گئی تھی۔

"زری آپی......بھڑوں کے چھتے سے بیاہ ہو رہا ہے آپ کا......خیال رکھیے گا۔"

زرناب نے تردید کی۔

"ارے نہیں مہر، رومی بہت اچھا ہے بس تھوڑی سا موڈی ہے۔"

"آہم آہم...... موڈی......" عجی نے سہیلی کو چھیڑا اور سہیلی بس دھیما سا مسکرا دی۔

خیر ایک بات تو پکی تھی کہ مہر اندازے اور قیافے لگانے کی ماہر تھی۔

تب ہی عذرا کے ہاتھ میں تھامی ہوئی ٹرے لرزنے لگی تھی۔شاید وہ دونوں کسی بات پر لڑ جھگڑ رہے تھے۔وہ وہیں دروازے کی اوٹ میں کھڑی رہ گئی تھی۔زرناب اور رومی آمنے سامنے تھے۔وہ شاید سخت غصے میں لگ رہا تھا۔

"زی......! آخر کب چھوڑو گی تم یہ سب......؟"

"کیا سب......؟ کیا غلط کیا ہے میں نے؟ اپنی دوست کے گھر ہی تو آئی ہوں۔"

چینی کے برتن چائے ٹھنڈی ہونے کا شور مچانے لگے۔پکوڑوں کی سبزیاں نرم پڑنے لگیں۔

"دوست نہیں مڈل کلاس دوست یار، کم از کم انسان دوست بناتے ہوئے اتنا تو دیکھ لیتا ہے کہ اس کا دوست کس کلاس سے ہے؟ اسٹیٹس کیا ہے؟"

زرناب کو وہ بات بہت بھاری لگی تھی۔بھلا وہ عجی کے بارے میں ایسی بات کیسے کر سکتا تھا۔پوری کالج لائف میں چھان پھٹک کر ایک وہی تو اسے ملی تھی۔کورے کاغذ جیسی......شفاف اور ملاوٹ سے پاک......!

"تم کرتے ہو گے ایسی سوچ سمجھ کر نفع نقصان والی دوستیاں...... یہ تو دل کی بات ہوتی ہے رومی، اور دوست تو دل سے بنائے جاتے ہیں۔"

وہ جیسے زی کی بات پر بھڑکا تھا۔ہاتھ میں تھامی چھتری دور اچھال دی تھی۔شاید اسٹیل کے برتنوں کو جا لگی تھی۔

"زینت آنٹی بالکل ٹھیک کہتی ہیں تم واقعی میں بے وقوف ہو۔یار، یہ لوگ ہمارے اسٹینڈرڈ کے نہیں ہیں۔جس مشکل سے میں یہاں پہنچا ہوں مجھے پتا ہے۔ہر آنکھ نے مجھے اسکین کر لیا ہے۔گلی کے وہ بدتمیز بچے الگ غنڈے بنے ہوئے ہیں۔ہر طرف گندگی کے ڈھیر ہیں، سانس لینا مشکل ہو رہا ہے۔ہائی جین کا کسی کو کوئی خیال نہیں ہے اور تم مزے سے یہاں پہنچ جاتی ہو۔اور یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟"

زرناب چونک کر اپنے کپڑوں کو دیکھتی ہوئی پرسکون لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"یہ عذرا کے ہیں، میرے بارش سے بھیگ گئے تھے تو میں نے اس کے پہن لیے ہیں۔ مجھے افسوس ہے رومی کہ تم اب بھی دوستی جیسے خالص رشتے کو اسٹیٹس کے ترازو میں تولتے ہو۔ یہ گھر مجھے اپنا لگتا ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی مطلب کے مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یہاں کسی بھی چہرے پر میرے لیے نقلی مسکراہٹ نہیں ہے۔ یہ ٹپکتی ہوئی چھتیں، یہ تنگ گلیاں، تمہیں بس یہی نظر آیا ہے بس......"

"پلیز زی...... بند کرو یہ باتیں اور چلو یہاں سے۔ میں اور کچھ دیر یہاں رکا تو پاگل ہو جاؤں گا۔"

زرناب اس کے پاس آ کر اس کا ہاتھ تھام رہی تھی۔ وہ جیسے جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا تھا۔

"تم بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں، اصل میں آنٹی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔"

وہ وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔ زرناب باہر نکل رہی تھی۔ سرسوں والے گھر کے چینی کے برتن تھامے زرد زرد ہوتی ہوئی عجی واپس پلٹ گئی تھی۔

کلثوم اماں کو زرناب نے رومی سے آ کر ملوایا تھا۔ اماں کی آنکھوں میں جگنو تارے اتر آئے تھے۔

"ماشاء اللہ زرناب بیٹی بہت خوش قسمت ہے۔ دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی ہے۔ خیر سے کیا کرتے ہو؟"

بمشکل مسکراہٹ چہرے پر رکھے وہ جیسے ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔ بیٹھک میں اندھیرا اچھل گیا تھا۔ دور کہیں سے اذانوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

"جی میں پاپا کا بزنس دیکھتا ہوں۔"

"چلو یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ تمہیں پتا ہے زرناب میرے لیے اپنی بیٹیوں کی طرح ہی ہے۔ جیسے میری مہر اور عذرا۔ میرے دل سے زرناب کے لیے بھی یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔ تم بیٹھو بیٹا، چائے وغیرہ پی کر ہی جانا۔ پتا نہیں یہ عذرا کہاں رہ گئی ہے۔" وہ عذرا کو آوازیں لگاتے ہوئے باہر نکل گئی تھیں۔

رومی جوتے کی نوک سے ٹک ٹک کرتا رہا تھا۔ تبھی سامنے لکڑی کی میز پر کسی نے دھم سے ٹرے

پنچی تھی۔ رومان نے سر اٹھا کر دیکھا عذرا عرف عجی سامنے کھڑی تھی۔ شیفون کے سرکتے ہوئے دوپٹے کو سنبھال کر سر پر ٹکانے کی کوشش کرتی ہوئی...... وہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اترتی ہوئی شام کا رنگ گہرا تھا یا پھر کستوری محلے کی سرسوں والے گھر میں رہنے والی عذرا عرف عجی کا......!

''چائے لے لیں۔''

''نہیں چاہیے۔ آپ بس زی کو بلا دیں۔''

''آ رہی ہے وہ۔ بس تھوڑی سی چیزیں پیک کرنی ہیں۔ اس لیے آپ چائے لیں اور گھر کے بنے ہوئے پکوڑے ہیں یہ۔'' ٹرے کی طرف اشارہ ہوا تھا اور رومی نے اشارہ کو پکڑ کر ٹرے کو دیکھا تھا۔

''میں ایسی چیزیں نہیں کھاتا، ڈائٹنگ پر ہوں۔''

''ٹھیک کہتے ہیں، آپ جیسے لوگوں کے لیے تو ہائی جین بہت ضروری ہوتی ہے۔''

روشنی کو بادلوں نے کھا لیا تھا۔ اندھیرا گہرا ہوتا گیا اور ساتھ ساتھ عجی بھی۔ مگر رومان ابھی بھی چمک رہا تھا اپالو جیسا...... وہ ماچس ڈھونڈ رہی تھی پھر دیا سلائی جلا رہی تھی۔ کمرا ہلکی روشنی سے تھوڑا تھوڑا چمکنے لگا تھا۔ موم بتی کی مخصوص مہک سے جیسے رومی کو کچھ ہوا تھا، وہ پھر سے چڑنے لگا تھا۔

''آپ کے گھر میں یو پی ایس نہیں ہے کیا؟''

وہ طنز سے جیسے ہنسی تھی۔ بدلہ چکانے کا وقت آ گیا تھا۔

''وہ کیا کہتے ہیں، ہاں یاد آیا مڈل کلاس لوگ ہیں ناں ہم۔ یہاں موم بتی سے گزارا ہو جاتا ہے۔''

وہ جیسے کچھ کچھ پہیلی بوجھنے لگا تھا۔ تب ہی سناٹے میں ٹک ٹک کی آواز گونجنے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے اونچی ہوتی جا رہی تھی۔

وہ سامنے دیوار پر لگے وال کلاک کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ وال کلاک خراب ہے کیا؟''

وہ بھی دیکھنے لگی تھی۔

''نہیں تو......''

"یہ آواز......" وہ جیسے تذبذب کا شکار نظر آ رہا تھا۔

وہ جیسے ہنسی تھی۔

"یہ کلاک کی آواز نہیں ہے۔"

وہ چونک گیا تھا۔

"تو پھر کس چیز کی ہے؟"

"چوہوں کی۔" اگلی مکمل اطمینان کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

رومی کو لگا تھا جیسے اندھیرے کمرے میں چوہوں کا کوئی ریوڑ اس کے پیروں سے ہوتا ہوا گزر گیا ہو۔ تب ہی اندر سے آواز آئی تھی۔

"عجی......! سلور پرات لے کر آؤ جلدی جلدی......"

جتنی جلدی جلدی پرات مانگی گئی تھی۔ اتنی تیزی سے عجی رومی کی طرف آئی تھی۔

"وہ آپ کے پیچھے فصیل ہے وہاں سے ذرا پرات نکال دیجیے۔"

"پرات کیا ہوتی ہے؟" وہ بھونچکا رہ گیا۔ یہ کہاں کی دنیا تھی کون لوگ تھے یہ۔

"وہ والی......" اشارہ ہوا تھا اور وہ بڑی سی پرات بمشکل برآمد کر کے اسے پکڑا رہا تھا۔

"کیا کریں گی اس کا؟" تجسس سے فوت ہوتے ہوتے بچا تھا وہ۔

عجی نے پہلے حیرانی سے اور پھر مزید حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"چھت ٹپک جاتی ہے ہماری بارش کے دنوں میں۔ گھر کے خالی برتن نیچے رکھتے ہیں تو بچت ہو جاتی ہے۔"

بات منہ میں ہی تھی کہ وہ گیٹ والی بدتمیز لڑکی غڑاپ سے اندر آ کر پرات چھین کر چھلاوے کی طرح باہر بھاگ گئی تھی۔

عجی انگلیاں چٹخاتی کھڑی رہ گئی۔

موم بتی آخری دموں پر تھی۔

''لگتا ہے آپ اپنی کلاس سے بہت خائف ہیں؟''

وہ لہجہ سیدھی سادی عذرا کو خوب خوب سمجھ میں آیا تھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر شیفون کا دوپٹا سر پر جماتے ہوئے مقابلے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

''میں خائف نہیں ہوں آپ جیسے لوگ ہیں جو ہم جیسوں سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔ ہم جیسے لوگ جو ہر طرح کے حالات میں گزارے کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بڑی خوشیاں ڈھونڈ لیتے ہیں۔ بے شک ہمارے پاس بینک بیلنس نہیں ہیں۔ لگژریز نہیں ہیں مگر ہم پھر بھی مطمئن اور خوش ہیں۔ ہم رشتوں کو اے ٹی ایم کارڈ کی طرح استعمال نہیں کرتے۔''

رومان کو ترش لہجے میں جیسے وہ للکار گئی تھی۔

''صرف لفظوں اور زبان کے اقرار سے حقیقت بدل نہیں جاتی محترمہ، اپنی خواہشوں اور احساس کمتری سے کب تک نظریں چراتی رہیں گی اور اپر کلاس دوستیاں پالتی رہیں گی۔''

عجی شل ہو کر رہ گئی تھی۔ کتنا غلط تھا وہ جو اسے غلط سمجھ رہا تھا۔

''اگر ایسا ہوتا تو آج میں زی کے گھر موجود ہوتی۔ ہمیں صرف بانٹنا آتا ہے چھیننا نہیں آتا۔ افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس نے آپ جیسے انسان کو پسند کیا ہے۔ جس کے نزدیک کلاس اور پیسے کی ہی ویلیو ہے۔''

شیفون سر سے ڈھلک گیا۔ موم بتی بجھ گئی۔ رومان عرف رومی چوہوں کے ریوڑ سے بچنے کی کوشش میں لگا رہا۔ باہر اندھیرے کی حکومت میں کستوری محلّہ موگرے کے پھولوں کی مہک سے مہکتا رہا۔

☆......☆......☆

قیس نے اچانک گھر میں قدم رکھا تھا۔ اور ہمیشہ کی طرح وہ فرمائشی پروگرام لے کر عذرا کے کمرے کی طرف ہی آیا تھا۔ عذرا الماری کے پٹ کھولے کپڑوں کے ڈھیر میں جیسے الجھی ہوئی کھڑی تھی۔ قیس کی طرف پشت تھی۔ وہ چار قدم آگے بڑھا تھا۔ وہ اپنی آواز میں رعب اور تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ شامل کر کے حق جماتے ہوئے برس پڑا۔

قیس میں بھی بارش کی ادا تھی گرجتا تھا اور پھر برس جاتا تھا۔

”تم تو بہت دعوے کیا کرتی تھیں کہ قیس کی ہر ضرورت کا خیال رکھوں گی۔ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ مگر تمہیں اپنی دوستوں سے فرصت ہو تو تم میرا کوئی کام کرو نا۔ آج تم نے کھانے کا پوچھا نہ ہی آج مجھے ادرک والی چائے ملی......اور تمہاری اس دوست کو کوئی کام نہیں ہے جب دیکھو یہاں تشریف لے آتی ہے۔“

الماری کے ضعیف اور کمزور پٹ کھٹاک سے بند ہوئے تھے۔ عجی کے بجائے زرناب پلٹی تھی۔

قیس جیسے شرمندہ شرمندہ سا بھیگ گیا تھا۔

”وہ مجھے لگا کہ عذرا......“

عذرا کی دوست مسکرائی تھی۔ حالانکہ لڑکیاں تو ایسی باتوں پر برا مان جایا کرتی ہیں مگر وہ عجیب باؤلی تھی۔

”وہ اصل میں میں نے عذرا کا سوٹ پہنا ہوا ہے تو آپ کو مس انڈرسٹینڈنگ ہو گئی ہو گی......
میں اس سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ آپ کے لیے ادرک والی چائے لے آئے۔ اور ہاں مجھے آئیڈیا نہیں تھا کہ آپ میری اور عذرا کی دوستی سے اتنے جیلس ہوں گے۔“

زرناب عرف زی نے آخر میں اردو انگریزی مکس کر کے قیس کو شرمندگی میں غوطے دے کر خود باہر کی راہ لی تھی۔ وہ وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔ مگر ہمیشہ کی طرح عجی کے حصے میں ہی اس کا غیظ و غضب آیا تھا۔

رات کے کوئی آدھے پہر جب بجلی آئی تھی اور کستوری محلے میں ایک ساتھ شور و غوغے کے ساتھ سیٹیاں بجی تھیں تو وہ قیس کی عدالت میں ہاتھ باندھے ہوئے پیش ہوئی تھی۔

”میں نے آپ کے کپڑے پریس کر دیے ہیں، کف لنکس بھی میچ کر دیے ہیں، ٹائی کی ناٹ بھی لگا دی ہے اور جوتے بھی پالش ہو گئے ہیں۔ باقی اگر کچھ رہ گیا ہو تو بتا دیجیے گا۔“

وہ خاموشی کی مار مارنے ہی والا تھا عذرا کو کہ کچھ یاد آ گیا۔ سامنے عجی کھڑی تھی۔ مگر نہیں......

سب دھندلا دھندلا ہونے لگا تھا۔نہیں نہیں...... عجی کی سہیلی کھڑی تھی شاید...... سب کچھ گڈ مڈ ہو گیا تھا۔

''شکریہ اس سب کے لیے......''

''پہلے تو کبھی ہم اس تکلف میں نہیں پڑے تو پھر آج کیوں؟''

''کیونکہ پہلے میں ضروری ہوا کرتا تھا، اب اضافی ہو گیا ہوں۔''

مانو تڑپ ہی گئی تھی بے چاری عذرا بختیار...... تب ہی تڑپ کر بولی۔

''نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ تمہاری زندگی میں ہی نئے لوگ آ گئے ہیں جن کے پاس پیسہ ہے، لائف اسٹائل ہے۔ سب کچھ ہے۔''

''زرناب دوست ہے میری۔'' دوستی نبھانے کا وزن عذرا پر بھاری پڑنے لگا تھا۔

''تو پھر میں کیا ہوں تمہارے لیے؟ یہ وضاحت کرنا پسند کرو گی؟''

عجی کی آنکھیں ٹپ ٹپ برسنے لگی تھیں۔

''مجھے کبھی لفظوں میں بتانا نہیں آئے گا کہ آپ میرے لیے کتنے اہم ہیں۔ شاید میری زندگی میں سب سے زیادہ ضروری ہی آپ ہیں۔ جن کی میں فکر کرتی ہوں۔ آپ گھر پر نہیں ہوتے تو میری آنکھیں آپ کو ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ آپ کی پسند کا کھانا، آپ کی ادرک والی چائے، آپ کی ڈریسنگ کا خیال...... یہ سب کام کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اور لڑکیاں یہ کام دل سے اور لگن سے صرف ایک ہی انسان کے لیے کرتی ہیں۔''

قیس کو کنیز پر رتی برابر رحم کرنا کافی ہو گیا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ تمہیں ٹیوشن کے پیسے مل گئے ہیں کیا؟'' وہ سرسری لہجہ اپنا کر انیس سو ساٹھ کے اداکاروں جیسی اداکاری کر رہا تھا۔

عجی نے دھیرے سے بند مٹھی کھولی۔ جس میں مڑے تڑے پسینے سے بھیگے ہوئے اس کی محنت کی کمائی کے کچھ نوٹ سانس لے رہے تھے۔

''جی ہاں، مل گئے تھے تب ہی میں آپ کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ کو دے دوں گی۔ آپ کا کل انٹرویو ہے ضرورت ہو گی۔ اور بھی چاہیے ہوں تو بتا دیجیے گا۔''

''تم بہت اچھی ہو عجی......''

وہ یہ کہتا تھا تو عذرا کی جان پر بن آتی تھی۔

وہ جان سے جاتی تھی۔

سرسوں کے عشق میں مبتلا عجی......قیس کی پجارن عجی......!

اپنی مٹھی کے چند نوٹ وہ قیس کی مٹھی میں چپکے سے دبا کر نکل گئی تھی۔

کستوری محلے کی عجی بڑی عجیب تھی۔

اسے قیس کی عزت نفس بڑی عزیز تھی۔

☆......☆......☆

سورج کی روشنی نے ہر طرف نور کا ہالہ بن دیا تھا۔ محلے میں معمول کے مطابق چہل پہل تھی۔ کہیں سے قہقہوں کی آواز کان میں پڑتی تھی تو کہیں سے گالم گلوچ کے چند جملے۔ افریقن ٹیپو پھر سے گھنٹیاں بجاتا ہوا موجود تھا اور اس بار مہر کا اس سے لڑائی جھگڑے کا کوئی بھی ارادہ نہیں تھا۔

وہ مزے سے اسی اچار کی پھانک کو پراٹھے پر رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی جس کے لیے کل وہ اماں سے لڑنے جھگڑنے میں مصروف تھی۔

قیس انٹرویو کے لیے تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچ چکا تھا۔ کلثوم کچن میں پراٹھے بنا رہی تھیں جبکہ عجی ہمیشہ کی طرح پراٹھے لا کر شہزادہ قیس کی خدمت میں پیش کر رہی تھی۔

مہر بختیار یہ سب خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے انداز میں قدرے سنجیدگی تھی۔ عجی نے آنکھوں میں جگنو بھر کر پوچھا۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کا انٹرویو بہت اچھا ہو گا۔ جو میں نے یوٹیوب لنک شیئر کیا تھا وہ آپ نے دیکھ لیا تھا ناں؟''

مہر کو کوفت ہوئی تھی۔ جس طرح قیس چائے کی چسکیاں لیتا تھا۔

''ہاں یار، دیکھ لیا تھا۔ وہ تو انٹرویو کی ایک بیسک سی تکنیک ہے جو ہر جگہ اپلائی ہوتی ہے۔ مجھے خود پہ اتنا اعتماد ہے کہ میں یہ جاب حاصل کر ہی لوں گا۔''

عذرا تو پورے وجود سے خوش ہوئی تھی۔ ایسی باؤلی کہ انٹرویو کے بھی لڈو بانٹنے کھڑی ہو جائے۔

''اور مجھے اس سے بھی کہیں زیادہ آپ کی قابلیت پر یقین ہے۔ دیکھیے گا سب اچھا اچھا ہو گا۔ ویسے بھی میں نے نوافل بھی پڑھ لیے ہیں۔''

''وہ کس لیے؟''

''آپ کی انٹرویو میں کامیابی کے لیے، جاب کی کامیابی کے لیے......''

''نوکریاں نوافل سے تھوڑی ملتی ہیں۔ پتا نہیں تم کب بدلو گی عذرا......''

کبھی کبھی تو وہ پورا نام لیتا تھا عذرا...... اور وہ دن تو سمجھو لاٹری میں انعام کا دن ہوتا تھا۔ مہر چپ چاپ چائے پیتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

عذرا کچن کی طرف جاتے ہوئے قیس کے پیچھے دوڑی تھی۔

''پراٹھا تو ختم کر لیتے۔ آدھا کھا کر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ خستہ نہیں بنا تو میں خود بنا دوں؟''

وہ گھر کا اکلوتا مرد جیسے چڑ گیا تھا۔

''بس کر دو یار...... میں چھوٹا بچہ نہیں ہوں جو تم مجھے بار بار پوچھ رہی ہو۔ صبح صبح اتنا کچھ بھاری ہو جاتا ہے۔''

روز کی طرح عجی کو آخر میں اپنی غلطی ہی تسلیم کرنا پڑی تھی۔

''ہاں آپ نے ٹھیک کہا۔ اچھا انڈا ابوائل کر دوں؟ پتا نہیں انٹرویو کتنے بجے ہو...... لیٹ ہو گیا تو کیا بھوکے پیٹ کے ساتھ انتظار کرتے رہو گے؟''

عجی اس بار مکمل نظر انداز کر دی گئی تھی۔ وہ اماں سے پیار لینے لگ گیا تھا۔

''ٹھیک ہے چچی جان...... میں نکل رہا ہوں۔ آپ دعا کیجیے گا۔''

کلثوم ہاتھ پونچھتی ہوئی قیس کی پیشانی چوم رہی تھیں اور دعا دے رہی تھیں۔

"اللہ کامیاب کرے، اللہ کی امان میں......"

قیس باورچی خانے سے باہر نکل گیا تھا۔

صحن سے بائیک اسٹارٹ کرنے کی آواز آتی رہی۔ عجی آدھی دیمک کھائی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی اور کچھ پڑھ کر وہیں سے قیس پر پھونک رہی تھی۔

جیسے ہی واپس مڑی سامنے ہی بازو باندھے مہر بختیار کھڑی تھی۔

"بس کردیں عجی......"

"کیا بس کردوں؟"

"یہی سب کچھ جو آپ کررہی ہیں۔ وہ "تم" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں آپ انہیں "آپ" کہتی ہیں۔ محبت میں برابری اچھی لگتی ہے۔ ورنہ ایک انسان پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔"

عجی نے جیسے مکھی اڑائی تھی۔

"فضول باتیں مت کیا کرو مہر، کچھ بھی بول دیتی ہو تم۔"

"سب نظر آرہا ہے مجھے آنکھیں کھلی رکھتی ہوں سب دکھائی دیتا ہے مجھے اور صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ یک طرفہ محبت کے بوجھ تلے دب جائیں گی آپ......"

عجی ٹھنک گئی تھی۔

مہر یونہی کالی بلی بن کر راستے کاٹتی تھی۔

"ایسی باتیں مت کرو مہر۔ یہ سب صرف میری طرف سے نہیں ہے۔ قیس کو بھی میں اچھی لگتی ہوں۔ وہ بس اظہار کرنے کا عادی نہیں ہے۔ جذبات پر پردے ڈال لیتا ہے مگر میں سب جان لیتی ہوں محبت کرتی ہوں ناں......اور کہتے ہیں ناں محبت میں تو الہام ہو جاتے ہیں۔"

مہر نے پہلے عذرا کو دیکھا پھر اچانک ہنس پڑی۔ کوئی بڑی ہی عجیب ہنسی تھی۔ کچھ جتاتی ہوئی۔

"محبت ہو تو دکھائی دیتی ہے۔ محبت ہو تو سنائی بھی دیتی ہے۔ جو نہ سنائی دے اور جو نہ دکھائی دے۔ وہ صرف نظر کا دھوکا ہوتا ہے اور بس......" مہر محبت کے فلسفے کی کتاب کے سارے ورق عذرا

عرف عجی پر الٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

عجی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

تب ہی کلثوم پراٹھا لیے کچن سے نکلی تھیں۔

''تم کیوں یہاں کھڑی ہو گئیں، ناشتا کر لو۔''

''آ رہی ہوں۔'' غائب دماغی سے ناشتے کی میز نظر انداز کر کے عجی اندر کہیں گھر کی غلام گردش میں گم ہو گئی تھی۔

کلثوم غور سے دیکھتی رہیں اور پھر سر جھٹک کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

ادھڑی ہوئی اون کے بے شمار گولوں کے درمیان، کترنوں کا ڈھیر سنبھالتی ہوئی اور مسور کی دال تلے آنچ برابر کرتی ہوئی وہ کلثوم اماں تھیں۔ جو صرف ماں تھیں۔ ممتا ان کا وصف تھا اور بقول امرتا پریتم کے کہ ہمارے اندر جو وصف ہوتا ہے زندگی ہم سے اسی وصف کا امتحان لیا کرتی ہے اور کلثوم کے اندر ممتا کا وصف تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ ان کے اس وصف کا امتحان بھی ان کی اپنی اولاد لیا کرتی تھی۔

مہر بختیار کی زبان کے آگے خندق تھی۔ وہ رات کے، دن کے کسی بھی پہر اٹھ اٹھ کر سوال کیا تھی۔

''اماں! قبلے پاسے منہ کر کے بتاؤ کہ تم ہم سے زیادہ پیار کرتی ہو یا قیس سے؟''

کلثوم کے پاس صرف خاموشی رہ جاتی تھی۔

یہ خاموشی ہے جو کسی بھی لمبے سرسوں والے گھر کے در و دیوار پر اترتی ہے۔ در و دیوار سے سرکتی ہوئی چوکنا ہو کر گھر کے مکینوں پر اترتی ہے۔ اور پھر چپکے سے مکینوں کے دلوں میں گھات لگا کر بیٹھ جاتی ہے۔

کر نکل جارجٹ پہننے والی وہ عورت دھڑکنوں اور وسوسوں کے ساتھ قیس کو پال رہی تھیں۔ جو ان کا اپنا خون بھی نہیں تھا۔ دیور اور بھاوج کے حادثے کے بعد ان کے حصے میں کسی ذمہ داری کی طرح شامل ہو گیا تھا۔ وہ کیسے بتاتیں اپنی مہر کو کہ پرائی چیز پر سوال جواب ہوتے ہیں۔ پوچھ تاچھ ہوتی ہے۔ کل کو وہ اللہ کو کیا جواب دیں گی۔ وہ اللہ سے ڈرتی تھیں۔ وہ قیس سے بھی ڈرتی تھیں۔ وہ مہر سے بھی ڈرتی تھیں۔ صرف عجی تھی جو ماں کے حصے میں کوئی ڈر لے کر نہیں آئی تھی۔ وہ ماں کے سارے دکھ درد

چوس لیتی تھی۔

ان کی عجی ...... سمجھدار عجی ......!

جب پہلی بار انہوں نے عجی کی سماعتوں میں امرت انڈیلا تھا۔

''میں تمہاری شادی قیس سے کروں گی۔''

عجی اسی بات کو اسی رشتے کو سوچ کر جوان ہوئی تھی۔

بچپن کے رشتے بھی محبت کے ساتھ جوان ہوتے ہیں۔ مہر کے شک اکثر انہیں وسوسے میں ڈال دیا کرتے تھے۔

''دیکھو، ذرا غور سے ...... قیس کی آنکھیں پڑھو جن میں بے وفائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔''

''میں تمہیں دیکھ رہی ہوں، تمہاری آنکھوں کو جن میں خباثت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔''

اماں بات آئی گئی کر دیتی تھیں۔ مگر وہ تینوں عورتیں کہیں دل میں خوف چھپا کر بیٹھی تھیں۔

جس دن قیس اور مہر کی لڑائی ہوتی تھی، سارا کستوری محلّہ جمع ہو جایا کرتا تھا۔

''نکل جاؤ تم یہاں سے۔ تمہیں پال پوس کر اتنا بڑا کر دیا ہے میری ماں نے کہ اب اپنی ذمہ داری اٹھا سکو۔''

''تمہارا نام مہر نہیں قہر ہونا چاہیے۔ قہر کی طرح گرتی ہو تم۔''

اماں اور عجی مقابلے میں ماری جاتی تھیں۔

''ہٹ جائیں اماں ...... یہ میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔''

''ہاتھ لگا کر دکھاؤ تم مجھے ذرا......''

ثالث کا کردار ادا کرنے والی عجی پس جاتی تھی۔ ہاتھ جوڑ دیتی تھی۔ اب تو دوپٹا قدموں میں پھینکنے سے بھی باز نہ آتی تھی۔ مگر مہر اس کی بھنک پا گئی تھی اور اب ہر حربہ ناکام ہو جایا کرتا تھا۔

''جب میں نے کہا تھا کہ میں نے آگے بڑھنا ہے، آگے پڑھنا ہے تو تب آپ کے پاس پیسے نہیں تھے مگر اب کمیٹیاں جوڑ کر اپنے لاڈلے کو موٹر سائیکل لے کر کیوں دی ہے۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔ رو پڑی تھی۔ گٹھڑی بنی پڑی رہی تھی۔

وہ موٹر سائیکل کی چابی والا چھلا لے کر سامنے آ گیا تھا۔

''یہ لو...... جا کر ابھی کے ابھی بیچ دو۔''

وہ کمزور پڑ گئی تھی۔ ہرنی کی طرح قلانچیں بھر کر سامنے آئی تھی۔

''اگر میری ماں کو تم سے محبت نہ ہوتی تو میں تمہیں بازار میں جا کر بیچ آتی۔''

وہ ہنسا تھا۔

''لو تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ بیچ دو مجھے۔ میری اجازت ہے......''

''افسوس! تم جیسا انسان ٹکے کے بھاؤ بھی نہ بکے گا۔'' تن فن کرتی ہوئی قیس کو پرے دھکیل کر وہ نکل جاتی تھی۔

اور اماں ہول ہول کر رہ جاتی تھیں۔ عجی کے آگے دکھڑوں کی جماعت شروع ہو جاتی تھی۔

''بیٹیوں کی آواز گھر کی دیواروں سے زیادہ اونچی نہیں ہونی چاہیے اور اس کو دیکھو پورا محلّہ سنتا ہے۔ کسی دن مجھے دل کا دورہ پڑ جائے گا۔''

اماں کو عجی ہر طرح سے دل کے دورے سے بچا لیتی تھی......

مگر وہ نہیں جانتی تھی اماں کے بچے ہوئے سارے دل کے دورے ایک دن اسے پڑنے والے تھے۔

☆......☆......☆

اڑتا ہوا لہرا کر بل کھاتا ہوا وہ کاغذ کا جہاز مہر بختیار کو آ کر لگا تھا۔ وہ ٹھٹک کر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ وہ گورنمنٹ کالج سے پڑھ کر اپنی سہیلیوں کے ٹولے ساتھ کستوری کی گلیوں سے گزرتی ہوئی گھر واپس آ رہی تھی۔ وہ پلٹ کر اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی جو منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں سے پتا چلتا تھا کہ وہ شکاری تھا۔ مہر کے تاثرات سے پتا چلتا تھا کہ وہ شکار ہوئی تھی۔

سہیلیوں کا ٹولہ برف کا مجسمہ بن گیا تھا۔

وہ محلے کا آوارہ اور بدمعاش لڑکوں کا گروہ تھا جن کے بارے میں محلے کی عورتیں اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کیا کرتی تھیں کہ انہیں دیکھ کر رستہ بدل لیا جائے۔

کیسٹس کی دکان سے فحش گانوں کے بول فضا میں گونج رہے تھے۔ پان کی پیک سے دیواریں

رنگی ہوئی تھیں۔ زلف تراش کی دکان پر کوئی پھٹیچر سا شاعر کوئی سستی سی غزل سنا کر اپنے جیسے مداحوں سے نقلی تعریف سمیٹ رہا تھا۔

مہر بختیار نے زمین پر قدموں میں پڑا ہوا وہ کاغذ کا جہاز اٹھایا اور اطمینان اور مکمل اعتماد کے ساتھ سامنے کھڑے لڑکے کے مقابل آئی تھی۔

کستوری کی بیٹیاں ماؤں کی ساری ہدایات بھول گئی تھیں۔ دلچسپ منظر تھا۔ سب تماش جمع تھے۔ وہ لڑکا گردن اکڑا کے کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔

گلے میں پڑا اکترن جیسا مفلر درست کرتا ہوا، پان کی پیک پرے پھینکتا ہوا، ایک کان میں سلور بالی تھی اور لمبے سیاہ بال کندھے پر گرتے تھے۔

کستوری محلے کا ابھرتا ہوا بدمعاش، لوفر، آوارہ، غنڈہ اور شاید ہاں کہ شاید نہیں شرابی بھی......!

برے لوگ لوہے چون ہوتے ہیں ناں برائیاں لپٹ جاتی ہیں۔ چمٹ جاتی ہیں۔ مہر بختیار مقابل آ گئی تھی۔ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی وہ صرف ایک جملہ بولی تھی اور کستوری محلے کی ساری چھتیں ایک ایک کر کے اس بدمعاش پر گر رہی تھیں۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں؟"

وہ چپ رہا جیسے آگے جواب کا منتظر ہو۔ وہ پلٹ کر سہیلیوں کے غول کو دیکھ رہی تھی اس کے پیچھے کھڑے ہوئے سارے غنڈوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر گلے میں لٹکتی ہوئی مفلر کی دھجی کو پکڑا تھا۔ وہ مہر تھی، وہ قہر بن گئی تھی۔ وہ ٹوٹ پڑی تھی۔

"لڑکیاں کاغذ کے جہازوں سے ہلاک ہو جاتی ہیں بدمعاش لڑکے......"

ہائے ہائے اطلس......وائے وائے اطلس......!!!

ناول قیس جنگل میں اکیلا ہے کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 15 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 2

کستوری محلے والوں کے لیے وہ تماشا کسی بھی لکی ایرانی سرکس سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔ اطلس دم بخود ہو کر رہ گیا تھا۔

مہر انگارہ تھی یا بارود کا گولا، وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

''تم نے......تم نے میرا دانت توڑ دیا۔'' وہ ہتھیلی پر اپنا ٹوٹا ہوا دانت لے کر کھڑا تھا۔

مہر جیسے تھم سی گئی تھی۔

واقعی اس کا ایک دانت ٹوٹ چکا تھا۔ وہ خوش ہوئی تھی کہ اس کا لگایا گیا تھپڑ اتنا بھاری ثابت ہوا تھا۔ مہر نے پلٹ کر اپنی سہیلیوں کے گروہ کو داد طلب نظروں سے دیکھنے کے لیے جیسے ہی منہ موڑا تھا، پتا چلا تھا کہ سب ماؤں کی نصیحتوں کو یاد کر کے وہاں سے رفو چکر ہو گئی تھیں۔

اطلس کے کچھ دوست اب بھی صدماتی کیفیت سے گزر رہے تھے۔

''شکر کرو کہ دانت ٹوٹا ہے تمہارا، سوچو اگر میں تمہاری ناک بھی توڑ دیتی تو کیا ہوتا بھلا؟'' اگلی نے سوال کیا تھا۔

وہ بس کراہ رہا تھا......منہ خون سے بھر گیا تھا۔

''کیا ہوتا؟ دانت بتیس ہوتے ہیں اور اگر ایک ٹوٹ بھی جائے تو فرق نہیں پڑتا۔ ناک تو انسان کے پاس صرف ایک ہی ہوتی ہے، اور ناک ٹوٹ جائے تو گوند سے بھی نہیں جڑتی۔'' یہ کہہ کر کندھے اچکاتی سامنے دوڑ کھڑے پاپڑ والے سے گول روٹی پاپڑ لے کر ڈھیر سارا چورن الٹ کر کھاتے ہوئے وہ گلیوں میں سے گزرتی جا رہی تھی۔

اطلس وہیں کھڑا بس دیکھتا رہ گیا تھا۔

دوستوں نے شرم دلائی تھی۔ مفلر کی دھجی گلے میں لٹک رہی تھی۔

"افسوس صد افسوس! اگلی تمہیں بیچ بازار میں ٹکے کا کر کے چلی گئی ہے۔"

وہ منہ سے خون صاف کر رہا تھا۔ لمبے بال ماتھے پر گر رہے تھے۔ چہرے پر مسکراہٹ ایک لکیر کی صورت ابھری تھی اور بعد میں قہقہے میں بدل گئی تھی۔

"ارے چھوڑو، جانے دو۔ اسے سب قصور معاف ہیں۔ چاہے تو بتیس کے بتیس دانت توڑ دے۔ چاہے تو اکلوتی ناک اور پھر بھی دل نہ بھرے تو اطلس کا دل......"

دیواروں نے سنا...... کانوں نے حفظ کر لیا تھا۔

وہ خوشی خوشی جھومتا ہوا گھر واپس آ رہا تھا جب رستے میں کشمیرن بوا سے ٹاکرا ہو گیا تھا۔ اپنے ہمیشہ کے بدرنگ برقع میں ملبوس کشمیرن نے نظر انداز کر کے گزر جانا چاہتا تھا مگر وہ لپک کر سامنے آ گیا تھا۔

"جلد آپ کو مٹھائی کے ٹوکروں سمیت کہیں بھیجوں گا۔"

کالر اکڑائے کان کی بالی کھجاتا ہوا اطلس انہیں زہر لگا تھا۔

"ذرا اپنی جیب الٹ کر دکھاؤ مجھے۔"

"ہائیں ہائیں! وہ کیوں......؟"

"مٹھائی کے ٹوکرے خریدنے جتنی رقم ہے تمہارے پاس؟"

وہ صاف صاف برا مان گیا تھا۔

"میری بھی کوئی عزت نفس ہے کیوں اسے بٹا لگانے پر تلی ہوئی ہیں۔"

کشمیرن نے سر سے لے کر پاؤں تک غور سے دیکھا تھا۔

"بٹے تو مجھے لگ رہے ہیں اور وہ بھی تمہاری وجہ سے۔ جس گھر میں تمہارا نام لیتی ہوں اگلے باہر کا رستہ دکھا دیتے ہیں۔"

وہ جیسے مرجھا گیا۔ چہرہ لٹک گیا اور مردنی چھا گئی تھی۔

"کیا میں اتنا برا ہوں بوا؟"

"مجھ سے کیا پوچھتے ہو بیٹے...... اس سے پوچھو جس کے گھر مٹھائیاں بھیجنے کی ٹھان لی ہے تم نے۔ میرا کیا ہے، میں تو تمہارا نام لے کر سوال کروں گی، جواب تو وہ دے گی ناں......"

"بات تو آپ کی بھی پھینکنے والی نہیں ہے۔"

وہ اپنے دوستوں والا تکیہ کلام اپنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے دونوں کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ کر گزرنا شروع کر دیا تھا۔

کشمیرن کو اپنی پڑ گئی تھی۔ ذرا نام تو بتاؤ اس کا مجھے بھی پتا چلے کہ کون ہے۔"

وہ جیسے ٹھٹک گیا تھا۔ اگلی نے نام تھوڑی بتایا تھا اسے، وہ تو بس تیز گام تھی، آئی اور گزر گئی۔

"ارے بتا دوں گا نام بھی...... ابھی کچھ بھی کہوں گا تو نظر لگ جائے گی اسے...... اور اس کے نام کو بھی۔" لہجے میں شیرینی گھلی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں ستارے تھے۔

"بیٹا! ابھی سے دیکھ لیا ہے۔ تم جیسے فرہادوں سے دودھ کی نہریں نہیں کھودی جائیں گی۔ کچھ دن زندہ رہو اپنے اسی خواب میں۔"

یہ کہہ کر وہ چلتی بنی تھیں۔ اور وہ نام سوچتا ہوا گھر کی طرف آ رہا تھا۔

"آنکھیں ہرنیوں جیسی ہیں تو غزل ہو سکتی ہے۔ نہیں نہیں...... چہرے کے نین نقش تیکھے تھے۔ مسکان بھی ہو سکتی ہے۔ دائیں گال پر چھوٹا سا تل بھی تو تھا، کیا پتا اسمارہ ہو......"

ناموں کی لغت ختم ہو گئی تھی۔ اطلس کی سوچیں شروع تھیں۔

☆......☆......☆

"قیس کہاں ہے؟ کدھر ہے وہ......؟" وہ دھاڑتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔

پلنگ پر سلائی مشین لے کر ترپائیاں کرتی ہوئی عذرا نے اس آتش فشاں کو غور سے دیکھا تھا۔

کلثوم نے کھٹ سے باورچی خانے کی کھڑکی سے سر باہر نکالا تھا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے کیوں پورے محلے میں اعلان کرتی پھر رہی ہو؟"

وہ بیگ عجی کی طرف اچھال کر ماں کی طرف آئی۔

''جو پوچھ رہی ہوں، مجھے وہ بتائیں بس......'' ضدی اور ہٹ دھرم تو وہ تھی ہی مگر آج کچھ زیادہ ہی معاملات خراب ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ عذرا نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ذرا دم تو لو......سانس لو۔ کیوں آندھی طوفان بنی گھوم رہی ہو۔ کچھ کھا پی لو۔''

مہر کیا بتاتی کہ دو گول روٹی پا پڑ رستے میں ختم کر کے آرہی تھی۔ وہ تو پیٹ میں کچھ گیا تو سمجھ میں آیا کہ معاملہ اتنا چھوٹا بھی نہیں کہ ہنس کر باتوں باتوں میں اڑا دیا جائے۔ بدمعاش لڑکے تو تاک میں ہوتے ہیں، گھات لگا لیتے ہیں۔ تو اسی توڑ کے لیے قیس کی تلاش جاری تھی۔

باورچی خانے کے چولہے پر رکھے بینگن کے جلنے کی بو پا کر کلثوم تیزی سے پلٹی تھیں۔

''کچھ نہیں کھانا پینا مجھے......سخت غصے میں ہوں اس وقت۔''

''وہ تو نظر آرہا ہے، مگر بتاؤ بات کیا ہوئی ہے؟''

''قیس کو بتانے والی بات ہے۔''

عذرا نے جیسے کھوج لگانے کی کوشش کی تھی۔ قیصوں کو پرے کر کے اس نے مہر کا ہاتھ تھام کر پلنگ پر بٹھا لیا تھا۔

''سب خیریت تو ہے ناں؟''

اماں ٹھنڈے پانی کے ڈول میں بھنے ہوئے بینگن لے کر آگئی تھیں۔ بینگن کی کھال اتارنے لگی تھیں۔

''صبح سے بے چارہ بچہ گھر سے غائب ہے۔ انٹرویو کے لیے گیا ہوا ہے، فون بھی نہیں لگ رہا اس کا۔''

اماں کی بات پر وہ ٹہلتی رہی۔ دونوں بازو باندھ لیے تھے۔

اماں نے اشارے سے عجی سے پوچھا مگر عجی کے بھی سارے اندازے فیل ہو گئے تھے۔

پیٹ جب بات کے وزن سے بھاری ہوا تو وہ خود ہی بول پڑی۔

''ابھی واپس آتے ہوئے گلی میں لڑکے نے راستہ روک لیا۔''

اماں کا بینگن چھپاک سے پانی کے ڈول میں ڈوب گیا۔

عذرا قلانچ بھر کر سامنے آئی تھی۔

”پھر کیا ہوا؟ اس نے کچھ کہا تو نہیں......“

”سب کے سامنے اس نے مجھے رقعہ دیا۔“

نظریں اماں پر تھیں جو تاریک چہرے کے ساتھ چپ ہو گئی تھیں۔

”سب کے سامنے کیا مطلب؟ سارے محلے کے سامنے؟ یہاں تو بات کے بتنگڑ بنتے ہیں، سب کیا سوچیں گے مہر......؟“

”یہی تو میں سوچ رہی ہوں کہ سب کیا سوچیں گے؟ اس لڑکے کی جرأت کیسے ہوئی میرا راستہ روکنے کی۔ میں ابھی قیس کو کہتی ہوں اسے ٹھکانے لگا کر آئے۔“

مہر کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ کلثوم تڑپ کر اٹھی تھیں۔ بینگن کا بھرتہ سب بھول گیا تھا۔

”نہیں......نہیں......! قیس کو کچھ مت بتانا۔“

وہ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ عجی اور مہر کی آنکھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”کیا مطلب اگر اس کو نہیں کہوں گی تو کس کو کہوں گی اماں؟“

اماں نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ بھر لیا۔

”وہ اس گھر کا اکلوتا مرد ہے مہر......!“

وہ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ کھٹ سے پلنگ پر گری تھی۔

”یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ وہ اس گھر کا مرد ہے اماں اور گھر کے مرد تو اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں غیر مردوں کی گندی نظروں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تب ہی ڈھونڈتی پھر رہی ہوں قیس کو کہ وہ جا کر اس بدمعاش کو سبق سکھائے تاکہ آئندہ وہ کبھی میرے راستے میں نہ آئے۔“

مہر کا چہرہ وحشت......مہر کا چہرہ نفرت......!

اماں کا چہرہ ڈر......اماں کا چہرہ رحم......!

"نہیں۔ ہوا بھی مت لگنے دینا اس معاملے کی اسے۔ جوان گرم خون ہے اس کا، جانے کیا کر بیٹھے۔ اس کی زندگی رسک میں نہیں ڈال سکتی میں۔ وہ محلے کے بدمعاش تو غنڈے بنے پھرتے ہیں۔ اسلحہ ہوتا ہے ان کے پاس۔"

سرسوں کے پھولوں والے گھر میں اماں کے الفاظ بارود تھے جو ایک ایک کر کے مہر پر چل گئے تھے۔ وہ کمرے کے بیچوں بیچ جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

آنکھیں جھر جھر بہنے لگی تھیں۔

"قیس کی زندگی رسک میں نہیں ڈال سکتیں اماں آپ......؟ مگر میرا کیا؟ مجھے بھی ذرا پتا لگے کہ میری عزت کا کیا؟" وہ روتی دھاڑتی رہی، اماں اور عذرا سنبھالتی رہ گئی تھیں۔

"بس کرو مہر......!"

"خون کے آنسو ہیں بجی...... دیکھو تو اماں نے اپنے لاڈلے کی جان پر میری عزت قربان کرنے کی ٹھان لی ہے۔"

"ایک رقعہ ہی تو تھا مہر......!" کمرے کے پردے اتارتی ہوئی عذرا کو بعد میں اپنے جملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

مہر کسی رجسٹر کے کاغذ پھاڑ پھاڑ کر گولے بنا کر کھڑکیوں کے باہر اچھال رہی تھی۔

"شاید میں نے ٹھیک ہی کیا اس کے ساتھ......"

کترنوں کا ڈھیر چنتی ہوئی عذرا نے جیسے کچھ عجیب محسوس کیا تھا۔ سلائی مشین کا باکس بند کر کے اب وہ الجھے ہوئے دھاگے محفوظ کر رہی تھی۔

"کس کے ساتھ؟ اور کیا کیا ہے؟"

وہ اب کہیں جا کر مکمل سکون میں لگ رہی تھی۔ شیفون کا دوپٹا سر سے ڈھلک گیا تھا۔ آنکھیں ہرنیوں جیسی تھیں۔ وہ ایک ساتھ غزل، استعارہ ہو گئی تھی۔

"دانت توڑ آئی ہوں اسی لیے اور لفنگے کا۔"

چھوٹی بہن نے بڑی بہن کو فق چہرے کے ساتھ دروازے کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا جہاں کلثوم اماں بھرتے کا سالن اور مکئی کی روٹی لے کر حاضر تھیں۔

"آپ ہی بتائیں اماں......ٹھیک کیا ہے ناں میں نے۔یہی تو ہوتا آیا ہے اس گھر میں ہمیشہ کہ ہم عورتوں کو اپنے مرد کے لیے ڈھال بننا پڑتا ہے۔یہی تو گھٹی ملی ہے مجھے۔یہی تو سیکھا ہے میں نے......قیس کو کبھی کچھ نہ ہو۔"

اماں کے ہاتھ سے بھرتے والی کٹوری لے کر وہ فرش پر پھسکڑا مارے بیٹھ گئی تھی۔چہرے پر بلا کا سکون تھا اور تاثرات سے پتا چلتا تھا کہ بینگن کا بھرتا بہت مزے کا بنا تھا۔وہ رغبت سے کھاتی رہی اور کلثوم غصہ پیتی رہیں۔

عجی فون پر قیس کا نمبر ڈائل کر کے تھک گئی تھی مگر اس کی ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں آئی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ ہمارے دوست اپنی جیبوں میں شر کے بیج لیے پھرتے ہیں اور ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ کب اور کیسے وہ بیج ہمارے لاشعور کی مٹی نے جذب کر لیا ہے اور آنے والے وقت میں ایک دن وہ تناور درخت بن جائے گا۔پہلے سرسبز ہوگا۔پھر خزاں رسیدہ اور آخر میں بجلیوں کی نذر ہو کر خاکستر......!

سب راکھ......سب سواہ......سب دھواں......!

وہ ایک لکڑی کے پھٹوں سے بنا ہوا ڈھابہ تھا جہاں کچھ بے روزگار نکمے لڑکے سگریٹیں پھونکنے کے ساتھ ساتھ حکومت، حالات اور حاکم کی شان میں کچھ قابل اعتراض گالیاں بکا کرتے تھے۔

قیس بھی انٹرویو کے بعد اپنے دوست علی کے ساتھ اسی چائے کے ڈھابے پر بیٹھا ہوا تھا۔دونوں کے سامنے چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے۔پاس ہی قیس کی ہیوی بائیک پارک ہوئی نظر آ رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک جلتا بجھتا ہوا سگریٹ تھا۔دوست نے کریدنے کی کوشش کی تھی۔

"تم نے پھر بتایا نہیں کہ انٹرویو کیسا ہوا؟"

دھوئیں کے غبار میں بہت کچھ مدغم ہونے لگا تھا۔

''چھوڑ و یار...... سارا موڈ غارت ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ سب سفارش کا کھیل ہے۔''

''بس بھئی...... آج کل بس خاندانی رئیس پیدا ہونا ہی زندگی آسان کر سکتا ہے باقی کوئی بھی آپشن نہیں ہے۔''

علی کو جیسے اس کے جواب سے تشفی ہوئی تھی۔ ڈھابے والی چینک سے چائے چھلک رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر نیکر میں ملبوس ایک چھوٹا لڑکا مزے سے برتن دھونے میں مصروف نظر آ رہا تھا۔

''اب تو مجھے بھی یہی لگنے لگا ہے جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں ناں وہی کامیاب زندگی جیتے ہیں۔ ورنہ ہم جیسے مڈل کلاسیے ایسے ہی پاؤں گھساتے رہتے ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا کسی بڑے سے گھر میں پیدا ہوتا۔ آگے پیچھے نوکر چاکر ہوتے۔ جس چیز پر ہاتھ رکھتا حاصل کر لیتا۔ بینک بیلنس بھرا رہتا۔ نہ کوئی فکر نہ فاقہ...... مگر اب تو نیند میں ایسے خواب نظر آنا بھی بند ہو گئے ہیں۔''

علی نے قیس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''جگر! زندگی میں اگر یہ سب چاہیے تو پھر خوابوں سے بھی کام نہیں چلے گا۔ کوششیں کرنی پڑیں گی۔ پوری پلاننگ کے ساتھ۔'' علی نے آنکھ مار کر خاص انداز سے جیسے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ جیسے چونک گیا تھا۔

''کیسی پلاننگ اور کیسی کوششیں؟ پہیلیاں مت بجھواؤ سیدھی بات بتاؤ......؟''

علی کا انداز تجسس کو بڑھاوا دینے والا تھا۔

''تجھے یاد ہے وہ پچھلی گلی والا مدثر......؟''

''وہ جس کے باپ کی کریانے کی دکان ہے؟''

''ہاں...... ہاں...... وہی۔ اس نے بڑا لمبا ہاتھ مارا ہے۔''

قیس نے وہ پہیلی بوجھنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ کیسے؟''

''یونیورسٹی پڑھنے جاتا ہے ناں، تو اس نے وہیں کوئی امیر لڑکی پھنسالی ہے۔ شادی بھی کرلی ہے۔ اور اپنے سسرال والوں کے پیسے پر عیش کر رہا ہے۔ شکل وصورت کا اتنا خاص بھی نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں تو تو ہیرو ہے ہیرو...... شکل وصورت بھی ایسی ہے کہ محلے کی لڑکیاں مرتی ہیں۔ بس ایک ہی کمی ہے کہ خاندانی رئیس نہیں ہے۔ تو بس پھر کوئی موٹی تگڑی پارٹی ڈھونڈ اور مدثر کی طرح سسرال کے پیسے پر عیش ہی عیش......''

قیس کے ہاتھوں کو جلتے سگریٹ نے جالیا تھا۔ ہاتھ جل گیا تھا۔ وہ سگریٹ دور پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''فضول باتیں نہ کیا کر۔ تو جانتا ہے یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ چل میں چلتا ہوں۔ سگریٹ اور چائے کے پیسے دے دینا۔'' قیس آرام سے یہ کہہ کر اپنی ہیوی بائیک لے کر نکل گیا تھا۔

علی پیچھے بھنایا ہوا کھانسنے کے ساتھ ساتھ اسے صلواتیں بھی سنا رہا تھا۔

''میری تو قسمت میں سارے ہی کنگلے دوست لکھے ہیں۔ مفت کے قیمتی مشورے پر بھی لعنت بھیج کر چلے جاتے ہیں۔''

ڈھابے پر اترنے والی سہ پہر میں کچھ نیا پن تھا۔ آنچ پر رکھا ہوا دودھ جل گیا تھا۔ سارے میں ایک عجیب سی مہک پھیلنے لگی تھی۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ شر کے بیج نے بڑے آرام سے قیس کے لاشعور کی زمین میں پناہ لے لی تھی۔

☆......☆......☆

سرسوں والے گھر کے ہال کمرے میں ایک طرف شیشے کے چھوٹے چھوٹے جار پڑے تھے جنہیں صاف کر کے مہر لیبل لگا رہی تھی۔ کلثوم اچار کی مقدار کو وزن کر کے بوتلوں میں بھرتی جا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھیں۔

ایک پل کے لیے جیسے دوپہر والا واقعہ اس گھر سے رخصت ہو گیا تھا اور چاروں طرف سکون تھا۔ ایسا ہی ہوتا تھا...... کچھ لمحوں کے ابال کے بعد جیسے ہر کوئی اپنی جگہ ٹھیک ہو جایا کرتا تھا۔ مہر بھی

اس واقعے پر لعنت بھیج کر نئے کام میں لگ چکی تھی۔

عجی باورچی خانے میں کھڑی چائے بنانے کے ساتھ ساتھ سوچوں کے کسی گرداب میں الجھی ہوئی تھی۔

مہر نے کلثوم کو مخاطب کیا۔

''آپ کو ان سب چیزوں کی مقدار کیسے یاد رہ جاتی ہے؟''

کلثوم نے دوپٹے کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اپنا کام جاری رکھا تھا۔ سارے گھر میں سرسوں کے تیل، لہسن، رائی دانے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

''عورت کا کام ہوتا ہے۔ ہر چیز کا حساب کتاب رکھنا۔ جب گھر چلانا ہو تو ایک ایک چیز کا پتا رکھنا پڑتا ہے۔''

''ہمارا اچار بزنس اچھا جا رہا ہے۔ فیس بک اور انسٹا گرام پر بھی فالوورز بڑھ رہے ہیں۔ کچھ تو ریگولر کسٹمر بنتے جا رہے ہیں۔'' مہر نے جیسے فخر سے اپنی ان پڑھ ماں کو بتایا تھا۔

''بس بیٹا، ہمارا کام ہے محنت کرنا۔ محنت کا پھل اوپر والا ہی دیتا ہے۔ بس یہ والا بڑا آرڈر ہے۔''

مہر کو اچار سے کہیں زیادہ اچار کے گاہکوں میں دلچسپی ہوا کرتی تھی۔ ابھی بھی وہ رجسٹر پر جھکی ہوئی اماں سے سوال کر رہی تھی۔

''یہ مسز کریم اتنے سارے اچار کا آخر کیا کریں گی؟''

''ارے ان کے رشتے دار باہر ہوتے ہیں امریکہ میں...... گھر کی خالص صاف ستھری چیزوں کی قدر ان باہر والوں کو بہت ہوتی ہے۔''

ٹرے میں چائے کے تین کپ لے کر بوتل کے جن کی طرح عجی نازل ہوئی تھی۔

''اور جو بھی ہماری اماں کے ہاتھ کا اچار ایک بار کھائے گا ناں، تو بس انگلیاں چاٹتا رہ جائے گا۔''

اماں کو اس کریڈٹ کی چنداں پروا نہیں ہوتی تھی۔ بس وہ کام کیے جاتی تھیں۔

مہر اب جار گن کر سائیڈ پر کرتے ہوئے رجسٹر پر ساتھ ساتھ مارک کرتی جا رہی تھی۔ عذرا کو

ساتھ ہی گھور کر دیکھا تھا۔

''مجال ہے جو کبھی اس گھر میں مہر کو کوئی کریڈٹ مل جائے۔ آئیڈیا کس کا؟ مہر کا...... آن لائن پیجیز اور گرافکس پر کس نے کام کیا؟ مہر نے...... کسٹمرز سے ریویوز ویڈیوز اکٹھی کر کے ایڈٹ کر کے کس نے لگائیں......؟ مہر نے...... مگر نہیں......''

اپنی اس لمبی تقریر پر اس نے کلثوم سے ایک چپت کھائی تھی۔

''مجھے بھلا کیا پتا تھا کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ یہ تو تم آج کل کے بچے ہو جو ساری باتیں سمجھتے ہو۔ مجھے تو یہی لگتا تھا کہ دن رات فون میں گھسی رہتی ہے، اوپر سے پہلے ہی نظر خراب ہے۔''

''ہاں ساری خرابیاں مجھ میں ہی نظر آتی ہیں۔ جانتی ہوں کہ آپ کو عذرا اور قیس ہی سب سے پیارے ہیں۔''

عذرا چائے کی چسکیاں لے کر پی رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ نظریں دیوار گیر گھڑی پر تھیں۔

''کتنا بڑا ایموشنل ڈرامہ ہو تم مہر......!''

''ہاں تو...... سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔''

کلثوم نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے دونوں کو نظر بھر کر دیکھا۔

''پگلی! ماں کے لیے سب بچے برابر ہوتے ہیں۔ اولاد میں کوئی کھرا کھوٹا نہیں ہوتا۔ اور ویسے بھی ماں باپ کے پیار کو ترازو میں نہیں تولتے۔''

''اولاد سے یاد آیا، وہ آپ کی فیورٹ اولاد کا آج انٹرویو تھا ناں......؟''

کلثوم جیسے چونک کر پہلے گھڑی کی طرف اور پھر عذرا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''عجی بیٹا! تم نے قیس کی کوئی خبر لی؟''

وہ چائے چھوڑ کر جیسے پھر سے پریشان ہو کر جلے پاؤں کی بلی کی طرح ہال کمرے میں چکر کاٹنے لگی تھی۔

''کب سے کالز کر رہی ہوں، کوئی جواب نہیں...... میسج بھی چھوڑ چکی ہوں۔''

''اللہ سب خیر کرے۔''

تب ہی باہر گیٹ کھلنے اور بائیک کے ہارن کی آواز آئی تھی۔ عجی فراٹے مار کر باہر بھاگی تھی۔ وہ یونہی اس کے پیچھے بھاگتی تھی۔ دو تین چیزوں کو اپنی جگہ سے ہلا کر ضرور جاتی تھی۔ راستے میں دو گلدان گرے تھے۔

وہ بائیک لگا کر جیسے ہی فارغ ہوا تھا۔ سامنے ہی ہاتھ مسلتی ہوئی کھڑی تھی۔ قیس کے چہرے پر بے زاری کی چھاپ اتر آئی تھی۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے؟ اتنی کالز بھی کیں اور میسجز بھی......''

''یار! تم کیوں ہر وقت تفتیش کرتی رہتی ہو۔ باہر اتنا ٹریفک جام تھا، خوار ہو کر آ رہا ہوں۔''

عجی جیسے بجھ کر رہ گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے چہرے پر کچھ سوچ کر رونق واپس لے آئی تھی۔ قیس بائیک کی چابی پکڑے اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے ساتھ آ گئی تھی۔

''اور...... آپ کا انٹرویو کیسا ہوا؟''

قیس جواب دیے بغیر وہیں سامنے ہال کمرے میں کسی کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا تھا۔ عجی نے جھٹ سے جوتے پکڑ لیے تھے۔

اماں عجی کو دیکھ رہی تھیں اور مہر قیس کو......!

''ارے بیٹا! آ گئے تم خیر سے۔ میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔''

''جی چچی......! بس باہر یوں لگتا ہے ساری دنیا کو آج ہی ضروری کام یاد آ گئے ہیں۔ ہر طرف رش ہی رش۔''

''ارے عجی...... تم کیوں بت بن کر کھڑی ہو گئی ہو؟ بچہ ابھی باہر سے آیا ہے پانی دوا سے...... کچھ دیر بعد کھانا گرم کر لینا۔''

''میں ابھی لے کر آئی۔'' عذرا باورچی خانے کی طرف پلٹ گئی تھی۔

تب ہی اب ذرا ریلیکس ہو کر قیس کی نظر سامنے اچار کے پھیلاوے پر پڑی تھی اور اب اسے فضا

میں اچار کی خوشبو کا بھی اندازہ ہوا تھا تو تیوری چڑھ گئی تھی۔ تاثرات لمحوں کے حساب سے بدلے تھے۔

مہر مکمل نظر انداز کرنے کے موڈ میں اپنی بوتلیں اور جار سنبھالتی رہی تھی۔

"چچی......! یہ اتنا پھیلاوا اور اوپر سے اتنی تیز خوشبو......؟"

جانے اماں کس مٹی کے مادے سے بنی تھیں کہ اس کے سامنے بالکل ہی عاجز ہو جاتی تھیں۔

"ارے بیٹا...... وہ اچار کا آرڈر آیا تھا ناں تو وہی پورا کر رہے ہیں۔ دوپہر کے بعد سے ہی میں اور مہر لگے ہوئے ہیں۔ عذرا اوپر کا سارا کام دیکھ رہی ہے۔"

وہ ناگواری سے منہ بنا رہا تھا۔ کسی حد تک حقارت کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

سہ پہر کی دھوپ سونے کی ڈلیوں جیسی لگ رہی تھی۔

"یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے چچی......؟"

وہ انداز اور لہجہ مہر کے دل پر لگا تھا۔ وہ چونک گئی تھی۔ سر اٹھا کر بطور خاص اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟"

قیس نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

کلثوم نے غضب سے بھری ہوئی نظر مہر کی طرف اچھالی تھی۔

"ارے بیٹا! چار پیسے ہاتھ آ جائیں گے۔ کچھ گھر کا سودا سلف آ جائے گا۔ ویسے بھی مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔"

کلثوم کی بات پر جیسے طنز کرتے اس نے سارے پھیلاوے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"مگر یہ سب کر کے آپ لوگ کروڑ پتی نہیں بن جائیں گے۔ محلے والے کیا کہیں گے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے۔"

مہر جب تک چپ رہے، سکون رہے۔ جب مہر پھٹے تو سمجھو بم پھٹے...... وہ غلط بات تو برداشت ہی نہیں کرتی تھی۔

اور سامنے قیس ہو تو کوئی معافی نہیں، کوئی علاج شافی نہیں۔

''لوگ تو اب بھی طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو شاید وہ سنائی نہیں دیتی ہوں گی۔''

بجی شور کی آواز سن کر کانچ کے گلاس میں پانی بھر لائی تھی۔ وہ گلاس لے کر کھڑی رہی اگلے نے تھامنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ہر بار کی طرح آج بھی میدان جنگ چھڑنے کے آثار پورے تھے۔

''کیا کہتے ہیں لوگ......؟ ذرا میری معلومات میں بھی اضافہ کرو۔''

وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

''میرا فی الحال کسی بھی بحث میں پڑنے کا موڈ نہیں ہو رہا۔''

''تم مجھے باتیں سنا رہی ہو ناں کہ میں نکما ہوں۔ نکھٹو ہوں۔ کچھ کرتا ورتا نہیں ہوں۔ یہی بات ہے ناں......'' وہ بھڑکا تھا۔ سلگنے لگا تھا۔

''میں نے تو ایسی کوئی بات بھی نہیں کی۔ لوگوں کی بات ہو رہی تھی، بیچ میں آپ خود ہی اپنے آپ کو لے کر آ گئے ہیں، ہمیشہ کی طرح......'' مہر کا آرام دہ لہجہ تیل جیسا ہوتا تھا۔ بھانبھڑ مچتے تھے۔

کلثوم نے مہر کی چوٹی پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سرعت سے پرے ہو گئی تھی۔

''مہر......! چپ کر جاؤ تم۔''

''نہیں چچی......! بولنے دیں اسے، بہت اکڑ آ گئی ہے ناں مہر میں۔ یہ اسٹارٹ اپ شروع کیا ہے ناں اس نے۔ یہ اچار کا بزنس......ارے کس دنیا میں ہو تم......؟ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ یہ شیخ چلی کے خواب دیکھنے کا زمانہ بھی نہیں رہا۔ اس محلے میں بیٹھ کر صرف تم خواب ہی دیکھ سکتی ہو۔ یہ عورتوں کے کرنے کے کام نہیں ہیں۔''

وہ اب رجسٹر دور پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سیدھے سیدھے قیس کے مقابل آ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے مان لیا۔ عورتوں کے کرنے کے کام نہیں ہیں۔ تو پھر بزنس کرنا، محنت کرنا، نوکری کرنا مردوں کے کام ہوئے ناں......؟ تو پھر آپ کر لیں یہ سب۔ ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ پچھلے ایک ماہ سے اس گھر کا کچن اسی شیخ چلی کے خوابوں سے حقیقت بننے والے اچار بزنس سے ہی چل رہا ہے۔ آپ

کی پروٹین ڈائیٹ، آپ کی ہیوی بائیک کی مرمت اور پٹرول...... سب کچھ انہی چار پیسوں سے پورا ہو رہا ہے۔ یہ سب دنیا کو نظر آ رہا ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں اور باتیں بھی بنا رہے ہیں۔ بس صرف آپ کو نظر نہیں آ رہا۔“

قیس سرخ ہو کر کھڑا ہوا تھا۔ عجی نے پانی کا گلاس آگے بڑھایا تھا۔ ہاتھ کے وار سے کانچ کا گلاس فرش پر ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح کر نکل جارجٹ والی کلثوم اماں ڈر گئی تھیں۔

”قیس بیٹا! یہ تو...... اس کا دماغ ہی خراب ہے۔“

سخت سنجیدہ لہجے میں انہوں نے مہر پر نظر ڈالی تھی جو مزے سے فرش سے کانچ چن رہی تھی۔

”نہیں چچی......! مہر بچی نہیں ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر اپنے پیچھے گہرا سناٹا چھوڑ کر ہال کمرے سے نکل گیا تھا۔

اماں کانچ چننے والی پر پل پڑی تھیں۔

”میں نے تمہاری ایسی تربیت تو نہیں کی تھی مہر...... بچہ پتا نہیں کس حالت میں آیا تھا، تم نے اس کا کھانا پینا بھی حرام کر دیا۔“

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اماں اور عجی کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

”بس کر دیں اماں......! انہیں صرف مسئلے پیدا کرنا آتا ہے۔ حل نہیں کر سکتے وہ۔ گھر کے مرد ہیں ناں تو وہ خود کما کر لائیں۔ ورنہ چپ رہیں۔“

”تم نے اچھا نہیں کیا مہر......!“

کلثوم پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ عجی دوبارہ باورچی خانے کی طرف جاتے جاتے مڑی تھی۔

”خندق ہے تمہاری زبان کے آگے۔ تب ہی کہتی ہوں چپ رہا کرو۔ ہر کوئی تمہاری زبان کی کھائی سے چوٹ کھا لیتا ہے۔“

”ہاں ہاں......! میں ہی غلط ہوں۔ بس کر دیں آپ دونوں...... آپ دونوں نے ہی اسے لاٹ صاحب بنا کر رکھا ہوا ہے۔“

مہر کو اماں کی طرف سے دھکا پڑا تھا۔ عجی نے قہر و ملامت سے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی نظر اس کے حوالے کی تھی۔

''اس گھر کا واحد سہارا ہے وہ۔ اکلوتا مرد ہے وہ۔ محافظ ہے ہمارے گھر کی چھت کا۔''

مہر نے کمرے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائی تھی۔

سونے کی ڈلیوں جیسی دھوپ میں وہ خود بھی کندن کندن ہو رہی تھی۔ الفاظ گہرے تھے۔ اماں اور عجی کو کاٹ کھایا تھا لفظوں نے......!

''اللہ کرے آپ دونوں کی اس خوش فہمی کا بھرم جلد ٹوٹ جائے اور آپ کی آنکھیں بھی کھلیں۔''

یہ کہہ کر وہ میدان جنگ سے شان سے رخصت ہو گئی تھی۔

مال غنیمت میں اماں کا بلڈ پریشر عجی کو سنبھالنا مہنگا پڑ گیا۔

''آپ پریشان مت ہوں۔ پھر سے آپ کا بی پی کا مسئلہ شروع ہو جائے گا۔ باقی یہ سارا کام میں دیکھ لوں گی۔''

اماں بھی جنگ و جدل والی زمین کے حصے سے نکل گئی تھیں۔ سارا کام وہیں کا وہیں پڑا رہا تھا اور بڑے دل کی مالک عجی ان دونوں کے حصے کے سارے کام نمٹانے میں لگی رہی تھی۔

وہ ایسی ہی تھی۔ مال غنیمت سمیٹنے والی...... سب کو جوڑ جوڑ کر رکھنے والی...... صرف میری اور آپ کی لاڈلی عذرا عرف عجی......!

☆......☆......☆

ہر طرف شام ہی شام تھی۔ آسمان کے سارے تارے کسی نے چرا کر اپنے پاس رکھ لیے تھے۔

کستوری محلے کی گلیوں میں اٹکھیلیاں کرتا ہوا وہ جب اپنے گھر کے سامنے پہنچا تو گھر پر رات اتر آئی تھی۔

وہ مسکراتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا اور اس کا پہلا ہی سامنا دھوئیں سے ہوا تھا۔

سامنے ہی چولہے کے پاس مینا بیٹھی ہوئی توے پر آٹے کا آمیزہ ڈال رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا ٹنکو آگ جلانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ وہ شروع سے ہی ایسا تھا۔ بہت بردبار سا، کافی

سمجھ دار سا......!

وہ ان دونوں کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ خاموشی سے انہیں اپنے کام میں مصروف کھڑا دیکھتا رہا۔ زرد بلب کی روشنی میں زندگی میں پہلی بار اسے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو تم؟"

مینا نے پلٹ کر دیکھا۔

"آپ کے لیے روٹی بنا رہی ہوں۔"

"تم نے کب سے سیکھ لیا روٹی بنانا؟"

وہ روٹی پلٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا چکا تھا۔

"اب میں نے گھر کے سارے کام کرنا سیکھ لیا ہے اور آپ کو پتا ہے میں نے کچھ اور بھی سیکھا ہے۔"

"ایسا کیا سیکھ لیا تم نے...... مجھے بھی تو پتا چلے......؟"

"کرتے پر کلف لگانا...... آج کے بعد آپ کے کرتوں پر کلف لگایا کروں گی۔"

مینا مسلسل اس سے باتیں کیے جا رہی تھی اور وہ بردبار سا ٹنکو ہمیشہ کی طرح بیٹھا ہوا انہیں سن رہا تھا۔ بیچ میں وہ کبھی کبھی اندر کمرے کی طرف بھی نظریں گھما لیتا تھا جہاں اس کی فالج زدہ ماں دیوار سے ٹیک لگائے ان تینوں کو ساکت نظروں سے بغیر پلکیں جھپکائے دیکھ رہی تھی۔

"آپ رات کو جلدی گھر آ جایا کریں۔ اماں آپ کو یاد کرتی ہیں۔" ٹنکو نے آہستہ سے اپنے بڑے بھائی اطلس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ وہ مجھے یاد کرتی ہیں؟"

"انہوں نے مجھے خود بتایا ہے۔"

ٹنکو کی بات پر وہ حیران ہوا تھا۔

مینا کچی پکی روٹی پر اچار کی پھانک رکھ رہی تھی۔

"وہ تم سے باتیں کرتی ہیں؟"

’’ہاں کبھی کبھی کر لیتی ہیں۔‘‘

مینا نے چنگیر اطلس کی طرف بڑھا کر ٹنکو کے سر پر چپت لگائی تھی۔

’’اطلس بھیا! آپ روٹی کھائیں۔ یہ تو کچھ بھی بولتا رہا ہے۔‘‘

ٹنکو نے اس بات پر جیسے خوب برا منایا تھا۔ اب وہ اپنے سر کو دائیں بائیں ہلا کر کہنے لگا۔

’’میں سچ کہہ رہا ہوں، وہ مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔ جب اطلس بھیا اپنے دوستوں کے ساتھ شغل کرنے کے لیے نکل جاتے ہیں اور تم اسکول چلی جاتی ہو تو تب وہ چپکے چپکے مجھ سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔‘‘

اطلس غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چھوٹے چہرے پر ایک بڑی سچائی رقم تھی۔ مینا نے اس کا دھیان ہٹانا چاہا تھا۔

’’آپ چپ کر کے روٹی کھائیں اور مجھے بتائیں کیسی بنی ہے۔ ٹنکو کی کسی بات پر اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘

اطلس نے پہلا نوالہ منہ میں ڈالا تھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی مینا کے چہرے پر آسمان کے سارے تارے اگ آئے تھے۔ وہ رائے کے اظہار میں تھوڑا بہت ہچکچا سا گیا تھا۔

’’تھوڑی کچی ہے مگر اچھی ہے۔‘‘

مینا اس کی بات پر جیسے خوشی سے نہال ہو کر رہ گئی تھی۔

’’شکریہ اطلس بھائی......! میں کچھ دنوں تک اچھی اچھی مزے دار روٹیاں اور مزے کا سالن بنانا سیکھ جاؤں گی۔‘‘

ٹنکو اسٹیل کا گلاس تھامے گھڑے سے پانی بھر کر لا رہا تھا۔ اطلس نے ایک نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالا تھا۔ بڑے بھائی ہونے کا فرض یاد آ گیا تھا۔

’’قاری صاحب کے پاس جا رہے ہو ناں تم؟‘‘ پانی پیتے ہوئے اطلس نے تفتیشی انداز میں ٹنکو کی عدالت لگائی تھی۔

”چلا جاتا ہوں کبھی کبھی...... پیچھے میرے بغیر اماں اداس ہو جاتی ہیں۔“

”خود تم سے کہتی ہیں کہ اداس ہیں؟“

”نہیں......ان کی آنکھیں مجھ سے کہہ دیتی ہیں۔“

سیاہ آسمان پر بدلیوں کے پیچھے چھپا ہوا چاند اطلس کے ہاتھ میں تھمے اسٹیل کے گلاس کے پانی میں اتر آیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ٹنکو کو دبوچ چکا تھا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو ناں...... سچ سچ بتاؤ مجھے ورنہ ابھی رات کی ماں کو بلاتا ہوں۔“

رات کی ماں ایک بلا تھی جو کستوری محلے کی مشہور کہانی تھی جس میں بچے سلانے کے لیے انہیں رات کی ماں کا ڈراوا دے کر مائیں سلاتی تھیں۔

وہ اسے ڈرانے لگا تھا۔ ٹنکو مسکرانے لگا تھا۔

”رات کی ماں سے اماں مجھے بچالیں گی۔ ہمیشہ کی طرح۔“

ٹنکو دوڑتا ہوا زرد بلب کی روشنی میں بیٹھی ہوئی اماں سے لپٹ گیا تھا۔ مینا اور اطلس ٹنکو کی باتوں کو سر سے جھٹک کر اپنی باتوں میں مصروف رہے۔

چاند آسمان پر جلتا رہا۔ آنگن میں لگے بیری کے پیڑ پر بیٹھی ہوئی رات کی ماں ٹنکو کی اماں سے سخت خوف زدہ ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

ملگجی سی شام چوکھٹ پر اتر آئی تھی۔ موگرے اور چنبیلی کی خوشبو ہواؤں میں لدی پھر رہی تھی۔ کستوری محلے کے در و دیوار پر اترنے والی شاموں میں ایک عجیب سی یاسیت ہوا کرتی تھی۔

عذرا نے قیس کے کمرے میں قدم رکھا، چند ثانیے کھڑے سوچتی رہی تھی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے گرے ہوئے پردے کھولنے شروع کر دیے۔ بلب جلایا تو سامنے ہی اوندھے منہ تکیے پر لیٹا ہوا وہ نظر آ گیا تھا۔ اس کی یہ بچپن کی عادت تھی۔ اور وہ تو اس کی ہر رمز سے واقف تھی، وہ تھوڑا آگے ہوئی۔

”قیس......! شام ہو گئی ہے۔“

وہ خاموش رہا تھا۔ بس ایک بار آنکھیں کھول کر دوبارہ بند کرلی تھیں۔ وہ پریشانی سے اب بھی بیڈ کے کنارے کھڑی رہی تھی۔

"مہر چھوٹی ہے، اسے نہیں پتا کون سے موقع پر کیا بات کرنی ہے۔ میں اسے سمجھاؤں گی وہ آپ سے سوری کرلے گی۔"

وہ مہر کی سفارش لے کر آئی تھی۔ سامنے والے نے ڈپٹ کر رکھ دیا تھا۔

"مجھے اس کا زبردستی کا سوری بھی نہیں چاہیے۔"

"اٹھ جائیں...... کھانا کھالیں۔ میں نے آپ کی پسند کا مٹر قیمہ پکایا ہے۔"

مٹر قیمہ کی بات پر وہ جیسے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ بقول مہر کے مٹر قیمے پر وہ سارے قصور اور غلطیاں معاف کرسکتا تھا۔ کتنا واقف تھی ناں مہر اس سے......

وہ تکیے کو گود میں لے کر بیٹھا تھا اور چہرے پر فی الحال ابھی بھی ناراضی طاری کی ہوئی تھی۔

"مجھے تو آج پتا چلا ہے کہ مہر میرے لیے اپنے دل میں اتنا بغض رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے میری پروٹین ڈائٹ سے بھی مسئلہ ہے۔ اور رہی بات کمانے کی تو آج میں تم سب کے لیے ہی انٹرویو دینے گیا تھا۔"

"اماں نے مہر کو سمجھایا ہے آئندہ وہ ایسی کوئی بات نہیں کرے گی۔ باقی کوئی بات نہیں، نوکری میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے ناں......"

"بات تو ایسے کر رہی تھی جیسے مجھے گھر سے ہی باہر کردے گی۔ شکر ہے کہ میرے مرحوم والدین میرے لیے اس گھر میں حصہ چھوڑ کر گئے تھے ورنہ میرا کیا بنتا بھئی......" طنز سے مسکراتا ہوا وہ بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شیشے میں دیکھ کر بال سنوارتا رہا۔ شیشے میں ہی پیچھے کھڑی عجی پر نظر پڑی تھی جو بالکل رونے کے قریب ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے چھپر بھیگنے ہی والے تھے۔

"آپ پلیز پریشان مت ہوں۔ میں آج ہی زرناب سے بات کروں گی۔ وہ انکل سے بات

کرے گی۔ آپ کی جاب کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

منڈیروں پر اتری ہوئی شام نے قیس کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ دماغ میں کچھ کھٹکا تھا۔ لاشعور میں ایک بیج پھوٹنے لگا تھا۔

سامنے کھڑی عجی اس فصل کی سفارش سے ہمیشہ ہی بے خبر رہنے والی تھی۔

"تم چاہتی ہو کہ تمہاری دوست کی سفارش کے بل بوتے پر مجھے جاب ملے؟"

وہ گھبرا گئی تھی۔ وہ اپنے تیوروں سے اس کی جان نکال لیتا تھا۔

"نہیں......نہیں......! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا تمہارا؟"

"زرناب کے ڈیڈ کی بہت بڑی کمپنی ہے۔ وہاں تو ویکنسی نکالنا مشکل نہیں ہو گا۔ اور ویسے بھی میں جانتی ہوں کہ آپ بہت ٹیلنٹڈ ہیں۔ بس وہی بات کہ یہاں سفارش بھی ضروری ہے۔"

وہ کمرے میں ہاتھ باندھے ٹہلتا رہا۔ وہ مقناطیس کی مانند چپکی کھڑی رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ تم اپنی دوست سے میرا سی وی شیئر کر دو۔ دیکھتے ہیں آج تمہاری دوستی کام آتی ہے یا نہیں۔"

وہ خوش ہو گئی تھی۔ سارے جگنو تارے عجی کے خدوخال میں اگ آئے تھے۔

"آپ دیکھیے گا، زی مجھے انکار نہیں کرے گی۔ میں ابھی زی سے بات کرتی ہوں۔ آپ بس رات کے کھانے کے لیے آجائیں پلیز......!"

"تم چلو، میں آتا ہوں۔"

دیوتا کو شاید رحم آ گیا تھا۔ کستوری محلے کی داسی مسکاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

وہ کچھ سوچتا ہوا کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا رہا تھا۔

جانے کیوں منڈیروں پہ اتری شام کے دل میں وسوسے اترنے لگے تھے۔ خبر مسکرا کر خوشی خوشی وہاں سے نکل جاتی ہے۔ قاصد وہیں کھڑا کچھ سوچ رہا ہے۔

رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ناراض ناراض سی کلثوم روٹیاں بنا رہی تھیں۔

مہر دبے پاؤں باورچی خانے میں داخل ہوگئی تھی۔ وہ چوری چوری اماں کے تاثرات پڑھتی رہی جن میں معافی تلافی کی کوئی بھی گنجائش نکلتی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اماں نے بھی اس بار اسے بے نیازی کی مار ماری تھی۔

کلثوم نے باہر کی طرف آواز لگائی تھی۔

''عذرا! تازہ روٹی لے جاؤ۔''

مہر نے حالات میں نرمی کا سراغ پاتے ہی روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

''میں لے جاتی ہوں۔''

کلثوم نے اسی وقت گرم چمٹے سے تواضع کر دی تھی۔

سی سی کرتی وہ پیچھے ہٹی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''ناراض ہیں؟''

دوسری طرف سے خاموشی رہی تھی۔ روٹیاں پکتی رہیں۔ مہر اچانک ان سے لپٹ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری اماں......بس مجھے غصہ آ گیا تھا۔''

''رہنے دو۔ میں نے تمہاری تربیت ایسی تو نہیں کی تھی کہ تم اپنے سے بڑوں کے ساتھ یوں زبان چلاؤ۔ قیس گھر کا مرد ہے۔ بھائی ہے تمہارا۔ عمر میں بھی بڑا ہے۔ کوئی ایک لحاظ تو رکھا ہوتا تم نے۔''

وہ سر جھکا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ جیسے شرمندہ ہے اور بہت ساری ہے۔

کلثوم نے جانچتی نظروں سے پرکھنے کی کوشش کی تھی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں ان سے سوری کر لیتی ہوں۔ آپ تو معاف کر دیں ناں۔''

کلثوم کا فیصلہ پتھر پر لکیر تھا۔

''جب تک قیس تمہیں معاف نہیں کرے گا، میں بھی نہیں کروں گی۔''

مہر نے چند لمحے کوئی جوڑ توڑ کیا تھا اور پھر ان کے سامنے پڑے ہاٹ پاٹ سے روٹی اچک کر باہر نکلی تھی جہاں وہ رغبت سے مٹر قیمہ کھانے میں کافی مصروف نظر آتا تھا۔

لاؤنج میں ایک کونے میں عجی ڈھیر ساری اسکول کی کاپیاں پھیلائے بیٹھی تھی۔ بیچ میں وہ وقفے وقفے سے پیار بھری نظریں اٹھا کر قیس کو بھی دیکھ لیتی تھی۔

مہر گھر کے اکلوتے ناراض مرد کے سر پر کھڑی ہوگئی تھی۔ مرد نے اس کو بالکل بھی گھاس نہیں ڈالی تھی۔ وہ مزے سے اپنارات کا کھانا کھاتا رہا تھا۔ دونوں بہنوں میں اشاروں میں باتیں ہوئی تھیں۔

''روٹی لے لیں قیس بھائی!''

قیس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مہر کو پھر سے نظر انداز کر دیا گیا۔

وہ شرمندہ شرمندہ نظر آنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''میں کھڑے کھڑے تھک گئی ہوں۔''

''مجھے باتیں سناتے ہوئے تو تمہاری زبان نہیں تھکتی۔''

''میں شرمندہ ہوں۔''

''لگ تو نہیں رہا۔'' وہ سر سے پاؤں تک گھورنے لگا تھا۔ کہیں سے بھی تو شرمندہ دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ۔

''شرمندگی کا کوئی خاص ایکسپریشن ہوتا ہے تو بتا دیں، وہی خود پر طاری کر لیتی ہوں، ویسے بھی میں اتنی اچھی اداکارہ نہیں ہوں۔''

وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سامنے کھڑی ہوئی شرمندہ لڑکی کے نئے دوپٹے سے ہاتھ صاف کر لیے گئے۔

وہ ضبط کی آخری حدوں پر پہنچ کر ڈھٹائی سے کھڑی مسکراتی رہی۔

''ایکسپریشن کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بس آج مجھے ادرک والی چائے بنا کر دینے کی ڈیوٹی

تمہاری ہے۔"

کام کرنے سے جان جاتی تھی۔ جان جاتے جاتے ہی بچی تھی۔

"اتنا مشکل کام؟" وہ روہانسی ہو کر مدد طلب نظروں سے عذرا کو دیکھنے لگی تھی جو دونوں کو اپنے حال پر چھوڑ کر کاپیوں میں غرق ہو گئی تھی۔

"معافی اتنی آسانی سے تھوڑی ملتی ہے۔ کچھ تو محنت کرنی پڑتی ہے۔" وہ گنگناتا ہوا بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

وہ پاؤں پٹخ کر چلائی تھی۔

"جلاد کہیں کا۔"

عجی نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پایا تھا۔

"خیال سے، بہت تیز ہیں اس کے کان...... اس نے سن لیا تو پھر کسی مشکل میں پڑ جاؤ گی۔"

کستوری محلے کی مہرادرک کوٹتی رہی اور ساتھ ساتھ دانت بھی پیستی رہی۔

یہی حسن ہوتا ہے رشتوں کا...... خفا ہوتے ہیں...... مان جاتے ہیں! صرف تب تک جب تک آزمائے نہ جائیں۔ تب تک جب تک پرکھے نہ جائیں! دل کا کھوٹ چہرے پر آنے میں کچھ تو سمے لگتا ہے ناں!

☆......☆......☆

تالاب والے گھر میں رات اتر آئی تھی۔ فرانسیسی کھڑکیوں سے اندر فانوس روشن نظر آتے تھے۔ پام کے فلک بوس درخت شان سے سر اٹھا کر کھڑے تھے۔

بیڈروم میں زینت ڈریسنگ مرر کے سامنے بیٹھی موئسچرائزر لگانے کے ساتھ ساتھ فون کال پر بھی مصروف نظر آ رہی تھیں۔ چہرے کے حلقے بہت گہرے تھے۔ دور سے عیاں ہوتے تھے۔ زینت کو دیکھ کر ہی سلوٹ زدہ شے کا خیال ابھرتا تھا۔

"ارے مسز شیراز......! آپ سے کس نے کہہ دیا کہ آپ کی پارٹی میں جان نہیں تھی؟ آپ بھی

کن لوگوں کی باتوں کا یقین کرتی ہیں۔ آپ صرف میری بات کا یقین کریں۔ سب کچھ بہترین تھا۔ کیٹرنگ، مینیو، سب بہت آؤٹ اسٹینڈنگ تھا۔ آپ کی ڈائمنڈ جیولری تو اُفف......! میری نظریں ہی نہیں ہٹ رہی تھیں۔ سچ کہوں تو مجھے لگتا ہے عاصمہ کو آپ کے ہیروں کے سیٹ کی چمک نے ہی اندھا کر دیا ہوگا، تب ہی اسے اور کچھ نظر ہی نہیں آیا۔''

تب ہی دروازہ کھلا تھا اور بازو پر کوٹ لٹکائے تھکے تھکے سے زمان اندر داخل ہوئے تھے۔ چہرے پر بھی عجیب سی سختی تھی۔ سامنے بیٹھی ہوئی زینت کو دیکھ کر مزید اکتاہٹ چھا گئی تھی۔

''اچھا مسز شیراز! میں کل آپ سے عاصمہ کی پارٹی میں ملتی ہوں۔ تب دیکھیں گے کہ وہ کیا کمال کرتی ہے۔ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ کل بھی وہی ڈائمنڈ سیٹ ہی پہن کر جایئے گا۔ سچ میں عاصمہ تو پاگل ہی ہو جائے گی۔'' آخر میں قہقہہ لگا کر زینت نے فون رکھ دیا تھا۔

الماری میں کوٹ لگا کر زمان شوز اتارنے میں لگے ہوئے تھے۔ سامنے لگے قد آدم آئینے میں وہ شوہر کی تمام حرکات و سکنات کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''تم مسز شیراز کی طرف گئی تھیں؟''

وہ سوال ہرگز بھی عام نہیں تھا مگر زینت کو سرسری انداز اپنانا پڑا تھا۔

''ہاں......! انہوں نے تو تمہیں بھی انوائیٹ کیا تھا مگر تم نے خود ہی منع کر دیا تھا تو مجھے جانا ہی پڑا۔''

''میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ اب ہم ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔''

''آپ رکھیں یا نہ رکھیں۔ آپ کی اپنی مرضی ہے۔ بھئی مسز شیراز تو میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔''

زمان نے پلٹ کر سخت نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ عورت انہیں نقصان پہنچانے کے ہر ہنر سے واقف تھی۔

''شیراز نے ہماری کمپنی کو نقصان پہنچایا ہے۔ بات کورٹ تک پہنچی ہوئی ہے۔ کیس چل رہا ہے اور تم ان کی پارٹیز میں جا کر میرا مذاق اڑوا رہی ہو۔''

وہ تپ کر آپے سے باہر ہو گئی تھیں۔

''میں مذاق اڑواتی ہوں؟ مجھے اپنے بزنس سے الگ رکھیں۔ میرا اپنا ایک سوشل سرکل ہے اور میں آپ کی وجہ سے وہ نہیں چھوڑ سکتی۔''

''تمہیں اپنے شوہر کی عزت کی رتی برابر بھی پروا نہیں ہے۔ کچھ تو عقل کے ناخن لو۔''

''جب شوہر کو ہی میری پروا نہیں جو اپنی بیوی کے بجائے اپنی سیکرٹری کے ساتھ پارٹیز اٹینڈ کرنے جاتا ہے اور مجھے لوگ تصویریں واٹس ایپ کر رہے ہوتے ہیں تو تب آپ کو فرق نہیں پڑتا۔''

زمان غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ فانوسوں کی روشنی میں چہرے کی رنگت سرخ ہو گئی تھی۔

''تم جیسی کنزرویٹو مائنڈ کی عورت سے شادی کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ تم آج بھی بائیس سال پہلے والی جگہ پر کھڑی ہو۔''

''میں کنزرویٹو ہوں، میں جاہل ہوں...... تم جو اپنی سیکرٹری کے ساتھ گلچھرے اڑاتے پھر رہے ہو، وہ سب کیا ہے؟''

''میں تمہارے منہ ہی نہیں لگنا چاہتا۔ کاش میں نے تم سے شادی کا فیصلہ ہی نہ کیا ہوتا۔'' زمان نے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ کر انہیں بیڈ کی طرف اچھال دیا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر جیسے ہی غصے سے باہر نکلا تھا۔ سامنے ہی آنکھوں میں تکلیف لیے زرناب کھڑی تھی۔

پیچھے سے زینت کی مسلسل اونچی آواز آ رہی تھی۔

''تو ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ چھوڑ دو مجھے...... ڈائیورس دے دو مجھے۔ مجھے بھی بائیس سال کی اس اذیت سے چھٹکارا ملے۔''

زمان کچھ سیکنڈ زرناب کے پاس رکا تھا اور پھر نظر انداز کرتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

زرناب پریشانی کے عالم میں الٹے پاؤں واپس مڑی تھی۔ آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ بچپن سے یہی دیکھتی ہوئی آ رہی تھی۔

"ایک ناکام شادی...... ایک شادی ناکام ہو جائے تو پھر سلامت کچھ بھی نہیں رہتا۔ کیا یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہوگی؟ کہیں میں بھی شادی کر کے کوئی غلطی تو نہیں کر رہی؟ مام ڈیڈ کو شاید مجھ سے کبھی محبت رہی ہی نہیں۔ تم کیا ہو زرناب زمان؟ تم کیوں ہو زرناب زمان؟ ایک ناکام شادی کی ان چاہی اولاد......!"

وہ اس عالی شان بنگلے کی سیڑھیوں پر تنہا بیٹھی ہوئی ہچکیاں لیتی ہوئی روتی رہی تھی۔

باہر رات بیت رہی تھی۔ زینت کے کمرے سے پرفیوم کی شیشیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں آتی رہیں۔

فرانسیسی کھڑکیوں والا وہ گھر ملی جلی خوشبوؤں سے بوجھل ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

زرناب اور رومان دونوں شاپنگ کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ رومان نے اسے خاص طور پر نوٹ کیا تھا جب سے وہ اس کے ساتھ تھی کھوئی کھوئی سی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں ڈریسز خرید رہے تھے اور وہ کسی بحث مباحثے میں پڑنے کے بجائے رومی کی ہر پسند پر سر خم کرتی جا رہی تھی۔ فوڈ کورٹ میں وہ بس خاموش بیٹھی رہی تھی، اسی خاموشی میں اس کی آئس کریم بھی پگھل گئی تھی۔

وہ دونوں اب ایک جیولری شاپ کی طرف آ گئے تھے جہاں زیورات کی اور مختلف قسم کی دھاتوں کی جگمگ تھی۔ اور انسانی آنکھیں اس چمک دمک سے چندھیا رہی تھیں۔

وہ نازک سی ہیرے کی انگوٹھی پہنے رومان سے پوچھ رہی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہے؟"

وہ روشنی کی مورت کو محبت پاش نظروں سے بس دیکھتا رہا تھا۔

"حسین ترین......"

زرناب نے اسے مکا مارا تھا۔

"میں اپنا نہیں، رنگ کا پوچھ رہی ہوں۔ صحیح بتاؤ۔"

"پہلے صرف خوب صورت تھی، جب تک اس کیس میں تھی، تم نے پہنی ہے تو بہت قیمتی ہو گئی ہے۔"

''کچھ زیادہ ہی رومانٹک نہیں ہوتے جا رہے تم؟''

وہ ہنس کر دکاندار کی طرف متوجہ ہونے لگا تھا۔ وہ انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی گھماتی رہی تھی۔

''ہم ہمیشہ کے لیے ایک خوب صورت رشتے میں جڑنے جا رہے ہیں تو تمہارے ساتھ رومانٹک نہیں ہوں گا تو کس کے ساتھ ہوں گا۔''

''مردوں سے بس باتیں کروالو، سارے مرد ہی فلرٹ ہوتے ہیں۔''

فلرٹ کی بات پر ہنستے ہوئے سامنے دیکھ کر نظریں پتھرا گئی تھیں۔ سامنے ہی زمان اپنی سیکرٹری نیلم کے ساتھ نظر آ گئے تھے۔ شاپنگ مال کی اس عمارت میں عجیب سی گھٹن نے زرناب کی سانس بند کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کا باپ کسی غیر عورت کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مسکرا رہا تھا۔

ایسی دلکش ہنسی وہ زندگی میں پہلی بار اپنے باپ کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ وہ بس دیکھتی رہی تھی۔ کتنا اجنبی لگ رہا تھا یہ سب...... رومان کا ہاتھ پکڑ کر وہ تیزی سے اس منظر نامے سے نکلنا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا زری؟ ہم نے تو پرفیوم دیکھنے تھے ناں......؟''

''نہیں۔ پھر کبھی...... ابھی لیٹ ہو رہا ہے۔ ہم نے ٹیلر کے پاس بھی جانا ہے۔''

رومان کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔ وہ کبھی کبھی بہت عجیب ہو جایا کرتی تھی۔

شاپنگ مال کی عمارت میں ہر طرف شیشے ہی شیشے تھے۔ باپ بیٹی ایک شیشے میں ایک دوسرے کو اکٹھے نظر آ گئے تھے۔ وہ جیسے ساکت رہ گئے تھے۔

زرناب زمان کی آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے شکووں کی کئی کرچیاں تھیں۔

نیلم نے چٹکی بجا کر زمان کو متوجہ کیا تھا۔

''کہاں گم ہو گئے ہیں آپ؟''

وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

''کہیں نہیں سویٹ ہارٹ!...... تمہارے ساتھ ہی ہوں۔''

''یہ دیکھیں...... یہ بریسلٹ مجھ پر کیسا لگے گا؟''

''ارے...... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے تم جو بھی پہن لو تم پہ اچھا ہی لگے گا۔''

''تو پھر ٹھیک ہے، میں یہ بریسلٹ لے لیتی ہوں۔'' نیلم اب دکاندار کی طرف مڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک حرص نظر آ رہی تھی۔

''سنیں! اس کا بل کتنا بنے گا؟''

''میڈم! یہ دو لاکھ کے لگ بھگ ہے۔''

وہ ایک ادا اور نزاکت سے زمان کی طرف مڑ کر پوچھ رہی تھی۔ جو نچلے فلور کی طرف جاتی ہوئی لفٹ کو دیکھ رہے تھے۔ جس سے زرناب انہیں دیکھتے ہوئے نیچے اتر رہی تھی۔

''یہ کچھ زیادہ قیمتی نہیں ہے؟''

''تم سے بڑھ کر قیمتی نہیں ہے۔ میں نے کہا ہے ناں کہ جو تمہارا دل کرے تم لے لو۔''

وہ مطمئن ہو کر دوبارہ جیولری باکس کھلوانے لگی تھی۔

دھاتیں انسانوں کی نفسیات پر ہنستی رہیں۔

زرناب تیزی سے شاپنگ مال کے پارکنگ ایریا کی طرف آ رہی تھی۔ رومان شاپنگ بیگ تھامے جھنجھلایا ہوا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

''یار زری......! ابھی میں نے پرفیوم خریدنے تھے۔ کچھ اور برینڈ وزٹ کرنے تھے مگر تمہیں پتا نہیں اچانک کیا ہو جاتا ہے؟''

''دم گھٹ رہا تھا میرا اندر......'' وہ گہرے سانس لے رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے سینہ تھپتھپا رہی تھی۔

وہ جیسے نئے سرے سے فکر مند ہو کر پوچھنے لگا تھا۔

''کہیں کوئی میڈیکل ایشو تو نہیں تمہارا؟ ویسے بھی تم کبھی کبھی کسی وقت عجیب سا بی ہیو کرنا شروع کر دیتی ہو۔''

''اسٹاپ اٹ رومی...... میں کسی نفسیاتی مسئلے کا شکار نہیں ہوں۔'' وہ یونہی بات بات پر ہائپر ہونے لگی تھی۔

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"سیز فائر...... میں تو تمہاری فکر کر رہا تھا یار...... ایک تو تم پتا نہیں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔"

دونوں گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ زرناب گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ پر بیٹھ گئی۔ رومان نے شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پر پھینک کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"اچھا...... لنچ میں کیا کھلا رہی ہو تم مجھے؟"

"میں کھلاؤں گی تمہیں؟"

"ہاں......! بے شک میں تمہارا آفیشلی ہزبینڈ ہونے والا ہوں، تو یہ کام ہمیشہ میں ہی کروں گا، مگر آج تو تم مجھے فیور دے سکتی ہو ناں......"

وہ موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر...... آج تمہیں یہ فیور دے ہی دیتی ہوں۔ جس دن بیوی بن گئی تو یہ فیورز گیم نہیں چلے گی۔"

وہ مزے سے ہنسنے لگا۔

"جانتا ہوں...... جانتا ہوں۔ ہم چائینیز کھا رہے ہیں بس ڈن ہو گیا۔"

"تم اور تمہارا چائینیز...... کتنے چوزی ہو تم...... ہر معاملے میں۔"

"جیسا بھی ہوں...... تمہارا ہوں۔" وہ اس کے قریب ہو کر دلکش انداز میں مسکرایا تھا۔

"پھر سے فلرٹ شروع......" وہ سر جھٹک کر شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

شیشے کے پار منظر بھاگنے دوڑنے لگے تھے۔ گاڑی میں عابدہ پروین کی غزل گونج رہی تھی۔ زرناب زمان کی آنکھوں میں پھر سے کوئی رم جھم برسنے کو تیار تھی مگر وہ کھارے پانیوں کو اندر دھکیلنے کی کامیاب کوششوں میں لگی رہی تھی۔

وہ شاپنگ بیگ اٹھائے تھکے تھکے انداز میں لاؤنج میں آئی۔ وہی تالاب والا گھر تھا۔ جس کے

سامنے سے گزرنے والے لوگ ایک بار تو ٹھٹک کر ضرور دیکھا کرتے تھے۔ اور رشک سے مرجاتے تھے۔ زینت اندر جوس کا گلاس تھامے موبائل کی اسکرین پر کچھ دیکھنے میں مصروف نظر آتی تھیں۔ آہٹ پر چونک کر بیٹی کو دیکھا جو سامنے ہی صوفے پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

''کیا ہوا بنی؟ تم ٹھیک ہو؟''

''ٹھیک ہوں...... یو ڈونٹ وری پلیز......''

''جوس پیو گی؟''

''جی نہیں......'' بڑی نپی تلی سی گفتگو ہو رہی تھی۔

''کہاں سے آ رہی ہو؟''

''رومان کے ساتھ تھی۔''

''وہ اندر نہیں آیا؟''

''نہیں، ہم شاپنگ کے لیے گئے تھے۔ کافی وقت ساتھ گزارا ہے۔ لنچ کر کے آ رہے ہیں۔''

شاپنگ کی بات پر اب زینت خاص طور پر متوجہ ہوئی تھیں۔

''انگیجمنٹ رِنگ خرید لی تم دونوں نے؟''

''جی مام...... لے لی ہے۔''

''دکھاؤ مجھے...... ڈائمنڈ ہے ناں؟''

زرناب نے ایک شاپنگ بیگ سے ایک جیولری کیس نکال کر سامنے کیا تھا۔ زینت کی آنکھیں ہیرا دیکھ کر چمکنے لگی تھیں اور چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''اِٹس سو بیوٹی فل...... مجھے پتا تھا کہ رومان کی فیملی بہت ہائی کلاس ہے، وہ اپنی بہو کی پسند ناپسند کا ضرور خیال رکھیں گے۔ چلو کوئی کام تو تمہارے باپ نے اچھا کیا کہ بیٹی کا رشتہ ایسی جگہ کیا جہاں تمہیں اپنے دل کو مارنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر چاہے تم پلاٹینیم پہنو یا ڈائمنڈ......''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بہت کچھ آس پاس جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔

”آئی ڈونٹ نو مام...... آپ کب بدلیں گی۔ زندگی میں ہیروں سے بڑھ کر بھی بہت کچھ قیمتی ہوتا ہے۔ کاش کبھی آپ اور ڈیڈ یہ بات سمجھ سکیں۔“ یہ کہہ کر وہ ہیل کی ٹک ٹک کی گونج کے ساتھ وہاں سے نکل گئی تھی۔

زینت حیرانی سے پیچھے بول رہی تھیں۔

”یہ سب کچھ یہاں چھوڑ کر جا رہی ہو۔ یہ رِنگ اور باقی شاپنگ بیگز بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔“

زرناب ہیل اتار کر ہاتھوں میں پکڑے ننگے پیروں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ پلٹ کر ماں کو دیکھا۔

”نسرین کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔“

”یہ دیکھو...... اتنی مہنگی شاپنگ کر کے آئی ہے اور اوپر سے یہ ڈائمنڈ رِنگ...... بھلا آج کے دور میں کوئی نوکروں پر بھی اعتبار کر سکتا ہے۔“

زینت شاپنگ بیگ سمیٹ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ بیگ کھول کر اندر بھی جھانک لیتی تھیں۔

☆......☆......☆

زرناب دودھ کا گلاس تھامے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بے جی کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ سامنے ہی بے جی جائے نماز پر بیٹھی تھیں۔

وہ سائیڈ ٹیبل پر دودھ کا گلاس رکھ کر ان کی طرف آ گئی۔ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہو چکی تھیں۔ وہ وہیں سمٹ کر ان کی گود میں لیٹ گئی تھی۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہیں۔

”تم چاہے جتنی بھی بڑی ہو جاؤ زرناب...... کبھی نہیں بدلو گی۔ تم جب چھوٹی تھیں تب بھی ایسے ہی میری گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتی تھیں اور تمہیں مجھ سے ڈھیروں سوال کرنے ہوتے تھے۔“

وہ ہنسی تھی اور بے جی کو کسی پریشانی میں مبتلا کر گئی تھی۔

”جانتی ہوں...... تب میں تتلیوں، پریوں کے بارے میں پوچھا کرتی تھی۔ بچپن تھا ناں بے جی...... جو گزر گیا۔ اب بڑی ہو گئی ہوں اور یہ زیادہ مشکل لگنے لگا ہے۔“

انہوں نے پوتی کی پیشانی کو چوما۔ جو اکثر دبے پاؤں ان کی عبادت کے وقت آ کر ان کی گود میں لیٹ جایا کرتی تھی۔

"پریشان ہو؟"

"کنفیوز ہوں۔" وہ واقعی کنفیوز نظر آ رہی تھی۔ ماتھے پر الجھن صاف صاف پڑھی جا رہی تھی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟ کوئی بات ہوئی ہے؟"

"آپ کی زی کو کوئی کچھ کہہ سکتا ہے کیا؟" اس بار دل سے ہنسنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

"تمہاری بے جی ابھی زندہ ہے۔ کوئی کچھ کہہ کر تو دکھائے۔ زمان نے یا زینت نے تو کچھ نہیں کہا، میں کان کھینچتی ہوں دونوں کے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کلائی کا بریسلٹ گھماتی رہی پھر اچانک سر اٹھا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کر کے کہنے لگی۔

"ان دونوں کے پاس کچھ کہنے کی فرصت ہی کہاں ہے۔ وہ تو کہیں اور مصروف ہیں۔"

"پھر کیا الجھن ہے؟ کس چیز نے تمہارے چہرے پر بے چینی طاری کی ہوئی ہے؟"

"بے جی انسان شادی کیوں کرتا ہے؟" وہ ململ کے کپڑے جیسا سوال بے جی کو بہت اچھا لگا تھا۔

"رب کا حکم ہے بیٹا۔ انسان جوڑوں کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ مرد اور عورت کا ہر رشتہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"شادی کرنے کے لیے انسان کو اپنے پارٹنر میں کیا خوبیاں دیکھنی چاہییں؟ کیسے پتا چلے گا کہ اگلا انسان ہمارے لیے بہتر ہے؟"

"دیکھو بیٹا......شادی بہت مضبوط بندھن ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ نازک بھی بہت ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد میں عزت کا بیج ہو تو یہ پھلتا پھولتا ہے۔ شادی کی عمارت میں قدر اور محبت کا روڑا ہو تو سارے سرد و گرم سہہ لیتا ہے۔ اور ہمیشہ اسے قائم رکھنے کے لیے سمجھوتے کی چھت درکار ہوتی ہے جو اسے گرنے نہیں دیتی۔ ختم نہیں ہونے دیتی۔"

”آپ کو کیا لگتا ہے روماں میری عزت کرتا ہے یا مجھ سے محبت کرتا ہے؟“

”اگر وہ تمہاری عزت نہیں کرتا ناں تو وہ کبھی تم سے محبت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو تمہارا دل جانتا ہو گا۔ اپنے دل سے پوچھو۔ سوال کرو۔ مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، اپنے آپ کو وسوسے اور وہم سے بچا کر رکھنا۔ یہ تمہارے اندر کو بے چینی اور بے سکونی سے بھر دیں گے۔“

جانے وہ اس شادی کی کتھا کو سمجھی بھی تھی یا نہیں مگر سر ہلاتی ہوئی کھڑی ضرور ہو گئی تھی۔ اب بے جی کی نظر پڑی تھی وہ ننگے پاؤں ان کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ ننگے پاؤں پورے گھر میں پھرتی رہتی تھی۔

”دودھ ضرور پی لیجیے گا۔ آج کل آپ اپنی صحت کا خیال بالکل نہیں رکھتی ہیں۔“ وہ انہیں پیار سے ڈانٹ رہی تھی۔

”بس بیٹا...... اب تو عمر ہو گئی ہے۔ چند لمحوں کی نقدی ہے، چند پلوں میں ختم ہو جائے گی۔“

”ایک بات کہوں بے جی؟“ دروازے پر پہنچ کر کچھ سوچ کر وہ پلٹی تھی اور اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”ہاں ہاں کہو......“

”مجھے لگتا ہے مام ڈیڈ کے رشتے میں صرف کمپرومائز کی چھت ہی باقی رہ گئی ہے۔ باقی سب ختم ہو چکا ہے۔“

”شاید یہ میری ہی غلطی تھی۔ میں نے سوچا تھا وقت کے ساتھ ان دونوں کے رشتے میں محبت پیدا ہو جائے گی۔ مگر کچھ لوگ اتنے بدقسمت ہوتے ہیں کہ وہ محبت کے لیے بنے ہی نہیں ہوتے۔“

بے جی کو ماضی کے فیصلوں کے پچھتاوے میں مبتلا کر کے وہ عالی شان بنگلے کی اکلوتی اولاد خود ننگے پاؤں باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہی کستوری محلے کی کئی پھٹی گلیاں تھیں جہاں وہ مینا اور ٹنکو کا ہاتھ تھامے کہیں سے واپس آ رہا

تھا۔ آج آس پاس لوفر دوستوں کا جھنڈ نہیں تھا۔ ٹنکو مزے سے میٹھے سونف پھانک رہا تھا جبکہ مینا کے ہاتھوں میں نیا اسکول بیگ اور کچھ کتابیں تھیں۔ وہی معمول کا دن تھا۔ سبزیوں والے آلو بیچ رہے تھے۔ کباڑیے عورتوں سے بھاؤ تاؤ میں الجھے ہوئے تھے۔

وہ گلی کے بیچوں بیچ اچانک سامنے آئی تھی۔ لمبی سی چادر اوڑھے، نقاب سے جھانکتی ہوئی وہ آنکھیں اطلس کے دل کو زیر وزبر کر گئی تھیں۔

وہ جھٹ سے بال سنوارتا ہوا سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

وہ ٹھٹک گئی تھی۔

راستے میں وہ کھڑا تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ چہرے پر کھلکھلاہٹ پھوٹ رہی تھی۔

''تمہاری ماں نہیں ہے؟''

وہ معصومیت میں اول آنے والوں جیسا نظر آنے لگا تھا۔

''ہیں ناں...... کیوں نہیں ہیں۔ گھر پہ ہیں۔''

''تمہاری بہن نہیں ہے؟''

وہ جلدی سے مینا کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لے آیا تھا۔

''یہ ہے ناں......اس کا نام مینا ہے۔ پانچویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ گول روٹی بنانا سیکھ گئی ہے۔ آلو کی ترکاری بھی بنا لیتی ہے۔ اور میرے کرتے پر کلف لگانا بھی...... یہ ذرا دیکھو تو میرا کرتا......''

وہ پہلے مینا کی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ مینا اس کی طرف ہاتھ بڑھائے سلام پیش کر رہی تھی۔ وہ چھوٹی بچی جس کے چہرے پر شاید صرف آنکھیں تھیں۔ بولنے والی آنکھیں...... کہانی کار آنکھیں......!

مہر نظر انداز نہیں کر پائی تھی۔ اس نے دھیرے سے مینا کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا۔

دوسری بار کرتے کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ اور مہر نے نظر بھر کر دیکھ لیا تھا۔ نظر اٹھی تو بس جکڑی گئی۔ پکڑی گئی۔

وہ دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا چاہتی تھی......!

تب ہی ایک اور ہاتھ بڑھا تھا۔ وہ چونک گئی تھی۔

"میں ٹنکو ہوں۔ یہ میٹھی سونف لیجیے ناں۔"

بردبار ٹنکو نے مہر کے ہاتھوں میں زبردستی سونف کی مٹھی کھول دی تھی۔ ایک ہاتھ کی امانت دوسرے ہاتھ میں محفوظ ہو گئی تھی۔ کستوری محلہ سونف کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں راستہ روک لیا تھا ناں اس دن۔"

"رستہ تو آج بھی روکا ہے تم نے میرا......"

"دانت توڑا تھا ناں آپ نے میرا...... مجھے جفت عدد پسند ہے۔ ایک اور دانت توڑ دیجیے۔ تیس پورے ہو جائیں گے۔"

وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ٹنکو اور مینا کھڑے دیکھتے رہے۔

"میں اب ایسا نہیں کر سکتی۔ دوبارہ میرے راستے میں مت آنا۔"

وہ بجھ گیا تھا۔ وہ رونے کے قریب ہو گیا تھا۔ لچے لفنگے اور بدمعاش کا دل فرشتوں جیسا ہو گیا تھا۔

وہ ٹنکو کو چپت لگا کر اور مینا کے سر پر پیار کر کے واپس مڑ رہی تھی۔

مٹھی میں میٹھے سونف پسینے سے بھیگ گئے تھے۔

جاتے جاتے پلٹ کر اطلس سے پوچھنے لگی تھی۔

"سنو! نام کیا ہے تمہارا؟"

وہ قوس قزح کے رنگوں کی بارش میں نہا گیا تھا۔ وہ فرشتوں جیسے دل والا لڑکا دل سے مسکرایا تھا۔

"اطلس کہتے ہیں مجھے۔"

سامنے والی نے آنکھیں اٹھائی تھیں۔ جن میں سوز ہی سوز تھا۔

"اے اطلس و کمخواب جیسے قیمتی شخص......! خود کو کبھی بے مول مت کرنا۔ نام پیارا ہے تمہارا۔ اس نام کی لاج رکھنا۔"

اطلس بدمعاش کے سامنے پہیلی رکھ کر سامنے والی جا رہی تھی۔

وہ پہیلی بوجھنے میں ہلکان ہونے لگا تھا۔ پیچھے سے چلایا تھا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیدھ میں جا رہی تھی۔

''مہر کہتے ہیں مجھے......لغت کھنگالو گے تو معنی پتا چل جائیں گے۔''

وہ مینا اور ٹنکو کو چھوڑ کر کستوری محلے کی لائبریری میں پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ گھسا تھا اور لغت نکال کر بیٹھ گیا تھا۔

''مہر......یعنی کہ محبت......!

ہائے ہائے مہر......وائے وائے مہر......!

ناول قیس جنگل میں اکیلا ہے کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 15 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.Com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmal.com پر ای میل کریں۔

قسط نمبر 3

بیری کے درخت والا گھر تھا جہاں رات سمے رات کی ماں اترتی تھی اور گھر کے بڑے اس سے خوف میں مبتلا رہتے تھے۔ واحد ٹنکو تھا اس گھر میں جسے چنداں فکر نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ماں اگر بول چال سے محروم ہو، یا صرف چھت کی کڑیاں گنتی رہتی ہو، یا فالج کے مرض میں بھی کیوں نہ مبتلا ہو، وہ ماں ہی ہوتی ہے۔ ہر بلا پر بھاری۔ ہر مصیبت کی ڈھال۔ کیونکہ وہ ماں ہوتی ہے۔

اطلس کے گھر کا چولہا پھر سے روشن ہو گیا تھا اور وہ اپنے چھوٹے بھائی بہن کے ساتھ سر جوڑے بیٹھا ہوا اس واقعے پر گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔

''اس نے مجھ سے میٹھے سونف لے لیے۔'' ٹنکو خوشی سے نڈھال اور بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔

مینا نے خفگی بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس نے آپ کو تھپڑ مارا تھا کیا؟''

توے پر روٹی پلٹتی ہوئی مینا کو اپنے بڑے بھائی کی عزت نفس کی فکر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

اطلس جیسے اس لمحے کو دوبارہ جینا چاہتا تھا جب وہ اسے تھپڑ لگا رہی تھی۔

''ارے تھپڑ تھوڑی تھا۔ کپاس کا پھول تھا۔ ایسے لگا جیسے کچھ لگا ہی نہیں۔''

ٹنکو نے تشویشی نظروں سے بہن کو دیکھا تھا۔ دونوں آنکھوں آنکھوں میں بات کرنے لگے۔

''دانت توڑنے کی بات بھی ہوئی تھی۔ ذرا اپنے دانتوں کی گنتی کروائیں۔''

شک سے بھرے ہوئے لہجے میں ٹنکو دانت گننے پر مصر ہوا تھا۔ اور اب جا کر کہیں صحیح معنوں میں

اطلس کو اپنی عزت نفس کی فکر پڑ گئی تھی۔

''ارے چھوڑو ناں...... یہ سیخ کباب لایا ہوں یہ کھاؤ، مزے کرو۔''

سامنے ٹرے پر مسالوں سے بھرے ہوئے سیخ کباب الٹ دیے گئے تھے۔ مینا نے لپک جھپک تازہ روٹیاں اتارنا شروع کر دی تھیں۔ وہ تینوں سر جوڑے اب رغبت سے کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

''وہ بھابھی بنے گی تم دونوں کی۔''

مینا کو اچھو لگا۔

ٹنکو نے مڑ کر دروازے سے اماں کی طرف دیکھا۔

''غصے والی لگتی ہیں وہ۔'' مینا نے خبردار کیا۔

''بس لگتی ہے ورنہ دل کی بہت اچھی ہے۔ بہت پیاری باتیں کرتی ہے۔ چھوٹی سی ناک پر پہاڑ جتنا غصہ رکھتی ہے۔''

''خیال رکھیے گا، پہاڑ تلے دب گئے تو میں اور ٹنکو نہیں آئیں گے آپ کو نکالنے۔''

وہ مینا کی بات پر کھل کر ہنسا۔ یہاں تک کہ آنکھوں میں ہنستے ہنستے پانی آ گیا تھا۔ مینا حیران سی مسحور ہو کر اس گھر کے بڑے مرد کو خوشی سے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اطلس نے سر پر چپت لگائی۔

''کیا دیکھ رہی ہے؟ جوکر لگ رہا ہوں ناں؟''

''پیارے لگ رہے ہیں۔ پیارے والے جوکر۔'' بہن نے بھائی کا مان سلامت رکھا تھا۔

ٹنکو دونوں کی نظر بچا کر تین تکے ہضم کر کے اب بے نیاز ہو گیا تھا۔

مینا نے برتن سمیٹ کر پاس ہی ٹونٹی کے سامنے دھونے شروع کر دیے تھے۔ اور اطلس پاس ہی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔

ایک ہی دن میں جانے کیسے اسے مینا بہت بڑی بڑی لگنے لگی تھی جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات ڈسکس کر سکتا تھا۔

''سنو ناں مینا۔ کیسی لگی وہ تمہیں؟''

جھاگ سے کھیلتی ہوئی مینا ہنسی۔

''استانیوں جیسی لگی مجھے تو۔ جیسے استانیاں ڈانٹ ڈپٹ دیتی ہیں، وہ بھی آپ کو ایسے ہی ڈانٹ رہی تھیں۔''

''شاگرد ہی تو ہوں اس کا۔''

رات کا چاند گھر کی منڈیروں پر بیٹھ گیا تھا۔

منکو بور ہو کر اماں سے لپٹ گیا تھا اور اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا تھا۔ وہ روزانہ اسی طرح ان سے لپٹ کر سوتا تھا اور سارے دن کی روداد سناتا رہتا تھا۔ اور وہیں باتیں کرتے کرتے سو جایا کرتا تھا۔

مینا برتن دھو چکی تھی۔ اور زرد بلب کی روشنی میں اپنی حساب کی کتابیں کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ آنگن میں ٹہلتا رہا۔ کافی وقت گزر گیا تھا۔ چاند منڈیروں سے اکتا کر اٹھ گیا تھا۔ اندھیرے کی چادر پھیل گئی تھی۔

جب وہ سوچوں اور چہل قدمی سے فارغ ہوا تو سامنے حساب کی کاپی پر سوئی ہوئی مینا نظر آئی۔ لڑکپن کی عمر میں چہرے پر بڑھاپے کی ریاضت نظر آتی تھی۔ کلائیوں میں پڑی کانچ کی بہت ساری چوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

وہ چارپائی کی پائنتی پر بیٹھا ہوا مینا کو دیکھتا رہا تھا۔ تب ہی اندھیرے میں ٹپ ٹپ کی آواز گونجنے لگی تھی۔

پہلے آواز......اور پھر ہلکی سی بو......

وہ چونکا۔

پلٹ کر اندر کمرے کی طرف دیکھا تھا۔ اماں کی چارپائی سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اطلس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں کر لیا تھا۔

مائیں شاد رہیں۔ مائیں آباد رہیں۔ ماؤں کا ظرف بھی اوپر والے نے کائنات جتنا وسیع بنایا

ہے کہ اولادیں پال پوس کر بڑا کرتی ہیں۔ سردی، گرمی کا لحاظ کرتی ہیں۔

اطلس نے ہولے سے مینا کو جگایا۔

''مینا...... مینا......سنو تو......''لہجہ کانپ گیا تھا۔

مینا آنکھیں مسل رہی تھی۔

''صبح ہو گئی بھیا؟''

''نہیں مینا......وہ اماں......''

اطلس کی بات منہ میں تھی۔ آدھی ٹوٹی چوڑیوں والی لڑکی جھٹ سے اٹھی اور ننگے پاؤں نلکے کی طرف دوڑی۔

اطلس چپ چاپ اسے لوٹے میں پانی بھرتے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اطلس کے پاس رکی۔

''بھیا! ٹنکو کو اپنی جگہ سلا لیں۔ مجھ سے نہیں اٹھایا جائے گا اب وہ بڑا ہو گیا ہے۔''

بڑی تو وہ خود ہو گئی تھی۔ اطلس کہیں چھوٹا رہ گیا تھا۔

وہ ٹنکو کو اپنی جگہ سلا رہا تھا۔ مینا اماں کو دھو دھلا کر خوشبودار پاؤڈر چھڑک رہی تھی۔ پاؤڈر کی خوشبو پھیل رہی تھی۔

''اماں! جلدی سے ٹھیک ہو جائیں ناں۔ میں آپ کو سالن روٹی کھلاؤں گی۔ اور مجھے پتا ہے آپ ٹنکو سے چوری چوری باتیں کرتی ہیں۔ مجھ سے بھی کیا کریں ناں۔''

وہ ٹنکو کا سر تھپکتا رہا۔ خوشی سے رونے والا بیری والے گھر کا مرد اب درد سے رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ زمان گروپ آف انڈسٹریز کی شاندار عمارت کا پارکنگ ایریا تھا۔ جہاں گاڑی آ کر رکی تھی۔ ہائی ہیلز میں سجے دودھیا پاؤں زمین پر پڑے تھے۔

آنکھوں پر گاگلز چڑھائے اور ہاتھ میں بیگ تھامے وہ سنجیدہ سے انداز میں گاڑی سے باہر آئی۔ چہرے مہرے سے بالکل بھی موڈ کا اندازہ نہیں ہوتا تھا مگر دور سے بے نیازی کی خبر ہو جاتی تھی۔

بہت کم وہ آفس میں قدم رکھتی تھی۔

وہیں دور پارکنگ لاٹ میں قیس کی بائیک رکی تھی اور اس نے وہیں سے زرناب کو دیکھ لیا تھا۔ اپنی ہیوی بائیک پارک کرتے ہوئے بھی جیسے وہ مکمل طور پر زرناب کی طرف ہی متوجہ نظر آرہا تھا۔ خوب تیار شیار ہو کر اور ہاتھ میں فائل مضبوطی سے تھامے جیسے وہ زرناب کے پیچھے پیچھے ہی اندر آفس میں داخل ہوا تھا۔

دونوں کی ایک ساتھ انٹری جیسے سامنے کھڑے گارڈ کی نظروں میں آئی تھی، اس نے قیس کو بھی وہی پروٹوکول دیا تھا۔

آفس کا انٹیریئر ششدر کر کے رکھ دینے والا تھا۔ وہ چاروں طرف نظریں گھما کر بار بار دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی ستائش اتر آئی تھی۔

نیلم ڈیسک پر جھکی ہوئی اپنے موبائل فون پر پکچرز لے رہی تھی۔ جب زرناب اس کے سر پر پہنچی، ہولے سے کاؤنٹر پر ٹیپ کیا۔

نیلم نے سر اٹھائے بغیر ہی بے نیازی سے پوچھا۔

”کیا مدد کر سکتی ہوں میں آپ کی؟ اپائنمنٹ ہے کیا آپ کی؟“

زرناب نے اس نئی سیکرٹری کو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی پہچان لیا تھا کہ وہ وہی تھی جو اسے اس دن زمان کے ساتھ نظر آئی تھی۔ چہرے کے تاثرات میں برف جیسا سرد پن آگیا تھا۔

”زرناب زمان کو کسی اپائنمنٹ کی ضرورت نہیں ہے۔“

نیلم نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ہڑبڑاہٹ میں موبائل ہاتھ سے گر چکا تھا اور اسکرین بھی شاید چکنا چور ہو گئی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ میں ایک امپارٹنٹ ٹیکسٹ کر رہی تھی۔“

”اس آفس میں کام کرتے ہوئے آپ کے لیے یہاں کے کام سے بڑھ کر کچھ امپارٹنٹ نہیں ہونا چاہیے۔ ڈیڈ کہاں ہیں؟“

نیلم خود کو کمپوز کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ سامنے والی بے زار نظر آ رہی تھی۔ زرناب کی پرسنالٹی کے سحر اور گریس نے نیلم کو لمحوں میں خائف کر کے رکھ دیا تھا۔

''جی وہ ابھی باہر نکلے ہیں۔ انہوں نے سائیٹ وزٹ کرنی تھی۔''

''ہمم......اور جعفری صاحب......؟''

''وہ موجود ہیں۔''

''او کے۔''

زرناب کچھ سوچتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ قیس تب تک ریسیپشن پر پہنچ چکا تھا۔ نیلم اپنا ٹوٹا ہوا موبائل فون فرش سے اٹھا رہی تھی۔

''کیا پرابلم ہے؟''

اس کے جلے بھنے انداز پر قیس نے غور سے اسے دیکھا۔ کچھ دیر پہلے ہونے والی کارروائی کسی حد تک تو وہ خود بھی ملاحظہ کر ہی چکا تھا۔

''میں مس زرناب کے ریفرنس سے آیا ہوں، مجھے جعفری صاحب سے ملنا ہے۔''

وہ چونک گئی۔

''شیور......آپ بیٹھیے، میں آپ کو انفارم کرتی ہوں۔''

نیلم ایکسٹینشن اٹھا کر کنفرم کر رہی تھی۔ پھر وہ اسے ساتھ لے کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ قیس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ سجالی تھی۔ کیونکہ آج کے دن یہ بہت ضروری تھی۔

☆......☆......☆

لاؤنج کا منظر تھا جہاں بہت سارے گوٹے کناری کے کام والے دوپٹے بکھرے پڑے تھے۔ کلثوم سلائی مشین سنبھال کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ عذرا کچھ قینچی سے کاٹنے میں لگی ہوئی تھی۔

اس سب میں سوئی میں دھاگا ڈالتی ہوئی مہر جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ جس کو ہمیشہ سے ہی کام کے وقت موت پڑ جایا کرتی تھی۔ اور کل شام سے تو وہ ویسے ہی غیر حاضر نظر آ رہی تھی۔ ساری رات مٹھی میں دبے ہوئے میٹھے سونف پھانکتی رہی تھی۔

”کیا مصیبت ہے؟“

”تمہیں کیا ہوا ہے؟ صبح سے چڑچڑی ہو رہی ہو۔ بے چارے چڑیاں کوے تک تمہاری بددعاؤں کی زد میں آچکے ہیں۔“

”یار! سوئی میں دھاگا ہی نہیں جا رہا۔“

کلثوم نے سلائی مشین سے سر اٹھا کر اپنی اولاد کو ملامت سے دیکھا تھا۔

”ایک تو نظر پہلے ہی خراب ہے تمہاری اوپر سے چوبیس گھنٹے تم فون کی جان نہیں چھوڑتیں۔“

مہران کی بات پر چڑ کر رہ گئی تھی۔

”پتا نہیں ایک تو اس گھر میں ہر بات گھوم پھر کر میرے موبائل فون استعمال کرنے پر ہی آ کر کیوں رک جاتی ہے۔“

عذرا نے دانت سے دھاگا توڑا اور مسکرائی۔

”تو تم زیادہ مت استعمال کیا کرو۔ ادھر دو میں سوئی میں دھاگا ڈال کر دیتی ہوں۔“

مہر نے دوپٹوں کے ڈھیر سے ایک دوپٹا اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

”ایک تو جب بھی کوئی خوشی کا موقع آتا ہے اماں کے جہیز کا بکسا باہر آ جاتا ہے۔ اب میں اپنی شرٹ کے ساتھ کیا میچ کروں؟“

سڑے سڑے سے لہجے اور روکھے تیور اماں نے کافی خشمگیں نظروں سے ملاحظہ کیے تھے۔ پھر کچھ سوچ کر خود ہی باز آ گئی تھیں کہ مہر سے بحث میں سراسر اپنا ہی نقصان ہونا تھا۔ بلڈ پریشر بڑھنے کے ڈر سے وہ اپنے کام کی طرف ہی متوجہ رہی تھیں۔

عذرا نے اسے تسلی سے نوازا تھا۔

”اتنے سارے آپشن ہیں۔ کوئی کنٹراسٹ بن ہی جائے گا۔“

”زی کا فنکشن ہے۔ اتنے بڑے لوگ ہوں گے۔ ان سے تو کہہ دیا تھا کہ اچھے سے تیار شیار ہو کر آئیں گے مگر اب صورت حال دیکھ کر یہی لگ رہا ہے کہ گولا گنڈا ہی بن کر جائیں گے۔“

کلثوم اماں کو اپنی اولاد پر جی بھر کر تاؤ آیا۔

''تمہیں کیا پتا کتنا قیمتی کام ہوا ہوا ہے ان پہ۔ آج کل ایسا آرگنزا کا کام تمہیں کہیں نظر نہیں آئے گا۔''

''آٹھ سال کی تھی تب سے سن رہی ہوں۔ اس زمانے کی شیفون، اس زمانے کی جارجٹ۔ اس زمانے کا آرگنزا...... جنہیں آج کے دور کے چوہے بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔''

''یہی جوڑے اگر کسی بڑی مارکیٹ میں کسی بڑی دکان میں دھلے دھلائے، استری ہوئے ہینگروں میں لٹکے ہوئے مل جائیں تو تم ہزاروں روپے خرچ کر کے خوش ہوتی پھرو گی۔''

مہر نے اماں کے جلے بھنے انداز پر جیسے پیار سے انہیں دیکھا۔

''بہت چالاک ہیں اماں آپ ایسی باتیں کر کے جیت جاتی ہیں۔''

''ہاں تو مائیں تو ہمیشہ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ بس ذرا کڑوی بات ہوتی ہے ناں اولاد کو مشکل سے ہی ہضم ہوتی ہے۔''

عذرا نے پاس پڑی پانی کی بوتل اٹھا کر غٹا غٹ چڑھالی۔

''آپ فکر نہ کریں اماں، سب ہو جائے گا۔ ایسا کنٹراسٹ بناؤں گی کہ ہر کوئی مہر کی طرف دیکھتا رہ جائے گا۔''

''ہاں...... بالکل...... سب دیکھتے رہ جائیں گے اور میں منہ چھپاتی پھر رہی ہوں گی۔ اوپر سے مجھے اتنا پتا ہے کہ زی بھی ہم دونوں کو اپنے ساتھ اسٹیج پر ہی بٹھا لے گی۔''

''بہت ہو گئیں باتیں۔ جتنا کام رہتا ہے جلدی جلدی ختم کرو۔ پھر تم دونوں کا رونا دھونا نہیں ختم ہو گا۔ میں ذرا ہانڈی دیکھ لوں۔''

وہ دونوں پھر سے سر جوڑ کر دوپٹوں کے ڈھیر میں گم ہو گئی تھیں۔

سلائی مشین کی آواز سرسوں کے پھولوں والے گھر میں گونجتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

کمرے میں زرناب اور جعفری صاحب بیٹھے تھے۔ دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے جب ناک کی آواز پر جعفری صاحب کی اجازت سے قیس اندر داخل ہوا تھا۔

زرناب سامنے ہی گوگلز آنکھوں سے اتار کر ہاتھوں میں لیے بیٹھے ہوئے کافی کمپوزڈ سی نظر آ رہی تھی۔ وہ قیس کو دیکھ کر جیسے ہولے سے مسکرائی۔

"پلیز کم ان۔ ابھی میں جعفری صاحب سے آپ کی ہی بات کر رہی تھی۔"

قیس سامنے پڑے صوفہ پر بیٹھ گیا۔ چہرے پر ایک لاتعلقی سی سجالی گئی تھی جیسے وہاں کسی نے زبردستی بھیج دیا ہو۔ زرناب نے اس انداز کو خاص طور پر جیسے نوٹ کیا تھا۔

"چلیں ٹھیک ہے جعفری صاحب...... آپ اپائنمنٹ لیٹر تیار کروایے، اسی ہفتے قیس جوائن کر لیں گے۔"

جعفری قیس پر گہری نظر ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاندار کمرے کی شیشے والی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر اندر گر رہی تھی۔ قیس کی نظریں انڈور پلانٹ پر تھیں جس کے پتے ہلکے پیلے پڑنا شروع ہو گئے۔ شاید کوئی مرض لگ چکا تھا۔ پودوں کی بیماریاں یونہی ظاہر ہوتی ہیں۔ رنگ بدل لیتے ہیں۔

"ٹھیک ہے میڈم۔ میں ابھی یہ کام کروالیتا ہوں۔ باقی زمان صاحب سے بھی بات ہوگئی تھی۔"

جعفری صاحب اپنی ساری فائلیں سمیٹتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔ اب کمرے میں وہ دونوں اکیلے رہ گئے تھے۔ مریض پودا دونوں کے بیچ در آنے والی خاموشی کو سنتا رہا اور انہیں دیکھتا رہا۔

"چائے یا کافی؟"

زرناب کی آواز پر وہ چونکا۔ پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں۔"

"آج آپ گیسٹ ہیں میرے۔ ورنہ میں اپنی عذرا کو کیا جواب دوں گی؟"

"اس کو تو میں نے بھی جواب دینا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں؟" وہ حیران نظر آنا شروع ہوگئی تھی۔

''ایکچوئیلی مجھے نے مجھے بہت فورس کیا کہ مجھے زمان گروپ آف انڈسٹریز سے ہی اپنے کیریئر کا آغاز کرنا چاہیے۔ ورنہ میں کوئی بھی ریفرنس استعمال کر کے جاب حاصل کرنے کے بالکل حق میں نہیں ہوں۔ مجھے خود پر اور اپنی صلاحیتوں پر اتنا یقین تو ہے۔''

قیس کے جتا جتا کر کہے گئے الفاظ پر وہ کھل کر مسکرائی۔ اور نوٹ پیڈ پر بال پین سے نشان کھینچنے لگی۔

''آئی سی...... میں جانتی ہوں ویسے بھی اس میں کوئی برائی بھی نہیں کمپنیز کو اپنے کام کے لیے ٹیلنٹڈ اور محنتی لوگوں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔''

وہ اب کسی حد تک جیسے ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اتنی دیر میں زرناب انٹرکام پر کافی کا کہہ چکی تھی۔

''بس اس کی ضد تھی اور میں اس کی کوئی بھی بات ٹال نہیں سکتا۔''

قیس کی اس بات پر بطور خاص زرناب نے اسے دیکھا۔

''یہ تو عذرا کی ہماری کمپنی کے لیے فیور ہے کہ اس نے ایک ٹیلنٹڈ انسان دیا۔ اور ہم ایسے لوگوں کی قدر کرنے والوں میں سے ہیں۔''

قیس کھلاڑی گہری مسکراہٹ چہرے پر لے آیا تھا۔ زرد پودے نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔''

دروازہ کھول کر آفس بوائے کافی رکھ کر چلا گیا تھا۔

زرناب نے کافی قیس کے سامنے پیش کی۔

''لیجیے پلیز...... اب میں عذرا جیسی مزے کی ادرک والی چائے تو نہیں بنا سکتی۔ فی الحال آپ کو کافی سے ہی کام چلانا پڑے گا۔''

وہ زرناب کے لفظوں کی چوٹ پہچان گیا تھا۔ یادداشت پر وہ بارش میں بھیگی ہوئی شام زندہ ہو گئی تھی۔

''سوری...... وہ اس دن......''

وہ کافی کے سپ لے کے نوٹ پیڈ اور بال پین چھوڑ کر پیپر ویٹ سے کھیلنا شروع ہو گئی تھی۔

"ارے نہیں، وہ ایک اتفاق تھا۔"

"کچھ اتفاق بھی کتنے خوب صورت ہوتے ہیں ناں، انسان کی یادداشت میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔"

وہ قیس کے الفاظ اور لہجے پر چونکی۔

مریض پودا تشویش سے مزید پیلا پڑنا شروع ہو گیا تھا۔

تب ہی زی کے موبائل کی رنگ ٹون بجنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ ایکسکیوز کرتے ہوئے کھڑکیوں کے پاس جا کر رومان کی کال سننے لگی۔

زرناب کی قیس کی طرف پشت تھی۔ قیس پورے کمرے کا جائزہ لے چکا تھا۔ جہاں کی ہر ہر چیز سے امارت ٹپکتی تھی اور حریص دل کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔

قیس کا دل بھی کھنچا چلا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

کستوری محلے پر اترنے والی وہ سہ پہر کافی خاموش اور بوجھل بوجھل سی تھی۔ آسمان گدلا گدلا سا دکھائی دیتا تھا۔ کبوتر بازلڑکے ٹولیوں کی صورت چھتوں پر موجود تھے اور کبھی کبھار ان کے بلند و بانگ قہقہے کستوری محلے کے سناٹے کو توڑتے تھے۔

ایسے میں دن بھر مہر کے ساتھ سر کھپا کر فرصت ملتے ہی عجی نے چھت پر اپنے نئے پودوں کی کھیپ کی راہ لی تھی۔ جہاں اس نے الائچی کے چھوٹے چھوٹے پودے گملوں میں لگائے تھے۔ ساتھ ہی مٹی کے ڈھیر اکٹھے کر کے ایک کیاری بنا کر تجربے کی غرض سے چھوٹی موٹی املی کی فصل بھی اگائی گئی تھی۔

پودوں کو پانی دے کر اب وہ پرندوں کے لیے رکھی کٹوری کو بھی پانی سے بھرتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ گنگنانے کا شغل بھی جاری تھا۔ جب قیس نے دبے پاؤں چھت پر قدم رکھا تھا۔ قیس کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ڈبا تھا۔

وہ غزل کا ایک ہی مصرعہ بار بار گنگنا رہی تھی۔

وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر، وہ قرض آج چکا دیا......

تب ہی وہ مڑی تھی اور قیس کو دیکھ کر جھینپ سی گئی۔

''چپ کیوں ہو گئیں......؟ اچھا گا رہی تھیں تم۔''

''وہ تو میں......بس ایسے ہی......''

عجی کی نظر مٹھائی کے ڈبے پر پڑی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

قیس نے ایک گلاب جامن اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

''لو منہ میٹھا کرو، میری جاب ہو گئی ہے۔''

عجی نے زمانے بھر کی خوشی اپنے چہرے پر سجالی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی۔ دوسروں کی خوشی پر خود خوشی سے مرمٹتی تھی اور یہاں تو قیس کی بات تھی۔

''سچ میں......؟ دیکھا......میں نہیں کہتی تھی کہ زی مجھے انکار کر ہی نہیں سکتی۔'' اس کے لہجے میں زرناب کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ سامنے کھڑا شخص یہ چیز پڑھ چکا تھا۔

''کہا تو تم نے ٹھیک ہی تھا۔ مگر ایک بات یاد رہے صرف اور صرف تمہارے کہنے پر میں وہاں گیا تھا ورنہ میں کوئی اور جاب آسانی سے ڈھونڈ لیتا۔''

''میں جانتی ہوں۔ آپ بہت سیلف میڈ ہیں، مگر قیس......! انسان کو کہیں نہ کہیں کوئی پلیٹ فارم چاہیے ہوتا ہے۔ آگے بڑھنے کے لیے۔ کامیاب ہونے کے لیے......اگر کوئی ہماری فیور کر دیتا ہے تو اس میں کوئی برائی تو نہیں۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تم، کوئی برائی نہیں ہے۔ میں تو سمجھتا تھا تمہاری دوست بس یہاں کھانے پینے ہی آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔''

وہ قیس کی بات پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے سر پر دوپٹا برابر کر رہی تھی۔ الائچی کے پودے اپنی مالکن کو نثار ہوتی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہے تھے۔ خوشبو تو عجی کے لہجے سے جھڑتی تھی۔ عجی کا دل عطر دان تھا، سچائی اور محبت سے مہکتا رہتا تھا۔

''نہیں......زی ایسی نہیں ہے۔ میں نے آپ کو کہا تھا ناں کہ وہ تھوڑی سی مشکل ہے۔ اتنی

آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔"

سامنے والا کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کبوتروں کی ایک جھپٹ ان کے سروں سے گزر گئی تھی۔

"ہمم...... مشکل تو بہت ہے۔"

"چلیں یہ تو بہت اچھا ہو گیا ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ زی کی انگیجمنٹ میں پہننے کے لیے میں نے آپ کے فیورٹ کلر ایمرلڈ گرین کا ڈریس بنایا ہے۔"

وہ غائب دماغ سا نظر آنے لگا تھا۔ مٹھائی کا ڈبا اس کے ہاتھوں میں ہی تھما دیا۔

"کیا بات ہے؟ اتنا چپ چپ کیوں ہیں آپ؟"

"نہیں...... کچھ نہیں۔ تھوڑا تھک گیا ہوں۔ تم یہ مٹھائی نیچے مہر کے لیے لے جاؤ ورنہ شور مچائے گی۔"

وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔ سیڑھیاں اس کے پیروں کی دھمک سے گونجتی رہی تھیں۔

عجی نے ایک گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھا اور سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

"شکر ہے اللہ کا کہ قیس کی جاب ہو گئی ہے۔ بس اب اس گھر کے کچھ تو مسئلے حل ہو ہی جائیں گے۔ اور پھر میں اور قیس اپنی زندگی شروع کریں گے۔ جہاں صرف اور صرف خوشیاں ہوں گی۔"

وہ ہنستی ہوئی سیڑھیوں سے مہر کو آواز لگاتی ہوئی نیچے اتر گئی تھی۔

کستوری محلے کی شام اب بھی چپ تھی۔ آسمان کی وسعتوں میں اڑتے ہوئے کبوتروں کے جھنڈ اچانک تھکن سے چھتوں پر واپس اترنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

زرناب اور رومان ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔

دونوں کے سامنے کھانا سرو ہو چکا تھا۔ آرکسٹرا کی ہلکی ہلکی دھنیں سارے ماحول میں حسین سماں باندھ رہی تھیں۔

رومان مزے سے اپنے کھانے کو انجوائے کر رہا تھا مگر وہ غائب دماغی سے بس پلیٹ میں چمچہ ہلا رہی تھی۔

”سب ٹھیک ہے ناں؟“ رومان نے چٹکی بجا کر متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سامنے بیٹھے بیٹھے جیسے ڈر سی گئی۔

”یس......یس......آل اوکے۔“

”بے فکر رہو، بل میں ہی پے کروں گا کہیں اسی وجہ سے تم کھانا نہیں کھا رہیں۔“

وہ شرارت سے مسکرایا۔

وہ چڑ سی گئی تھی۔ گھور کر اسے دیکھنے لگی۔

”ڈونٹ بی سلی......میرے کریڈٹ کارڈ میں اتنی رقم ہے کہ میں تمہیں ساری زندگی لنچ کروا سکتی ہوں۔“

رومی کو اچھو لگا۔ وہ پانی پیتے ہوئے ہنستا تھا۔

”مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب میں بابا کے ساتھ تمہارے گھر پارٹی پر آیا تھا۔ تم نے بلیک ساڑھی پہنی ہوئی تھی اور اوپر سے ہائی ہیلز......تم نے میرا پیر کچل دیا تھا۔ اور جب میرا تم سے آرگیومنٹ ہوا تھا تو تم نے کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا کہ جب لڑکیوں نے ساڑھی پہنی ہو تو مردوں کو محتاط رہنا چاہیے کیونکہ ساڑھی سنبھالنا آسان نہیں ہوتا۔“

زرناب اب اسے گھورنا شروع کر چکی تھی۔

”تو تم بھی تب مسلسل مجھے گھور رہے تھے، نظریں ہٹانے کی توفیق نہیں ہوئی تھی تمہیں۔“

”تم پیاری ہی اتنی لگ رہی تھیں۔ ہر کوئی تمہیں ہی دیکھ رہا تھا اور میں جیلس ہو رہا تھا۔“

کانچ کے گلاس میں جوس کا سپ لیتے ہوئے وہ اب کہیں جا کر ہلکا سا مسکرائی تھی۔

”تب ہی تم نے دو تین بار ملاقات کے بعد اپنے پیرنٹس کو ہمارے گھر رشتے کے لیے بھیج دیا۔“

”ہاں تو، تم خوب صورت ہو، ویل ایجوکیٹڈ ہو، کیریئر اورینٹڈ ہو، اور سب سے بڑھ کر تمہاری پرسنالٹی میں ایک چارم ہے۔ ایک مرد کو اپنے لائف پارٹنر میں یہی سب تو چاہیے ہوتا ہے۔“

وہ جیسے سادہ سے انداز میں زرناب کے سامنے خوبیوں کا ڈھیر اکٹھا کرتا جا رہا تھا۔ وہ جوس کے سپ لینا چھوڑ کر اب جیسے قدرے سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''یہ چارم، یہ ویل ایجوکیٹڈ ہونا، کیریئر اورینٹڈ ہونا...... یہ تو تمہارے سرکل کی بہت ساری لڑکیوں میں ہوگا ناں......؟''

رومی نے کندھے اچکا کر کانٹے میں فنگرفش پھنسائی تھی۔

''آف کورس...... میری اپنی کزنز ایسی ہیں۔ جو پاکستان میں ہیں اور پاکستان سے باہر بھی۔ یہاں تک کہ ماما تو یہی چاہتی تھیں کہ میرا رشتہ کہیں اپنی فیملی میں ہی ہو۔''

''تو پھر......؟''

''تو پھر کیا...... میں نے اور بابا نے انہیں منالیا۔ اور جب انہوں نے تمہیں دیکھا تو سمجھو وہ بھی کنونس ہوگئیں۔ تمہاری کلاس اور ہماری کلاس سیم ہے۔''

''اگر میرے پاس یہ کلاس نہ ہوتی؟ یہ اسٹیٹس نہ ہوتا؟ تو کیا تب بھی تم مجھے پروپوز کرتے؟ اپنی زندگی میں شامل کرتے؟''

وہ اب جیسے ساری سچویشن سمجھا تھا۔ اس نے کانٹے کو پلیٹ میں پٹخ دیا۔

''زری...... کیسی باتیں شروع کردی ہیں تم نے۔ مثال کے طور پر یہ سب نہ ہوتا تو ہمارا ایک دوسرے سے ملنے کا امکان ہی صفر ہوتا۔ اب یہی دیکھ لو۔ انکل زمان اور بابا کی دوستی ہمیں ملانے کی وجہ بن گئی۔ اور اب ہم جلد ہی ایک رشتے میں جڑنے والے ہیں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے کسی رشتے میں محبت ضروری نہیں ہوتی؟''

''ضرور ہوتی ہوگی۔ مگر یہ تو تب ہی ہوگا ناں کہ جب دو انسان ایک رشتے میں جڑیں گے۔ آپس میں انڈرسٹینڈنگ ہوگی تب ہی......''

''تو پھر کوئی بھی رشتہ انڈرسٹینڈنگ کے بعد ہی بنانا چاہیے ناں...... ایسے تجربہ کرنا کیا ٹھیک ہوگا؟''

''پتا نہیں تم کیا سوچتی رہتی ہو یار...... جسٹ لیو اٹ...... ہمیں اپنے لمحوں کو انجوائے کرنا چاہیے۔ پتا نہیں تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ ساری دنیا پریکٹیکل ہوکر سوچ رہی ہے اور ایک تم ہو جو اپنی ایک فینٹسی سے باہر نہیں آرہیں۔'' وہ سر جھٹک کر اب پھر سے کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

ایک دم سے آرکسٹرا بند ہوا تھا تو خاموشی اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی آوازاونچی ہونے لگی تھی۔

وہ چند ثانیے کے لیے مزے سے جھینگے کھاتے ہوئے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھتی رہی تھی اور پھر باہر کی طرف نظریں پھیر لی تھیں۔ مگر دل کے اندر کہیں کچھ کھٹک گیا تھا۔ چبھ سا گیا تھا۔ دھیرے سے......آہستہ سے......!

☆......☆......☆

شیشے میں خود کو دیکھتی ہوئی عذرا عرف عجی صاحبہ ایمرلڈ گرین چوڑی پاجامے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ پیروں میں کھسہ پہنا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ گول چاندی کے جھمکے کانوں میں سجے ہوئے تھے۔

لمبا سا دوپٹا بمشکل سنبھالے وہ ہنستی ہوئی قیس کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ وہ بھی کرتے پاجامے میں ملبوس شیشے کے سامنے کھڑا ہوا اپنے بال سیٹ کر رہا تھا۔ عجی دروازے میں ہی ٹھہر گئی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی تھی۔

''نظر لگاؤ گی کیا؟'' قیس نے وہیں کھڑے کھڑے جیسے اس کی آمد کا پتا لگا لیا تھا۔

خوشبوؤں میں مہکی ہوئی کستوری محلے کی نار آگے کی طرف بڑھی تھی۔

''میں تو آپ کی نظر اتارنے آئی ہوں۔''

خود پسند لڑکا جیسے مسکرایا۔

''ہینڈسم لڑکوں کی لڑکیاں نظر کم اتارتی ہیں، نظروں میں زیادہ رکھ لیتی ہیں۔''

''میں نے تو آپ کو نظر میں نہیں رکھا۔''

وہ چوڑیوں سے کھیل رہی تھی۔

قیس نے غور سے اسے دیکھا۔

''تو پھر......؟''

"آپ بہت قیمتی ہیں میرے لیے۔ اس لیے میں نے آپ کو سنبھال کر اپنے دل میں رکھ لیا ہے۔"
وہ جیسے چڑ سا گیا تھا۔ عذرا کی محبت کبھی کبھی اسے پہاڑ لگنے لگتی تھی۔ وہ گھٹن کا شکار ہونے لگتا تھا۔
"لگتا ہے خواتین ڈائجسٹ پڑھ پڑھ کر تم کافی شاعرانہ باتیں کرنے لگی ہو۔"
وہ پہلے ناراض ہوئی تھی پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پوچھنے لگی۔
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا دیکھیں تو...... میں کیسی لگ رہی ہوں؟"
چہرے پر شوق سجا لیا تھا سامنے والی نے آنکھوں میں جواب کے انتظار کا رنگ تھا۔ آنکھیں تھیں کہ جگنوؤں سے بھری جاتی تھیں۔
خود پسند نے کندھے ہولے سے اچکا دیے تھے اور بس......
ہاں بس......!
"ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔"
وہ بجھ گئی۔ وہ ماند پڑ گئی۔ ایک نظر کانچ کی چوڑیوں پر ڈالی۔ دوسری کھسے پر۔ تیسری شیشے میں......
"بس ٹھیک...... مہر اور ماں تو......"
قیس رسٹ واچ پہنتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔
وہ وہیں اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔
باہر سے مسلسل آوازیں لگا رہا تھا۔
"جلدی آجاؤ باہر۔ یہ تو میں چچی کے اصرار پر تم دونوں کو لے کر جا رہا ہوں، ورنہ میں اپنا یہ فیور واپس بھی لے سکتا ہوں۔"
"قیس کو تو تعریف کرنا ہی نہیں آتا۔ بھلا اسے کیا پتا لڑکیوں کی تعریف کیسے کرتے ہیں۔ میں بھی کیا کیا امیدیں رکھ لیتی ہوں۔ جب اچھی طرح اس کی نیچر سے واقف ہوں۔"
خود کو ہی حرفِ تسلی سے نواز کر عذرا نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے اور چہرے کو مسکراہٹ سے سجانا بالکل بھی نہیں بھولی تھی۔

قیس صحن میں اپنی ہیوی بائیک نکال چکا تھا۔ اماں کلثوم نے پلٹ کر عجی کو دیکھا تھا اور انہیں ٹوٹ کر اس پر پیار آیا تھا۔ وہ اسے پیار کرنے لگی تھیں۔

مہر کو ایسے منظر کم ہی برداشت ہوتے تھے تب ہی وہ لپک کر دونوں کی طرف آئی تھی۔

''اٹس ناٹ فیئر......ان دونوں کو دیکھ کر بار بار بلائیں لی جا رہی ہیں اور مہر تو سوتیلی ہے ناں......''

''پگلی......وہ تو نظر پڑ گئی دونوں پر......تو سوچنے لگی کہ دونوں کی جوڑی کتنی اچھی لگے گی۔''

مہر نے غور سے اپنی عقابی نظریں گھما کر قیس کو دیکھا تھا جس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ سے تھے۔ دوسری نظر عذرا پر ڈالی تھی جہاں محبت ہی محبت تھی۔ مہر نے وہیں کھڑے کھڑے اماں سے پوچھ لیا۔

''اماں......آپ نے قیس سے بات کر لی ہے کیا؟''

''بھلا اسے کیا اعتراض ہوگا۔ سامنے کی بات ہے۔'' وہ ہنسی ہنسی میں بات اڑا گئی تھیں۔

مہر کے ہاتھ لمبے تھے اس نے اڑتی ہوئی بات کو پکڑ لیا تھا۔

''تب ہی کہہ رہی ہوں اماں، سامنے کی بات ہے۔''

''کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟''

کلثوم جیسے چونک گئی تھیں۔ مہر کے گہرے لہجے کی بات میں کوئی ڈنک ضرور تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کسی بحث میں پڑتی، عجی اسے کھینچ کر بائیک کی طرف لے آئی تھی۔

''واپس آ کر بات کروں گی۔''

اماں نے کھڑے کھڑے سر اور بات دونوں جھٹک دیے تھے۔

''مہر بھی ناں......وسوسوں میں ڈال دیتی ہے۔''

عذرا کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔

''پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔ زی سخت ناراض ہو رہی ہو گی۔''

وہ دونوں قیس کے پیچھے سنبھل کر بیٹھ گئی تھیں۔

کلثوم دروازے میں کھڑی کچھ پڑھتی اور پھونکتی رہی تھیں۔ کستوری محلے میں شام کی روشنیاں

جلنا شروع ہو گئی تھیں۔

سرسوں کے پھول کھڑے کھڑے سو گئے تھے۔ کبھی کبھی چھت سے الائچی کے پودوں کی مہکار نیچے ضرور اترتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ شیشے میں اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ جیولری میچ کرتے ہوئے جھنجلا بھی رہی تھی۔

زرناب نے خاص بلیک ساڑھی پہنی ہوئی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس میں کمفرٹیبل نہیں ہے۔

لینز لگاتے ہوئے جانے کیوں ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اس نے اپنے موبائل کی رنگ ٹون سنی تھی اور پلٹ کر دیکھا تھا۔

موبائل اسکرین پر رومان کا نام بلنک کر رہا تھا۔

''سناؤ......ریڈی ہو گئیں تم......؟''

دوسری طرف تھری پیس سوٹ میں وہ خود کو مرر میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے اسپرے کیے گئے لوکون کی مہک سے اس کا کمرا ابھی مہکنے لگا تھا۔

''کوشش کر رہی ہوں۔''

''تم سے کہا بھی تھا کہ پارلر سے تیار ہو جانا۔''

''مجھے کسی اور کا میک اپ پسند ہی نہیں آتا۔''

''تو اب کیا ایشو ہے؟''

''ساڑھی......''

''کیوں......؟''

وہ اسے فون کال پر کافی جھنجلائی ہوئی اور بےزار محسوس ہوئی تھی۔

''تمہارے کہنے پر پہن تو لی ہے مگر بالکل بھی کمفرٹیبل فیل نہیں ہو رہا۔ اسے کیری کرنا اتنا مشکل ہے اوپر سے جیولری میچ کرنا بھی الگ ایشو ہے۔''

وہ دوسری طرف ہنسا تھا۔

وہ زرناب کی ایسی سچوئشنز کو خوب انجوائے کیا کرتا تھا۔

''اپنے ہونے والے ہزبینڈ کے لیے تم اتنا نہیں کر سکتیں؟''

''پہن تو لی ہے۔اور کیا کروں؟''

''چلو کوئی نہیں یار...... میرا دل کر رہا تھا کہ تمہیں ساڑھی میں دیکھوں۔ پہلے کبھی تم پہنتی نہیں ہو ناں...... کچھ ڈفرنٹ لگے گا۔''

''تمہارے ڈفرنٹ لگنے کے چکر میں، اگر میں ڈس بیلنس ہو گئی ناں تو پھر دیکھنا۔تمہیں معافی نہیں ملے گی۔'' زرناب نے پیشگی اسے وارن کرنا مناسب سمجھا تھا۔

''ارے بابا...... میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ ڈونٹ وری۔ چلو ملتے ہیں پھر۔آئی ایم گیٹنگ لیٹ......''

وہ بڑبڑا رہی تھی۔ بریسلٹ کا ہک بند کرنا بھی عذاب ہو گیا تھا۔

''اپنے لیٹ ہونے کی فکر پڑی ہوئی ہے بس۔''

اب اس نے مسکارا اٹھا کر کوٹ لگانا شروع کیا تھا۔اور کچھ دیر بعد ہلکی ہلکی پفنگ شروع کر دی تھی۔

نیچے گھر کے لاؤنج میں بے جی اپنی عدالت لگا کر بیٹھی تھیں۔ بے جی کافی سنجیدہ لگ رہی تھیں۔ سامنے ہی زینت اور زمان تیار ہوئے بیٹھے تھے۔دونوں خاموش لگ رہے تھے مگر چہرے کی اکتاہٹ برقرار تھی۔ زمان بار بار رسٹ واچ دیکھ رہے تھے۔

زینت موبائل سے سر اٹھا کر ہاں ہوں میں کبھی جواب دے دیتی تھیں۔

بے جی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں مٹی کے مادھوؤں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ بے شک تم دونوں کے آپس میں بہت سارے اختلافات ہوں گے، مگر میں نہیں چاہتی کہ آج بچی کے اس اہم دن کے موقع پر کوئی بدمزگی پیدا ہو۔''

''یہ بات آپ کو اپنے بیٹے سے کہنی چاہیے بے جی۔''

زینت کی بات پر زمان اکھڑ گیا۔

"سارا قصور میرا ہوتا ہے ناں۔ میں اس گھر کے لیے کچھ نہیں کرتا۔"

"آپ نے جب بھی کیا ہے صرف اپنے لیے ہی کیا ہے۔"

"تم دونوں پھر سے شروع ہو گئے ہو۔ زرناب کو تم دونوں سے بہت ساری شکایتیں ہیں۔ تم دونوں نے تو کبھی بچی کی باتوں پر توجہ نہیں دی مگر اب تک میں ہی تم دونوں کا بھرم رکھتی آئی ہوں۔ اس کے سسرال کا معاملہ ہے۔ ایسے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بے جی، میں تو خود کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ ویسے بھی میرے پاس آج کے دن کرنے کو بہت سارے کام ہیں۔" زینت یہ کہہ کر اٹھ گئی تھیں۔

زمان سر جھٹک کر موبائل کی طرف متوجہ ہوا جہاں نیلم کا نام جگمگا رہا تھا۔ چور نظروں سے دور جاتی زینت کو دیکھ کر بے جی سے مخاطب ہوا تھا۔

"یہ زی ابھی تک تیار نہیں ہوئی کیا؟ ہم لیٹ ہو جائیں گے۔ فراز کی بار بار کالز آ رہی ہیں۔"

"کب سے لگی ہوئی تھی تیاری میں۔ میں اسے دیکھ کر آتی ہوں۔"

بے جی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ زمان نے فون کان سے لگایا تھا۔

"سویٹ ہارٹ...... تمہیں بتایا تو تھا کہ آج زی کی انگیجمنٹ ہے۔ تمہیں کیسے انوائیٹ کر سکتا تھا یار۔ تم ابھی زینت سے واقف نہیں ہو۔"

دوسری طرف نیلم کانچ جیسی ہنسی کے ساتھ زمان کے کئی ٹکڑے کرنے کو تیار نظر آتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک شاندار سیٹ اپ لگا ہوا تھا۔

سوئمنگ پول کے کنارے بہت ساری ٹیبلز سجائی گئی تھیں۔ نیلے پانیوں میں روشنیوں کا عکس آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا تھا۔

ہر طرف چہل پہل اور رونق تھی۔ رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا۔ جس میں کچھ بناوٹی قہقہوں کی بھی

بہتات تھی۔ زرناب ساڑھی سنبھالتی ہوئی اسٹیج پر گیسٹس سے مل رہی تھی۔ زمان اور زینت بھی چہرے پر مسکراہٹ سجائے مہمانوں کو ویلکم کر رہے تھے۔

رومان کچھ فاصلے پر اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا اور تقریباً سارے مہمانوں کی نظریں بار بار پلٹ کر زرناب اور رومان کی طرف ہی اٹھتی تھیں۔

مہر اور عذرا قیس کے ساتھ جب وہاں پہنچی تھیں تو سامنے کے منظر نے ایک پل کے لیے ان تینوں کو مختلف انداز میں متاثر کیا تھا۔

قیس کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ خاص سیاہ ساڑھی میں ملبوس زی نے دور سے اس کی توجہ کھینچی تھی۔ وہ نظریں ہٹانے سے انکاری ہوا تھا۔ عذرا عرف عجی جیسے کہیں پس منظر میں چلی گئی۔

وہ بڑے لوگوں کی محفل تھی۔ وہ زرناب کا فنکشن تھا۔

وہ عذرا تھی۔ کستوری محلے کی عجی......!

زرناب دور سے دونوں کو دیر سے آنے پر گھور رہی تھی۔

”اٹس ناٹ فیئر......تم دونوں اتنا لیٹ آئی ہو۔“

”ریئلی سوری......بس وہ تھوڑا تیار ہونے میں دیر ہوگئی۔“

زی نے تھوڑا پیچھے ہو کر اب کہیں غور سے عذرا کو دیکھا تھا۔

”عذرا! یہ تم ہو؟ انار کلی لگ رہی ہو تم تو......اب دیکھنا، مجھے چھوڑ کر سب تمہیں ہی دیکھیں گے۔“

مہر کو اپنی تیاری جیسے مدھم پڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

”یہ کیا زی......اماں بھی عذرا آپی کے صدقے واری جا رہی تھیں اور اب آپ بھی......“

”ارے بھئی، تم تو مہر ہو، تم سے بڑھ کر کوئی حسین ہو سکتا ہے بھلا۔“

”تم ساڑھی کو اچھا کیری کر رہی ہو، تم ایسے ہی ڈسٹرب تھیں۔“

”یہ تو مجھے پتا ہے ناں، اسے کیری کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ پتا نہیں یہ ہزبینڈ نامی مخلوق نے سارے تجربے اپنی بیویوں پر ہی کرنے ہوتے ہیں۔“

"بیویاں بھی تو گن گن کر بدلے لیتی ہیں۔"

وہ تینوں ہنس رہی تھیں۔ آس پاس کھڑے لوگ اپنی باتوں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ ایسے میں کہیں دوستوں میں قہقہہ لگاتے رومان کی اچانک نظر اٹھی تھی۔

وہ وہی تھی۔ چھوٹے محلے کی چھوٹی سوچ والی لڑکی جو سرسوں کے پھولوں والے گھر میں رہتی تھی۔ وہ گھر جہاں چوہوں کے ریوڑ کھلے عام پھرا کرتے تھے۔ وہ گھر جہاں بجلی کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں تھا۔ وہ میز جہاں چائے اور پکوڑے سرو کیے جاتے تھے۔

وہ اپنا لمبا دوپٹا سنبھالنے میں ہلکان نظر آ رہی تھی۔

رومان کی نظروں کی تپش نے عذرا کو جا لیا تھا۔

عذرا نے ابھی اس ترش قسم کے جوس کا سپ ہی لیا تھا کہ وہ اچانک ہی سامنے آ گیا تھا۔

"ایکسکیوز می......!"

"جی......!"

وہ اسے خود سے مخاطب ہوتا دیکھ کر تھوڑا بہت تو ضرور حیران ہوئی تھی۔ وہ بھی چہرے پر ہلکی پھلکی مسکراہٹ لیے ہی آیا تھا۔

"آپ تو ایسے اگنور کر رہی ہیں جیسے مجھے جانتی ہی نہیں ہیں۔"

عجی نے سکون سے بدمزا جوس پاس سے گزرتے ہوئے بیرے کی ٹرے میں رکھا تھا اور سکون سے رومان کی طرف متوجہ ہوئی تھی تا کہ اس کی طبیعت اچھے سے صاف کر سکے۔

"تو کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟"

"بالکل......زی کے حوالے سے تو ہم ایک دوسرے سے واقف ہیں ناں......"

"یہی بات ہے۔ ایک دوسرے سے واقف ہونے میں اور ایک دوسرے کو جاننے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ شاید آپ کی لغت کافی کمزور ہے۔"

وہ چونک گیا تھا۔

''لغت......؟ میں سمجھا نہیں۔''

''ڈکشنری کی بات کر رہی ہوں۔''

''اٹس ناٹ فیئر......''

عجی نے جیسے بڑے لوگوں کی طرح گردن اکڑا کر کہہ ہی دیا تھا۔

''ایوری تھنگ از فیئر ان لو اینڈ وار......''

''تو پھر میں اسے کیا سمجھوں......لو یا وار......؟''

لمحوں میں عجی کو احساس ہوا۔

''جنگ ہے، آغاز آپ نے ہی کیا تھا۔''

مہر نے تب ہی وہاں قدم رکھا تھا۔ وہ بھی قدرے جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کا لمبا دوپٹا بھی پیروں میں پڑ رہا تھا۔

''اس تنبو کی وجہ سے کتنی چیزوں سے ٹکرا چکی ہوں، میری توبہ جو آئندہ ایسا کچھ پہنوں......''

''تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کام نہیں آتی مہر......''

''اب چلیں......زی بلا رہی ہے۔''

وہ دونوں آگے بڑھ گئی تھیں۔ مہر نے پلٹ کر دیکھا اور پوچھ لیا۔

''کیا کہہ رہے تھے رومان بھائی؟''

''چھوڑو کیا کہنا تھا بلا اس سڑیل اور موڈی نے......''

اڑتا ہوا جملہ رومان تک پہنچا تھا جو اس کی سماعتوں نے کیچ کر لیا تھا۔

وہ تالاب میں اترتی روشنیوں کے عکس میں عذرا کو دیکھ کر مسکرایا،

''آہاں ں ں ں......سڑیل......اور موڈی بھی......''

کچھ دیر بعد اسٹیج پر شور مچ گیا تھا اور اس بھگدڑ میں عجی کا پاؤں کسی کی ہیل کی زد میں آ کر کچلا گیا تھا۔

ہیرے کی جگمگاتی ہوئی انگوٹھیوں نے قیس کے دل کو مٹھی میں جکڑا تھا۔

مہر سب کی دیکھا دیکھی بس تالیاں پیٹتی رہی تھی، وہ عجی کو بھی بھول گئی تھی۔

اسٹیج کی اونچائی پر بیٹھے ہوئے رومان کی نظریں کہیں پیچھے کی طرف اٹھی تھیں۔

پاؤں کے انگوٹھے کو اپنے لمبے تنبو جیسے دوپٹے سے صاف کرتی ہوئی عذرا......!

روشنیوں کی چکاچوند میں کہیں اپنے درد میں گم عذرا......!

پام کے درختوں کی اونچائی کے سامنے چھوٹی پڑتی ہوئی عجی......!

تکلیف سے آنسو پیچھے دھکیلتی ہوئی عجی......!

سب کی نظروں سے اوجھل رہنے والی وہ لڑکی بہت غیر محسوس طریقے سے لائم لائٹ میں آئی تھی۔

تقریب جاری رہی تھی۔

قیس اور مہر ادھر ادھر گھوم گھام کر کھانے پینے کی ہر چیز ٹرائی کر چکے تھے۔

''ارے وہ دیکھیں۔ یہ سیلڈ کی کون سی قسم ہے بھلا۔''

''پرانز کھاؤ گی کیا؟''

''ناں ناں...... ابھی الٹی آجائے گی۔''

زرناب مسکراتی ہوئی دونوں کی طرف آئی تھی۔ چمکتی ہوئی ساحرات کا سارا جادو زرناب زمان کی شخصیت میں اتر آیا تھا۔

''عذرا کہاں ہے؟ کب سے نظر نہیں آرہی ہے۔''

زی کے سوال پر پہلی بار مہر کو جیسے دھچکا لگا تھا۔ وہ چاروں طرف وحشت سے نظریں گھما رہی تھی۔ اماں کلثوم کی عذرا کہیں کھوگئی تھی۔

وہ ڈھونڈنے کے لیے آگے بڑھی۔

قیس نے پیچھے مسکراتے ہوئے کافی ستائشی انداز میں زرناب کو سراہا۔

''آج آپ بہت حسین لگ رہی ہیں زی......''

مہر کو چابک کی طرح لگا تھا وہ جملہ...... وہ خاص انداز...... وہ لہجہ......!

روشنیاں جیسے ایک ایک کر کے اندھیرے کھوہ میں جا گری تھیں۔

☆......☆......☆

واپسی کے سفر میں وہ تینوں بہت چپ چپ تھے۔ جیسے تینوں کی اپنی اپنی سوچیں تھیں۔
کستوری محلے کے نکڑ کر وہ پہنچے ہی تھے کہ وہاں رات کے اس پہر محلے کے مکینوں کا رش نظر آ گیا تھا۔ کسی انہونی کا احساس دل کو جکڑنے لگا تھا۔

ایک ایمبولنس کھڑی تھی اور سب لوگ آس پاس جمع تھے۔

قیس نے اپنی ہیوی بائیک وہیں روکی۔

”کیا ہوا، سب خیریت ہے ناں؟“

”اطلس کی اماں کی حالت خطرے میں ہے۔“

کسی نے دور سے جواب دیا تھا اور مہر جیسے چونک گئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے آئی۔

اسٹریچر گھسیٹ کر ایمبولنس میں اپنی ماں کے چہرے کو خوف سے تھپتھپاتا ہوا وہ ہی تھا......

اطلس......!

ریشم و کمخواب جیسا شخص!

اطلس کی پریشان نظریں سامنے کھڑی ہوئی مہر کی طرف اٹھیں۔ سب لوگ آنکھوں کے آگے دھندلے پڑ گئے تھے۔

ایمبولنس دور جا رہی تھی۔ وہ وہیں سے زور سے چلایا تھا۔

”مہر جی......!“

اطلس کی آواز پر کئی چہروں نے گھوم کر مہر کو دیکھا تھا۔

عجی نے بھی......

قیس نے بھی......

دیواروں نے بھی......

”ٹنکو اور مینا کا خیال رکھیے گا۔“

جملہ پورا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹی تھی اور بیری والے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ سامنے ہی زرد بلب کی روشنی میں ٹنکو اور مینا ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ جیسے کوئی لاوارث، جیسے کوئی یتیم......!

مہر کا دل ٹوٹے ٹوٹے ہو گیا تھا۔ وہ لپکی تھی۔

"میں آگئی ہوں۔ دیکھوناں...... مہر آگئی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہ بھیا...... وہ اماں......"

ٹنکو اس رات بیری کے درخت کی بلاؤں سے ڈر گیا تھا۔ مینا مہر سے لگی کانپ رہی تھی۔ قیس اور عذرا دروازے میں آکھڑے ہوئے تھے۔

"گھر چلو مہر...... رات ہوگئی ہے۔"

مہر نے ٹنکو اور مینا کی انگلیاں تھام لیں۔

قیس نے سوال اٹھایا۔

"یہ لوگ؟"

"ہمارے ساتھ جائیں گے۔"

"کون ہیں یہ......؟ تم کیسے جانتی ہو؟ اور وہ بدمعاش لڑکا......"

مہر نے زخمی نظروں سے عذرا کو دیکھا۔

وہ نظریں چرا گئی تھی۔

"میرے لیے غیر نہیں ہیں یہ......"

کچھ دیر بعد وہ مینا کے ساتھ مل کر اس گھر کو تالے لگا رہی تھی۔ چابیاں مٹھی میں محفوظ کر لی تھیں۔

وہ ذمہ داری سونپ کر گیا تھا۔ وہ ذمہ داریاں نبھانے والوں میں سے تھی۔

قیس ہیوی بائیک پر نکل گیا تھا۔ کستوری محلے کی رات نے مہر کو ٹنکو اور مینا کی انگلیاں تھامے اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

عذرا اب بھی گپ چپ تھی۔ سامنے ہی کلثوم اماں کھڑی تھیں۔

"کن کو اٹھا لائی ہو...... بلی کتے کے بچے نہیں ہیں، انسانوں کے بچے ہیں۔ جن کے ہیں، وہیں چھوڑ کر آؤ ابھی کے ابھی......"

قیس پلر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ جیسے وہ کلثوم کے کانوں میں زہر الٹ چکا تھا۔

سرسوں کی کیاریوں میں پھول مر گئے۔ مہر اپنی دونوں ذمہ داریوں کے ساتھ زندہ رہی۔
کچھ ہی دیر میں مہر نے اپنے ہاتھوں کی گرفت سے مینا اور ٹنکو کے ہاتھ نکلتے ہوئے محسوس کیے تھے۔
کلثوم کے لہجے نے انہیں ڈرا دیا تھا۔
مینا ٹنکو کا ہاتھ پکڑے واپس لوٹ رہی تھی۔ عذرا نے تڑپ کر مہر کو دیکھا۔ مہر کلثوم کے مقابل آ گئی تھی۔

"ماں موت کے پھٹے پر ہو تو بچے رل جاتے ہیں اماں...... اتنی ظالم تو آپ کبھی نہ تھیں۔"
وہ الٹے پاؤں محلے کی تاریک گلیوں میں گم ہو جانے والے مینا اور ٹنکو کو ڈھونڈنے کے لیے گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی۔

ہائے ہائے مینا...... وائے وائے ٹنکو......!

❀ ❀

قسط نمبر 4

سرسوں والے گھر کی منڈیروں پر اتری ہوئی رات کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ اماں کلثوم جلے پیر کی بلی کی طرح پورے صحن میں چکر کاٹ رہی تھی۔ عذرا نے پانچویں بار بھی یہ ساری پریڈ صبر سے دیکھی مگر جب پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو وہ بھی پھٹ پڑی تھی۔

''وہ کتے بلوں کے بچے نہیں تھے اماں۔ انسان کے بچے تھے اور پھر آپ جیسی ہی کسی ماں کے بچے تھے۔''

''تم نے اپنی بہن کے تیور نہیں دیکھے تھے۔ تم بھی مجھے چار سنانے میں لگ گئی ہو۔ اور وہ قیس خود بتا رہا تھا کہ گلی کا غنڈہ بدمعاش ہے وہ لڑکا جس کے دونوں بہن بھائیوں کو لے کر تمہاری لاڈلی دہلیز پر لے آئی تھی۔''

اماں ہانپ رہی تھیں۔ فکر اور پریشانی کے ساتھ ساتھ غصے کے غلبے نے بھی ان پر اٹیک کر دیا تھا۔ گھڑونچی پر رکھے گھڑے سے غٹاغٹ پانی کے تین گلاس چڑھا گئی تھیں۔

مدقوق سی روشنی میں آنکھیں پھوڑتی ہوئی عجی سب کچھ پرے پھینک کر اماں کی طرف آ گئی تھی۔

''آپ نے اس غنڈے بدمعاش پر اعتبار تھوڑی کرنا تھا؟ آپ نے تو اپنی لاڈلی کا بھرم رکھنا تھا۔ وہ مہر ہے اماں، ایسے کیسے کسی کو اٹھا کر لے آئے گی۔''

''تم بھولی بنو ہو عذرا۔ ماں نے بھی چار گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی باتوں کا سامنا کرنا ہے ناں۔ کیا منہ دکھاؤں گی لوگوں کو۔'' کلثوم نڈھال سی تھیں۔ دل پر دھمو کا پڑا تو جا کر دروازے میں کھڑی ہو گئیں۔

کستوری محلے کی تنگ و تاریک گلیوں میں دور دور تک اندھیرا تھا اور کبھی کبھی کچھ خارش زدہ کتوں کی آواز سناٹے کو توڑتی تھی۔ عذرا پیچھے سے آئی تھی اور اماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''اماں! کستوری محلے کے چار لوگوں کو منہ دکھانے کے ڈر سے کہیں زیادہ آپ کو اللہ کا ڈر ہونا چاہیے۔''

عجی کے لہجے کی سنسنی اور سنجیدگی جیسے کلثوم کی ریڑھ کی ہڈیوں میں گھس گئی تھی۔

''وہ اپنے بندوں کے ساتھ کیے گئے سلوک کا بھی سوال جواب کرے گا۔ مہر تو فٹ سے پاس ہو جائے گی۔ تب آپ کیا کریں گی؟''

وہ ذرا دھیرے سے پلٹی تھیں۔ لوہے کے گیٹ کے ساتھ کھڑی عذرا نے انہیں جیسے چھوٹی سی عدالت میں مدعو کر لیا تھا۔

''مائیں ہسپتال میں داخل ہوں تو بچے ڈر جاتے ہیں۔ اور چھوٹے بچوں کے تو دل بھی چھوٹے سے ہوتے ہیں۔ مہر دلوں کی حفاظت پر مامور ہے۔ اس کو روکیں مت۔'' اماں کلثوم کو چپ کے حوالے کر کے عجی واپس مڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

رات کی اندھی تاریکی میں سمجھو تو بجولاں چلتی ہوئی مہر کو مینا اور ٹنکو کہیں مشقت کے بعد ملے تھے۔

وہ دوڑ کر انہیں گلے ملی تھی۔ بار بار ہاتھ پیر دیکھتی رہی کہ کہیں کوئی نقصان کہیں کوئی زخم تو نہیں۔

ٹنکو اسے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا اور مینا کا منہ چڑانے لگا تھا۔

''دیکھا۔ میں نے کہا تھا ناں کہ مہر جی ہمیں ڈھونڈ لیں گی۔''

مینا خاموش تھی۔ مہر کو وہ خاموشی بڑے سلیقے سے چبھی تھی۔ وہ مینا کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور ٹھوڑی اٹھا کر خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔

''میں ہوں نا۔ اعتبار رکھو مجھ پر۔ کچھ نہیں ہونے دوں گی تم لوگوں کو۔''

''وہ آپ کی اماں۔'' مینا کو جیسے کلثوم کے الفاظ یاد آئے۔

''اماں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے ڈر کا شکار ہو جاتی ہیں۔ فکر مت

کرو۔ ابھی دیکھنا گھر کے دروازے میں کھڑی ہوں گی۔ میرا ماتھا چومیں گی۔ تمہارے سر پر ہاتھ رکھیں گی۔''

وہ تینوں کستوری کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے جارہے تھے۔ وہی تکون سی بن گئی تھی۔ درمیان میں مہر اور دائیں بائیں وہ دونوں۔

غور سے ان کی باتیں سنتے ہوئے ٹنکو کو جیسے صدمہ پہنچا تھا۔

''میں بھی تو ہوں ناں۔ کیا میں ان کو اچھا نہیں لگوں گا۔ وہ مجھے پیار نہیں کریں گی؟''

مہر دلفریب انداز میں مسکرائی اور گھروں کی منڈیروں پر اتری ہوئی رات غشی کے دوروں سے باہر آئی تھی۔

مہر نے ٹنکو کو ایک چپت لگائی تھی۔

''وہ تمہارے لیے روٹی پکائیں گی۔ نجی باجی سے تم دوستی کرلینا۔''

باتیں کرتے تھوڑے بہت ہنستے ہوئے وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔ سامنے ہی لٹی پٹی سی کیفیت میں کلثوم کھڑی تھیں۔ مہر نے صحن میں نظر گھمائی، اوپر والی چھت والے کمرے سے ریڈیو کی آواز آرہی تھی۔ عالمگیر کے گانے سنے جارہے تھے۔

''سنا تھا جوان بیٹیاں گھر سے باہر ہوں تو گھر کے مرد اور مائیں ڈھونڈنے کے لیے ننگے پاؤں نکل جاتے ہیں، مگر یہاں تو۔''

مہر کے الفاظ کٹاری تھے۔ وہ خود دو دھاری تلوار تھی۔

نجی بھاگ کر ان کی طرف آئی۔ ٹنکو اور مینا تماش بین کے عہدے پر چپکے سے فائز ہوگئے تھے۔

''اماں! آپ تو فکر سے آدھی ہو کر گیٹ پر کھڑی ہیں۔ اور گھر کا مرد عالمگیر کے گانے سن رہا ہے۔ کتنی ناانصافی کی بات ہے ناں۔''

کلثوم نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ بار بار دیکھا۔ ہولے سے چلتی ہوئی آئیں اور مہر کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے مینا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔ اللہ تمہاری عزت کی حفاظت کرے۔ اللہ تمہاری اماں کو شفا دے۔''

مینا دھیرے سے بس مسکرا دی تھی۔ ٹنکو فٹافٹ سامنے آیا۔

''بھوک لگی ہے کیا؟ روٹی بنا دوں تمہارے لیے؟''

ٹنکو نے خاموشی سے مہر کو دیکھا تھا۔ اور اماں کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''مہر جی نے کہا تھا کہ آپ پہلے ان کا ماتھا چومیں گی۔ آپ بھول گئیں کیا؟''

کلثوم کے دل کو دھکا، مکے سب لگے تھے۔ مہر کی آنکھوں کے پیمانے چھلک گئے۔ اماں نے دھیرے سے مہر کا ماتھا چوم لیا۔ عجی دونوں کو لے کر اندر گھس گئی تھی۔ مہر نے اماں کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''برے دکھائی دینے والے لوگ ہمیشہ برے نہیں ہوتے اماں۔ میری آنکھوں نے مجھے جو دکھایا ہے۔ میں نے صرف اسی سچ کا اعتبار کیا ہے۔ وہ غنڈہ ہے۔ وہ بدمعاش ہے۔ شاید ہوتا ہوگا یہ سب کچھ، مگر اب وہ مجھ سے نظر چرا کر اور آنکھیں زمین کی طرف گاڑ کر بات کرتا ہے۔''

مہر کی تقریر کی لمبائی کے ڈر سے اماں نے اسے اندر کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا تھا۔

دونوں گہری سانسیں بھرتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں۔ صحن میں لگی کیاریوں میں چنبیلی کے پھولوں کی کلیاں سرگوشی سے چٹک گئی تھیں۔

☆......☆......☆

تالاب والے گھر کے ایک شیشے والے کمرے میں زرناب اپنی جیولری اتارنے میں لگی ہوئی تھی۔ جب سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا اس کا فون بجا تھا۔

دوسری طرف قیس تھا۔ وہ جیسے چونک گئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''میں بالکل ٹھیک۔ خیریت اس وقت کال کی؟''

وہ بار بار اپنا جھمکا چھڑا رہی تھی جو بالوں میں کہیں اٹک گیا تھا۔

''سب خیریت ہے۔ بس سوچا آپ کا شکریہ ادا کروں تو بس کال ملا لی۔''

''میرا شکریہ۔ وکیوں؟''

وہ واقعی میں حیران ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کمرے کی کھڑکی میں آ گئی تھی۔ سامنے ہی گھر کے لان میں ٹہلتے ہوئے زمان نظر آ گئے تھے جو شاید فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھے اور وقفے وقفے سے کوئی قہقہہ تالاب والے گھر کی فضاؤں میں گونجتا تھا۔

''آپ نے ہمیں بلایا اور اتنا پروٹوکول دیا اس سب کے لیے۔''

''اتنی بڑی بات نہیں تھی یہ۔ کہ تم مجھے کال کر کے خاص طور پر شرمندہ کرتے۔ اور بند کر دو مجھے آپ کہنا بس تم کہہ کر کام چلا لیا کرو۔''

زرناب کی ڈانٹ کو قیس نے جیسے بہت خوشی سے قبول کیا تھا۔ وہ گھر کی چھت پر ٹہل رہا تھا۔ آسمان خاموش تھا اور تارے ساکت سا کت سے۔

''چلو، جیسے تم کہو۔''

''عذرا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے؟''

دوسری طرف سے قیس نے سر جھٹکا تھا۔

''دونوں آج کل فلاحی کاموں میں مصروف چل رہی ہیں۔ کبھی بھی کسی کو بھی گھر اٹھا کر لے آتی ہیں۔''

زرناب زمان جیسے حیران ہوئی تھی۔ قیس کی بات اور انداز دونوں ہی جیسے اس کے سر سے گزر گئے تھے۔

''میں سمجھی نہیں تمہاری بات۔ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''بس خود آ کر دیکھ لینا۔ سب پتا لگ جائے گا۔ میں نے تو اب گھر کے کافی معاملات میں بولنا ہی بند کر دیا ہے۔''

''اور ایسا کیوں ہے بھلا؟''

نیچے زمان تالاب کے کنارے رکھی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چہرے پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ زرناب کو اتنے فاصلے سے اتنی اونچائی سے اپنا باپ دور، بہت دور لگا تھا۔

''بس مہر کو جانتی ہو تم، اس کی زبان کے آگے سارے خندق پانی بھرتے نظر آئیں گے۔ وہ

چاہتی ہے گھر کے تمام فیصلے اس کی مرضی سے ہوں۔ سب کچھ وہی سنبھالے۔ بھلا ایسا کہاں ہوتا ہے زی۔ گھر کا مرد ہی سب فیصلے کرتا ہے۔ اسی کا اختیار ہوتا ہے۔ بس اسی نسل میں بہت کچھ مشکل ہوتا جارہا ہے میرے لیے۔ اب شکر ہے جاب ہوگئی ہے تمہاری مہربانی سے تو شاید سب ٹھیک ہوجائے۔"

وہ کھڑکی چھوڑ کر دوبارہ ڈریسنگ مرر کے سامنے آ گئی تھی۔ جھمکے کا مسئلہ جوں کا توں وہیں موجود تھا۔ وہ تنگ آئی ہوئی تھی۔

دوسری طرف سے قیس نے اس کی عدم دلچسپی بھانپ کر استفسار کیا تھا۔

"چپ چپ کیوں ہیں؟ کیا کر رہی ہیں اس وقت؟"

"یار! بس مت پوچھو۔ اتنی پوری لائف میں، میں نے اتنی جیولری نہیں پہنی جتنی آج پہن لی تھی اور اب اسی سے جان چھڑوانے میں لگی ہوئی ہوں۔ ایئر رنگز ہی نہیں اتر رہے مجھ سے۔"

قیس کو اس اپر کلاس اپسرا کا یہ مسئلہ دل و جان سے پسند آیا تھا۔ خیال کے گھوڑے تالابوں والے گھر میں دوڑنے لگے تھے۔

"ویسے ایک بات کہنی تھی تم سے۔"

وہ دراز بند کرتے ہوئے چونک گئی تھی۔ ہیل سے پیروں کو آزاد کر کے دور پھینک چکی تھی۔

"ہاں بولو۔ کیا بات ہے؟"

"آج تم بہت حسین لگ رہی تھیں۔ اپنی نظر اتار لینا۔" وہ خاص لہجہ اور خاص انداز جیسے زی کو چپ لگا گیا تھا۔ اس بات کی توقع وہ ہرگز بھی نہیں کر سکتی تھی۔

شیشوں والے کمرے کے پار شر کی چاپ ابھری تھی۔

"کیا واقعی؟ جھوٹ بول رہے ہو ناں تم؟"

وہ بے یقین ہو رہی تھی۔ وہ کستوری محلے کے سرسوں والے گھر کا مرد یقین دلانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔

زرناب زمان نے جس جھمکے کو اتارنے کے لیے آدھے گھنٹے سے مشقت کی تھی۔ وہ سیاہ بالوں

میں پھنسا ہوا دھاتی جھمکا نہایت خاموشی سے امپورٹڈ ٹائل کے فرش پر ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

کچھ دھاتیں بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ وہ ملاوٹ کی بو پا کر ہی ٹوٹ جاتی ہیں۔

☆......☆......☆

وہ دونوں پھسکڑا مارے فرش پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ دال چاول کے ساتھ شلجم کا اچار کھاتے ہوئے مہر کی توجہ عذرا سے بالکل ہٹی ہوئی تھی۔

عذرا نے خود کو بمشکل ضبط کرنے سے روکا ہوا تھا۔

''کل کسی نے پوچھ لیا تو کیا جواب دو گی؟''

سرکے میں ڈوبا ہوا شلجم مزے سے کتر کتر کر کھاتی ہوئی مہر رک گئی تھی۔

''کسی سے کیا مراد ہے تمہاری؟''

''میرا مطلب ہے یہی کستوری محلے والے۔''

''آج تک جب تک میں نے کسی کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی اور مداخلت کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تو ان لوگوں کو بھی نہیں کرنی چاہیے نا۔''

مہر کے سپاٹ اور بے لاگ لہجے پر عجی زچ ہو گئی تھی۔

''سب تمہاری طرح نہیں ہوتے ناں۔''

اسٹیل کی پلیٹ صاف کر کے مزے سے مہر نے پرے کھسکا دی تھی۔

''یہی تو میں سمجھا رہی ہوں کہ وہ میرے جیسے بن بھی نہیں سکتے۔ انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ کریکٹر سرٹیفکیٹ تھام کر بیٹھے ہیں اور ہر کسی کو پکڑاتے جا رہے ہیں۔''

عجی نے لپک کر بازو سے تھام لیا تھا۔ مشکوک نظروں کی گولہ باری بھی ساتھ ساتھ شروع کر دی تھی۔

''سچ سچ بتاؤ۔ تم اسی غنڈے کی بات کر رہی ہو ناں؟''

مہر نے لاؤنج کی طرف دیکھا اور عذرا کو شش کا اشارہ بھی کیا تھا۔

''اتنی اونچی آواز میں اسے غنڈہ مت کہو کہ ٹنکو سن لے گا۔ وہ برا مان جاتا ہے۔''

"اللہ کے واسطے مہر۔ حواسوں میں آ جاؤ یا پھر ہمارے حواس سلامت رہنے دو۔ دیکھو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

اگلی نے واقعی ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

مہر نے ہاتھ کھول کر پرے کر دیئے اور خود گوتم بدھ کے سے استغراق سے کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔

کمرا کیا تھا۔ پرانی طرز کے فرنیچر سے بھرا ہوا چھوٹا موٹا سا کباڑ خانہ تھا جسے عذرا کے طریقے سلیقے نے ذرا قابل استعمال بنا دیا تھا۔ مختلف رنگ کے جالی دار لمبے لمبے پردے ہوا کی چھیڑ سے لہرا رہے تھے۔

باہر لاؤنج میں دال چاول کھا کر ٹنکو اور مینا اماں کے ساتھ مل کر برتن باورچی خانے میں رکھوانے لگے تھے۔ اماں نے چونک کر ان دونوں کی اس سرگرمی کو بغور دیکھا تھا۔

"میں خود کر لوں گی بچے۔ تم لوگ رہنے دو۔"

"نہیں۔ ہم سب کر لیتے ہیں۔ جھاڑو پوچا، صاف صفائی، سبھی کچھ۔"

مینا نے سلیقے سے ٹنکو کی اکڑن توڑی تھی۔ ٹنکو کا منہ لٹک گیا تھا اور اماں کلثوم منہ پرے کر کے دھیرے سے مسکرا دیں۔

"پانی میں بھرتا ہوں۔ صحن میں چھڑکاؤ کی ذمہ داری بھی میری سمجھ لیجیے۔ اطلس کے کبوتروں کے دانے دنکے کا انتظام بھی میرے ذمے ہیں۔"

کلثوم اسٹیل کی پلیٹ صاف کرتے ہوئے اطلس کے نام پر چونک سی گئی تھیں۔

"بھلا یہ اطلس کون ہے؟"

ٹنکو اور مینا کی نظریں آپس میں ملی تھیں۔ ٹنکو لپک کر کلثوم کی طرف آیا تھا۔

"ارے۔ اطلس بھیا۔ ہمارے بھیا۔ میرے اور مینا کے۔ آپ سے تعارف نہیں کروایا ہوگا نا مہر جی نے۔ آپ پوچھ لیجیے گا۔"

ٹنکو نے ساتھ ساتھ انہیں تسلی کروانا بھی ضروری سمجھا تھا۔

''کیا کرتا ہے یہ تمہارا اطلس بھیا؟ سنا ہے لڑائی جھگڑے کرتا رہتا ہے۔ سب کو ڈرا کر رکھتا ہے۔''

''آپ کو کس نے بتایا یہ سب؟''

اس بار میدان میں اترنے کی باری مدبر مینا کی تھی۔ وہ دوپٹہ سنبھال کر سامنے آئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اسٹیل کی پلیٹیں خشک کر کے اسٹینڈ پر لگاتی جا رہی تھی۔

''سب کہتے ہیں۔ بستی محلے والے۔ میں نے تو ان سے سنا ہے۔''

''سنی سنائی باتوں پر کان نہ دھرا کریں۔ آپ کو ایک بات بتاؤں۔ تھوڑے راز کی بات ہے۔''

مینا کے لہجے کی سنسنی نے کلثوم کے اندر بھی تجسس کی ایک لہر سی پیدا کی تھی۔

''بتاؤ تو ذرا۔''

''اطلس بھیا اللہ کے بعد مہر جی سے ڈرتے ہیں۔''

کلثوم کے ہاتھ سے اسٹیل کی پلیٹ چھوٹ کر فرش پر گری تھی۔ پلیٹ کا شور چھت پر بھی سنا گیا تھا۔ تبھی فون کال بند کر کے قیس سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے پہنچا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں یہاں؟''

قیس کے لہجے نے بچوں کو سہما کر رکھ دیا تھا۔

کلثوم نے لہجے کو بہت سادہ کر لیا تھا۔ ماؤں کے پاس ابھی بات کہنے کے لیے جانے کتنے لہجے اور کتنے انداز ہوتے ہیں۔

''مہمان ہیں ہمارے۔''

وہ قریب آگیا تھا۔ ٹنکو اور مینا کی نظریں گھر کی مالکن کی طرف تھیں۔

''ہمارے یا صرف مہر کے؟'' قیس کا لہجہ آتش تھا۔ جلتا ہوا۔ بھڑکتا ہوا۔

کلثوم ہنس کر ساون ہو گئیں۔ ٹھنڈی پھوار۔ سکون کی فرحت۔

''''مہر بھی تو ہماری ہے۔''

ہماری مہر بھی بھولی بھٹکی ہوئی اس منظر میں داخل ہو گئی تھی اور شاید آدھی باتیں تو سن ہی چکی تھی۔

''تم دونوں نے سونا نہیں ہے کیا؟'' وہ قیس کو نظر انداز کر کے مینا اور ٹنکو کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مینا کو سب جھمیلوں سے نکل کر ایک احساس نے پکڑا تھا۔

''مہر جی۔ وہ اماں؟''

ٹنکو بھی اچانک ہی لاوارث نظر آنے لگا تھا۔ چار پریشان آنکھیں مہر کو خالی کر رہی تھیں۔

''آپ بھیا کو فون کال کریں ناں۔''

''میرے پاس نمبر نہیں ہے۔'' وہ نظریں چرا گئی تھی۔

ٹنکو نے متوجہ کیا تھا۔

''مجھے زبانی یاد ہے۔ سن لیں مجھ سے۔''

''ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ آؤ تم لوگ۔ تمہارے بھیا سے کرتے ہیں بات۔''

وہ انہیں لے کر نکل گئی تھی۔

قیس نظروں میں آگ لے کر کھڑا رہا۔ کلثوم نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''مصیبت میں ہیں وہ۔ مہر نے غلط نہیں کیا قیس۔ جو ان کو ساتھ لے آئی۔ کچھ کام ثواب کے لیے بھی کر لیے جاتے ہیں۔''

کلثوم کے ہاتھ کنارے پر کر کے وہ نکل گیا تھا۔ کلثوم اسٹیل کے برتنوں کے شور کو سنبھالتی رہیں۔

☆......☆......☆

سرکاری ہسپتالوں میں دوا کی شیشیوں کے ساتھ ساتھ حوصلے اور دل بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ اور اس چیز کا احساس اطلس کو ہسپتال کے کوریڈور میں نرسنگ اسٹاف اور ڈاکٹروں کے پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے ہوا تھا۔

اسٹریچر پر زندگی اور موت کی کشمکش سے گزرتی ہوئی فالج زدہ ماں کے لیے پریشان اطلس پر دنیا کی حقیقتیں ایک ایک کر کے کھلی تھیں۔

سرکاری ہسپتال کی وہ عمارت بہت عجیب تھی۔ جہاں دل کو گھٹن ہوتی تھی اپنے پیاروں کی

تکلیف دیکھ کر ہول اٹھتے تھے۔

نرسنگ اسٹاف بہت مشکل سے اماں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ڈرپ لگا کر وہ باقی مریضوں کی طرف چلی گئی تھیں۔

وہ بڑے ڈاکٹر کا انتظار کرتے ہوئے کستوری محلے کا چھوٹا انسان اماں کی پائنتی سے لگ کر بیٹھ گیا۔ دھجی نما مفلر جو گلے کی زینت ہوا کرتا تھا اب کہیں افراتفری میں گر چکا تھا۔ کان کی بالی وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے نوچ لی تھی۔ خون کی لکیر کان سے ہوتی ہوئی کرتے تک پہنچ گئی تھی۔ پاس سے گزرتی ہوئی نرس رحم کھاتے ہوئے روئی کا پھاہا پکڑا گئی تھی۔ وہ وہیں ٹھنڈے فرش پر بیٹھا رہا۔ گھٹنوں میں سر دیے۔ روتے ہوئے۔

تب کہیں فون کی گھنٹی بجی تو اس نے نا چاہتے ہوئے بھی فون کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف وہی تھی۔ جس کے ہونے سے سب کے ہونے کی خبر ہوتی تھی۔ زندگی کی۔ پھول کلیوں کی۔

''کیسے ہو تم؟''

''اماں ٹھیک نہیں ہیں مہر جی۔'' وہ رو پڑا تھا۔ آنسوؤں کا کھارا پن فون کے دوسری طرف موجود لڑکی تک پہنچ گیا تھا۔

''پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم حوصلہ ہار جاؤ گے تو ٹنکو اور مینا کو کون سنبھالے گا۔''

وہ کسی خواب سے جاگا تھا۔ زندگی میں باقی رشتوں کی تڑپ بھی ساتھ ساتھ جاگ گئی تھی۔

''کیسے ہیں وہ دونوں؟ روئے تو نہیں؟ پریشان ہوں گے ناں؟'' وہ سوال پر سوال کر رہا تھا۔

مہر نے صوفوں پر موجود اور مہر کی طرف متوجہ بچوں کو دیکھا تھا۔

''دونوں ٹھیک ہیں۔ کھانا کھایا ہے انہوں نے۔ اماں کی خیریت نیک مطلوب چاہتے ہیں۔''

''ٹنکو سے کہو اماں کے لیے دعا کرے۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں اور مینا آنکھ سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو اماں اس سے چوری چوری باتیں کرتی ہیں۔'' اطلس تکلیف میں ہوتے ہوئے بھی ٹنکو کی بات پر

ہولے سے ہنس دیا تھا۔

یہ چھوٹی سی زبردستی کی ہنسی بھی سفر کرتی ہوئی فون کے دوسری طرف موجود لڑکی تک پہنچ گئی تھی۔

"ٹھیک کہتا ہے ٹنکو۔ سچ ہی کہتا ہوگا۔ اس کی آنکھوں سے پتا چلتا ہے۔"

"تمہیں میرا نمبر کہاں سے ملا؟"

مہر نے پیار سے، دلار سے ٹنکو کو دیکھا۔

"تمہارا فون کا نمبر ٹنکو نے زبانی یاد کرلیا ہوا ہے۔ فر فر یاد ہے اسے۔ واپس آجاؤ گے تو پاس بٹھا کر سن لینا۔"

رات بھیگ رہی تھی۔ کستوری محلے میں بھی۔ اور سرکاری ہسپتال کے احاطے میں بھی۔

کستوری محلے والی کا دیا گیا حوصلہ اطلس کو پھر سے زندہ کر گیا تھا۔

ٹنکو اور مینا اپنے اطلس بھیا سے بات کرتے رہے۔ اور وہ انہیں بات کرتے ہوئے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی تھی۔ تب ہی عذرا وہاں سے قیس کی شرٹ استری کر کے گزری تھی۔

مہر کے انہماک پر چٹکی بجا کر متوجہ کیا گیا۔

"کون سے مراقبے میں ہو؟"

وہ چونک کر حال میں واپس آئی۔ چہرے پر سنجیدگی سی طاری تھی۔

"ذرا دیکھو تو دونوں کو۔ اگر ان دونوں کو اکیلا چھوڑ دیتی تو اللہ کو کیا منہ دکھاتی اگلے جہان؟"

عجی نے پلکوں پر ٹھہری نمی کو آگے بڑھ کر اپنی پور پر اتار لیا۔

"کیا واقعی تمہیں اللہ کا ڈر ہے مہر؟"

"مجھے صرف اسی کا تو ڈر ہے عذرا۔ کل کو اسی کے پاس جاؤں گی اور اس نے پوچھ لیا کہ میرے بندوں کے ساتھ کیا کیا۔ تو کیا جواب دوں گی۔ میں بال بال بچ گئی۔"

استری والی لڑکی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے ہی غلط فہمی ہوگئی تھی کچھ۔ مجھے لگا تھا کہ تم اس غنڈے بدمعاش......"

ٹنکو کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے ناراضی سے عجو کو دیکھا۔

مہر نے جواب دیا۔

"وہ بھی تو اللہ کا بندہ ہے ناں عجی۔"

ٹنکو کو سکون ہو گیا تھا۔ عذرا سر ہلا کر اندر کی طرف گم ہو گئی۔

سرکاری ہسپتال میں بڑا ڈاکٹر آ گیا تھا۔ فون بھی بند ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

عجیب بھاری سی رات تھی۔ جو در و دیوار کے ساتھ دلوں پر بھی اتر آئی تھی۔ عذرا نے استری کی ہوئی شرٹ الماری میں لگا دی تھی اور اب وہ فرش کے بیچوں بیچ بیٹھی ہوئی قیس کے بوٹ پالش کر رہی تھی۔

قیس اضطراب کی سی کیفیت میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"سمجھاؤ اسے۔ بالکل ہی پاگل ہو گئی ہے یہ۔ ہمارا گھر آہستہ آہستہ دارالامان بن جائے گا۔"

"اماں سمجھا چکی ہیں اسے۔ اور ہار بھی مان چکی ہیں۔"

"ورنہ میں اس سے خود بات کروں گا۔"

عجی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ جوتے کی پالش کی مہک دھیرے دھیرے کمرے میں پھیل رہی تھی۔

"مت کرو۔ دونوں میں پھر سے جنگ چھڑ جائے گی اور ہم کسی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"کل صبح ہونے دو۔ پورے محلے نے دیکھا تھا اس لڑکے کو مہر کو آواز دیتے ہوئے۔ سب پوچھیں گے کہ کس حق سے بلا رہا تھا اسے۔"

بوٹ پالش کر کے وہ انہیں ان کی جگہ پر رکھ رہی تھی۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ قیس کی طرف آئی تھی۔

"اپنا دل خراب مت کرو۔ کل دفتر میں پہلا دن ہے اور پہلے دن ہی چہرے پر بارہ بجے ہوں گے تو کوئی آپ کو سیریس نہیں لے گا۔"

"میرا پہلا دن بھی خراب ہو کر رہے گا۔"

عذرا ایک شیشے کے گلدان کے پاس رک گئی تھی۔ جس میں بنفشے کے پھول سوکھ گئے تھے۔ وہ سوکھے پھولوں کو ہاتھ میں لے کر اب سونگھ رہی تھی۔

’’کچھ نہیں ہوگا آپ کے پہلے دن کو۔ میں نے زی سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ کو بھرپور پروٹوکول دے گی۔‘‘

’’تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ کیا سوچے گی میرے بارے میں۔‘‘

’’وہ کچھ نہیں سوچے گی۔ وہ جانتی ہے کہ آپ مجھے کتنے عزیز ہیں۔ اور دوستوں کو جو چیزیں عزیز ہوتی ہیں ان کا خیال رکھا جاتا ہے۔‘‘

قیس پہلی بار عذرا کے مقابل آیا تھا۔ جو سوکھے ہوئے پھولوں کی ٹہنیوں کو پیار سے سہلا رہی تھی۔ کتنی عجیب لڑکی تھی عجی۔ پھولوں کے عشق میں مبتلا۔ قیس کی محبت میں مرمٹنے والی۔

’’سفارش سمجھے گی وہ اسے۔‘‘

’’نہیں۔ وہ ایسی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ زی کے سچے دل اور دوستی کی گواہی دے سکتی ہوں۔‘‘

وہ اترا کر اپنی دوست کی دوستی کا یقین دلا رہی تھی، یہ جانے بغیر کہ کبھی کبھی دوستی کا رشتہ بھی سوکھے پھولوں کی طرح ہو جاتا ہے۔ صورت تو وہی رہتی ہے مگر خوشبو کہیں اڑ جاتی ہے۔ سوکھے پھولوں کے لاشے پھر بھی حسین ہوتے ہیں۔ مگر دوستی کے...... چھوڑیے...... چھوڑ دیجیے۔

’’کل پہلا دن ہے اور میں چاہتی ہوں کہ بہت شاندار رہے۔ آپ کامیاب ہوں کیونکہ ہم سب آپ کو آگے بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔‘‘ وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ خوش ہو رہی تھی۔

قیس اس سب سے بے خبر سوکھے پھولوں میں بدلنے والی دوستی کی داستان کا حصہ بننے جا رہا تھا۔

تالاب والے گھر کے شیشے والے کمرے میں رہنے والی لڑکی کو کستوری محلے میں رہنے والے لڑکے کا ’’شب بخیر‘‘ کا پیغام موصول ہو گیا تھا۔

گلدان میں سوکھے پھولوں کے لاشے پڑے رہے۔

خوشبو کی موت واقع ہو گئی۔

☆......☆......☆

حسین اور دلکش سی زرناب زمان نے اپنے فیانسی رومان کے ساتھ اپنے دفتر میں قدم رکھا تھا۔
دفتر کے کونوں کھدروں سے لوگ نکل نکل کر زمان صاحب کا ہونے والا داماد دیکھنے کے لیے اُمڈ آئے تھے۔
یہ ساری سرگرمی قیس کے سامنے ہوئی تھی اور وہ جیسے اندر تک کہیں جل بھن سا گیا تھا۔
آج وہ خوب تیار شیار ہو کر سوٹڈ بوٹڈ ہو کر دفتر آیا تھا۔
پورے دفتر میں استحقاق کے ساتھ رومان کو ساتھ لیے گھومتی ہوئی زری مستقل قیس کی نظروں کے سامنے رہی تھی۔
آخر کار دونوں قیس کے کیبن کی طرف آئے تھے۔
''کیسا جا رہا ہے آج تمہارا پہلا دن؟'' وہ ہنس کر پوچھ رہی تھی۔
رومان اپنے سامنے پڑا ہوا پیپر ویٹ گھمانے میں مصروف نظر آنے لگا تھا۔
''سب اچھا ہے۔ عذرا پوچھ رہی تھی تمہارا۔ شاید تم نے گھر چکر لگانا تھا۔ وہ سب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔''
عذرا کے نام پر پیپر ویٹ گھماتا ہوا ہاتھ تھم گیا تھا۔ ذہن کی سلیٹ پر ایک منظر تازہ ہو گیا تھا۔
وہ سادہ سی لڑکی جو اپنے لمبے سے دوپٹے کو سنبھالنے میں ہلکان نظر آتی تھی اور جس کا لوگوں کے رش میں پاؤں کچلا گیا تھا۔
وہ خیال سے واپس لوٹا تھا اور زرناب سے ایکسکیوز کر کے کیبن سے باہر آ گیا تھا۔
قیس نے زری سے پوچھا۔
''تمہارا یہ فیانسی کچھ زیادہ ہی سیریس ٹائپ نہیں ہے؟''
''ہاں۔ کافی سنجیدگی ہے رومان کے مزاج میں۔''
''اچھا، صحیح۔ تو مطلب یہ ایک لو میرج ہو گی؟'' قیس نے نظریں زرناب پر ٹکا دی تھیں۔
سامنے کھڑی وہ حسین لڑکی جھلنے لگی تھی۔ ''کہہ سکتے ہو۔''
''مطلب یقین نہیں ہے آپ کو۔'' وہ اپنی سب سے بہترین مسکراہٹ استعمال میں لے آیا تھا۔
''دلچسپ ہے یہ۔ پھر بھی اتنا کہوں گا کہ زندگی بھر کے ساتھی کو سوچ سمجھ کر چنا کرتے ہیں۔''

قیس کی مسکراہٹ اور لہجہ زرناب کو کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"تم نے بھی عذرا کو سوچ سمجھ کر چنا ہے کیا؟"

قیس کی بہترین مسکراہٹ سرعت سے گمشدہ ہو گئی تھی۔

"عذرا نے مجھے چن لیا ہے۔ اگر کوئی مجھے چنتا ہے تو میں اسے اس چیز سے منع تو نہیں کر سکتا ناں۔ کیونکہ......"

"کیونکہ کیا؟"

"آخری فیصلہ تو میرا ہی ہوگا۔"

زرناب وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ دروازے میں کہیں فائل لے کر نیلم آ گئی تھی۔

"ہیلو میڈم۔ کیسی ہیں آپ؟"

نیلم کے چہرے کی مسکراہٹ جیسے زرناب کو زہر میں بجھے ہوئے تیر کی طرح لگی تھی۔ وہ بس سر ہلا کر تیزی سے نکل گئی تھی۔

قیس کی آنکھوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

نیلم نے فائل سامنے رکھی تھی اور چٹکی بجا کر متوجہ کیا تھا۔

"یہ فائل ہے۔ اس کی انٹریز وغیرہ آج ہی فائنل کر کے بھیجنی ہیں۔" نیلم یہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

شہر پر اتری ہوئی وہ دوپہر غیر محسوس طریقے سے شام میں ڈھل جانے کو بے تاب تھی۔

شام ہونے تک زرناب اور رومان دفتر میں ادھر ادھر گھومتے ہوئے نظر آتے رہے۔ بیچ میں کئی بار قیس اور زرناب کی آنکھیں چار ہو گئی تھیں۔ پانچویں آنکھ نیلم کی تھی جس نے یہ سب دیکھا تھا۔

رومان کی بے دھیانی بھی عروج پر تھی جب کافی کا کپ اس کی شرٹ پر الٹ گیا تھا۔ بہت عجیب طریقے سے تین لوگوں کی زندگیاں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ ایک اتوار کا دن تھا۔ چھٹی کا دن سمجھو تو ایک تہوار کا دن۔ آسمان بدلتے ہوئے موسموں کے ساتھ بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ جب سرسوں والے گھر کے سامنے کار سے زرناب اور رومان اترے تھے۔

زرناب اندر جا کر تیزی سے کہیں گم ہو گئی تھی، اور رومان کچھ سامان اٹھائے لوہے والے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا تھا۔

آسمان سے بادل کی ہلکی ہلکی بوندیں ٹپکنے لگی تھیں۔ رومان کے سامنے وہ منظر کسی سکیپ پینٹنگ کی طرح کھل گیا تھا۔ دیوار کے ساتھ لگی کیاریوں میں کھرپی لے کر بیٹھی ہوئی عجی ہمیشہ کی طرح اپنے مشغلے میں مصروف نظر آ رہی تھی۔

پاس ہی ٹنکو بیٹھا تھا جس نے خاموشی سے چنبیلی کے پودے پر آیا ہوا پھول توڑ کر عجی کے بالوں میں سجا دیا تھا اور اب وہ بھی کبھی ذرا کی ذرا سر اٹھا کر اپنی شرارت کو دیکھتا اور محظوظ ہوتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ یہ شرارت سامنے کھڑا ہوا وہ شخص بھی دیکھ چکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

وہ دھیرے سے چلتا ہوا ان دونوں کی طرف آ گیا تھا۔ وہ تیزی سے مٹی برابر کر رہی تھی۔

"جلدی کرو ٹنکو۔ مٹی ساری برابر کر دو۔ بارش ہو گئی تو سارے بیج باہر آ جائیں گے۔"

وہ سر پر پہنچ چکا تھا۔ آسمان سے بارش کی بوند ٹوٹ کر عجی کی ستواں ناک کی نوک پر گری تھی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔

"بہت شوق ہے آپ کو باغبانی کا۔"

"ہاں۔ اچھا شوق ہے۔ پسند ہیں مجھے پھول۔"

"کس چیز کے بیج لگا رہی ہیں؟ اب کیا اگنے والا ہے آپ کے ان کھیتوں میں؟"

ٹنکو ذمہ داری سے ہاتھ دھلوا رہا تھا۔ وہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"سورج مکھی کے بیج بوئے ہیں۔"

وہ زبردست طریقے سے حیران نظر آیا تھا۔ بے یقینی سے زمین پر بنی مٹی کی کیاریوں پر نظر پڑی تھی۔

"کیا واقعی؟ اس میں سے سورج مکھی کے پھول اگیں گے؟"

آسمان سے بارش کی بوچھاڑ گری تھی۔

''جب سورج مکھی کا بیج بویا ہے تو وہی اگیں گے نا۔ چنار کے درخت تھوڑی لگیں گے۔'' وہ ڈانٹ رہی تھی۔

ٹنکو بارش کی بوچھاڑ سے قدرے ڈر کر اندر بھاگ گیا تھا۔

''سوری۔ مجھے آئیڈیا نہیں تھا۔''

وہ شرمندہ شرمندہ سا نظر آنے لگا تھا۔

''اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ آپ یوں معذرت کرتے۔''

''ہر بار سب کچھ سوچ سمجھ کر تھوڑی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ چیزیں خود بخود ہو جایا کرتی ہیں۔''

رومان کا لہجہ پہیلی تھا۔ سامنے والی پہیلی کا جواب بوجھ کر بھی انجان نظر آ رہی تھی۔

''اندر آ جائیں۔ بارش تیز ہونے لگی ہے۔''

وہ عذرا کے پیچھے پیچھے اندر آ گیا تھا۔ وہ اماں اور مہر سے مل رہا تھا۔

زرناب مینا اور ٹنکو سے متعارف ہو رہی تھی اور اب اسے قیس کی بات یاد آ گئی تھی کہ آج کل وہ گھر دارالامان بن گیا ہے۔

''جب بھی آپ دونوں ساتھ آتے ہیں اسی دن بارش ہو جاتی ہے۔'' مہر نے ہنس کر یاد دلایا۔

رومان نے اطمینان سے صوفے سے ٹیک لگا لی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ اس میں ہمارا تو قصور ہو سکتا ہے مگر بارش کا نہیں۔''

''بجلی نہ چلی جائے بس۔''

مہر نے دعا کی تھی۔ سامنے بیٹھی ہوئی عجی نے غائب دماغی سے رومان کی طرف دیکھا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ موم بتی جلا لیجیے گا۔ کھانے کو کچھ ملے گا آنٹی؟ بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

عجی کو صدمہ لاحق ہوا تھا۔ دل چاہا منہ پھاڑ کر بارش والی پرانی ملاقات یاد دلا دے جہاں اس نے ان کی کلاس، رہن سہن اور کھانوں کو نشانہ بنایا تھا۔

مگر وہ چپکی بیٹھی رہی تھی۔ چائے پکوڑوں کا دور چلتا رہا تھا۔

لڑکیاں آپس میں لگی رہیں۔ مینا اور ٹنکو نے اماں کے ساتھ باورچی خانہ سنبھال لیا تھا۔

باتوں باتوں میں ہی بجلی چلی گئی تھی۔ لمبے جالی دار پردے لہراتے رہے تھے۔ آسمان کی بجلیوں کی چمک کبھی کبھار اندر آ کر سارے کو سفید روشنی سے بھر جایا کرتی تھی۔

اندھیرے اور روشنی کے میل ملاپ میں پتا بھی نہ چلا کہ زرناب کا ہاتھ کسی ہاتھ پر جا پڑا۔ وہ یہ سمجھ کر خوش ہوتی رہی کہ وہ رومان نے اس کا ہاتھ تھام کر موسم کی دلکشی کو بڑھا دیا ہے۔ وہ کسی جوش و خروش سے کسی لطیفے پر ہنستی رہی تھی۔

عذرا کے بالوں میں لگا ہوا چنبیلی کا پھول گر کر ہاتھ پہ آیا تھا۔ وہ حیران سی بیٹھی چنبیلی کا پھول دیکھتی رہی۔ دور بیٹھا ہوا رومان ہولے سے مسکرایا تھا جیسے وہ چنبیلی کے پھول کے راز سے واقف تھا۔

تب ہی آسمان کی بجلیوں کی چمک اندر آئی تھی اور کچھ جل کر خاکستر ہو گیا۔

مہر کی نظریں بھٹکی تھیں۔ سامنے ہی بیٹھی ہوئی زرناب زمان کا ہاتھ قیس کے قبضے میں تھا۔

☆......☆......☆

بارش تھمی تھی تو زرناب اور رومان بھی تب ہی گئے تھے۔

مہر وسوسوں میں گھری ہوئی عذرا کا چہرہ بار بار دیکھ رہی تھی۔ اماں بار بار زری اور رومان کی اچھائی کے گن گانے میں لگی ہوئی تھیں۔

شام ہوئی تھی تو سارا گھر انواع و اقسام کے کھانوں سے مہک رہا تھا۔ پکوڑے ویسے ہی بنا رکھے تھے تو ساتھ ہی ساتھ کڑھی بھی بنالی گئی تھی۔ دستر خوان سجانے میں اماں کی مدد کے لیے دو نفوس آ چکے تھے۔ مینا نے بھی ایک دو روٹیاں پکا کر اماں سے داد وصول کرلی تھی۔ جانے خوشی کے کس احساس میں آ کر قیس بھی مینا ٹنکو سے دو تین باتیں کر چکا تھا۔

آسمان بارش کے بعد بالکل صاف ہو گیا تھا۔ بس ہلکی ہلکی سی ہوا ابھی بھی فضا میں موجود تھی۔ وہ دستر خوان پر اکٹھے بیٹھے تھے۔

''کتنی رونق سی ہو جاتی ہے ناں زرناب اور اس کے منگیتر کے آنے سے۔'' یہ خبر اماں نے اپنے طور پر نشر کی تھی۔ قیس نے بھرپور حظ اٹھایا تھا۔

''بہت زندہ دل اور انرجیٹک لڑکی ہے زری۔ لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

مہر نے انگریزی لفظ "انرجیٹک" دہرایا تھا اور سلاد کاٹنے میں مصروف اپنی بڑی بہن عذرا عرف عجی کی طرف نگاہ کی جو شاید اسی انگریزی لفظ کے معیار پر پورا نہیں اترتی تھی۔

ٹنکو نے کھسر پھسر کرتے ہوئے عذرا کو متوجہ کیا۔

"بھلا بتائیں تو وہ چنبیلی کا پھول کس نے سجایا تھا۔"

عذرا نے چقندر کاٹنا روک کر گھور کر اسے دیکھا۔

"کس نے؟"

"میں نے خود۔ بہت پیارا لگ رہا تھا آپ پر۔ جنگل پری لگ رہی تھیں آپ۔"

عجی ہنس پڑی تھی۔ مہر کو اس ہنسی پر رونا آیا۔

اماں نے عذرا اور قیس کو نظروں میں بھر کر گلا صاف کیا تھا۔

"مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سب سے۔"

قیس نے پلیٹ سے سلاد کے پتے اٹھا کر منہ میں رکھے۔

"جی چچی۔ بولیں ناں۔ آپ کو کب سے اجازت کی ضرورت پڑ گئی۔"

"جیسا کہ تمہاری اب نوکری لگ گئی ہے۔ ماشاء اللہ سے اپنے روزگار والے ہو گئے ہو۔ گھر پہلے ہی ہے ہمارے پاس۔ تو مجھے دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ آج کل زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔"

مینا ان کے جملوں کی سنجیدگی سے تھوڑا ڈر گئی تھی۔ ٹنکو کو عذرا نے چقندر کا ٹکڑا زبردستی کھلایا تھا۔

مہر نے پانی کا گلاس جلدی سے منہ سے لگا لیا تھا۔

قیس اچنبھے سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"واضح الفاظ میں بولیں چچی۔ کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ۔"

اماں کلثوم نے پیار سے عذرا پر نظر ڈالی۔

"آج زرناب اور رومان کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اب مجھے تمہاری اور عذرا کی شادی کر دینی چاہیے۔"

کلثوم کی بات پر وہ جیسے ہنس پڑا تھا۔ عجی شرم سے لال گلال ہو کر وہاں سے اٹھی تھی۔

قیس نے کلثوم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مہر کی آنکھوں میں حیرانیاں سی اتر آئی تھیں۔

"تو اچھی بات ہے چچی۔ ضرور شادی ہونی چاہیے۔ تھوڑا اہلا گلا۔ تھوڑا ہنگامہ۔ رونق لگے گی۔"

کلثوم خوشی سے نہال ہو گئی تھیں۔ صدے واری جا رہی تھیں۔

دوسرے کمرے میں چھپی عذرا بھی شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

"لیکن ایک بات ہے۔" قیس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

اس گھر کی تینوں عورتوں نے غور سے سنا۔

"کون سی بات بیٹا؟"

"آپ میری نہیں پہلے عذرا کی شادی کر دیں۔"

عذرا ٹھٹک گئی۔ مہر سلیٹی پڑ گئی۔

اور کلثوم اماں بے چاری جیسے اس بات کو لطیفہ سمجھ کر زبردستی محظوظ ہوئی تھیں۔

"کیا مطلب بیٹا۔ شاید تم سمجھے نہیں۔ میں عذرا کی تمہارے ساتھ شادی کی بات کر رہی ہوں۔"

قیس کی رنگت سفید اور سیاہ ہو گئی تھی۔

وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ چچی۔ میں عذرا سے شادی نہیں کر سکتا۔"

قیامت خاموشی سے آئی تھی اور کستوری محلے کے اس گھر کی عورتوں پر بیت گئی تھی۔ عجی نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ دیوار کو تھاما۔ مہر نے دکھ سے ماں کو جکڑا۔

ٹنکو اور مینا چپ چاپ سب دیکھتے رہے۔ مگر وہ سمجھ گئے تھے کہ جہاں وہ پناہ گزین بن کر آئے تھے وہاں دکھ کا مقام آ گیا تھا۔

کیاریوں میں عذرا عرف عجی کے لگائے ہوئے سورج مکھی کے بیج مٹی سے باہر آ گئے تھے۔

ہائے ہائے عذرا!!! وائے وائے قیس!!!

❀ ❀

ناول قیس جنگل میں اکیلا ہے کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 15 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 5

بند کمروں اور گھٹے گھٹے ماحول سے عجی کی جان جاتی تھی، مگر اس لمحے کیا بات ہوئی تھی کہ وہ کمرے میں بالکل ہی بند ہو کر رہ گئی تھی۔

قیس کا پونکا ہوا صور ان تینوں عورتوں کو پتھر کر گیا تھا۔

کبھی کام کو ہاتھ نہ لگانے والی مہر نے مینا کے ساتھ مل کر کھانے کے سارے برتن جی جان سے سمیٹے تھے۔

ٹنکو باہر دوڑ گیا تھا اور اب وہ آس پاس پھیلے ہوئے اندھیرے میں عجی کے سورج مکھی کے بیجوں پر دوبارہ سے مٹی برابر کر رہا تھا۔

رات بات تھی۔ رات ذات تھی۔ رات گھات تھی۔

اماں کلثوم کو جیسے عجیب سی چپ لگی تھی۔ وہ تو بس ٹکر ٹکر در و دیوار کو دیکھتی رہی تھیں۔ قیس کا کہا گیا جملہ ان پر کستوری محلے کی ساری چھتیں توڑ گیا تھا۔

”میں عذرا سے شادی نہیں کر سکتا۔“

بولنے والے کے لیے بہت آسان تھا شاید یہ سب کچھ جو وہ بول گیا تھا۔ سننے والے اذیت اور پچھتاوے کی لپیٹ میں تھے۔ بند کمرے کے دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی عجی کو جیسے اب حقیقت کی سمجھ بوجھ آئی تھی۔ خود کو فریب دے کر اور سراب کے پیچھے بھاگ بھاگ کر دی جانے والی طفل تسلیاں بیچ چوراہے میں کھلی تھیں۔

وہ اور اماں تو قیس کی محبت میں اندھی اور شودھی ہو گئی تھیں۔

"ارے قیس تو وارث ہے ہمارے گھر کا۔ ہماری خوشیوں کا۔"

اماں کے بولے گئے ایسے جملے ہمیشہ مہر ہی پکڑتی تھی۔ مہر کی پکڑ بھی کافی سخت تھی۔

"صرف گھر کا وارث بنائیں اسے یا پھر بجی کے سر کا۔ ہماری خوشیوں سے اس کو دور رکھیں۔"

ساگ کاٹتی ہوئی اماں نے مہر کی طرف درانتی پھینکی تھی۔

"دفع دور۔ تُو تو جلتی ہے قیس سے۔"

اماں کی بات پر وہ تو ایسی لوٹ پوٹ ہوئی کہ تخت سے بھی کئی قدم دور جا گری۔

"ہاں اماں۔ میری پیاری اماں۔ مہر جلے بھی تو کس سے جلے۔ میں تو کبھی سوچوں بھی نا اس بناوٹی انسان کے بارے میں۔ جن کے ماتھے پر ان کے کھوٹ جھلکتے ہوں، میں تو باز آئی بھئی۔"

توبہ توبہ کرتی ہوئی وہ بمشکل اماں کی گرفت سے بچی تھی۔ اماں طیش کے عالم میں نتھنے پھلا رہی تھیں۔ قیس کا کھر کھوٹا سب انہیں عزیز تھا۔ انہوں نے پرائی اولاد کو خون جگر دے کر پالا تھا۔

"بھائی ہے وہ تمہارا۔ پیار دیا کرو۔ عزت کیا کرو۔"

"دیوتا کو دو پجاری مبارک ہوں۔ ہمیں اس گنتی سے پرے رکھا جائے۔"

"کبھی کبھی لگتا ہے کہ تم میری اولاد ہی نہیں ہو۔" زچ ہو کر اماں جیسے مہر کو دور کرتی تھیں۔ اگلی فٹ سے مقابل آجاتی تھی۔

"کتنی عجیب بات پر اپنی ممتا کا سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں ناں آپ۔ کہ میں قیس کو اپنا پیارا راج دلارا بھائی سمجھوں۔ بھاگ بھاگ کر اس کے کام کروں۔ اس کے ہر غلط صحیح کو بجی کی طرح 'جی جی' کر کے برداشت کروں تو پھر آپ کی بیٹی کہلاؤں گی۔ ذرا سوچئے گا ضرور اماں اس بات پر۔ لاکھ ہزار بار۔ کروڑ بار۔"

اماں کے سر پر ایک تقریر جھاڑ کر وہ جھاڑو کھاتی ہوئی اندر گم ہو جایا کرتی تھی۔ اور مزے کی بات کہ اماں نے آج تک اس کی باتوں پر رتی برابر بھی نہ سوچا تھا۔

مہر تو جھلی ہے۔ مہر تو پاگل ہے۔ مشرق کی بات مغرب میں کرتی ہے۔ بھلا اس کی باتوں پر کون سوچے۔ کون سر کھپائے؟

اور آج کلثوم کو لگا تھا کہ کاش اس کملی جھلی اور باغی بیٹی کی بات کو سن لیتیں۔ ان کا اپنا خون ان سے کیسے جھول بول سکتا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہ پائی تھیں کہ پرائی اولاد ہمیشہ پرائی ہی رہتی ہے۔ اور اگر نر اولاد ہو تو اس کی پرورش پرورش میں چونچلے نہیں ہونے چاہئیں۔ وہ یہی تو کرتی آئی تھیں۔

قیس کی سالن کی کٹوری دیسی مرغی کی بوٹیوں سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ وہیں دوسری طرف عجی اور مہر شوربے پی رہی ہوتی تھیں۔

دیسی گھی کے چپڑے ہوئے پراٹھے کھا کر وہ گھر سے نکلتا تھا اور وہ دونوں لڑکیاں چائے سے پراٹھے سرک سرک کھا رہی ہوتی تھیں۔

مہر اور عجی کے بس دو عیدوں پر جوڑے آتے تھے اور قیس کے چاروں موسموں کے الگ الگ سوٹ بنتے تھے۔

مہر اس بات پر ہنگامہ برپا کرتی تھی۔ ہنگامے کرنے میں وہ ویسے بھی ماہر تھی۔

”بیٹیاں ہیں ہم آپ کی۔ ہمارے ناز نخرے اٹھائیں۔ کل کو سسرال جانا ہے، ابھی سے دل میں حسرتیں ڈال دیں گی تو اگلے گھر کیسے گزارے ہوں گے۔“

الگنی سے ریشمی اور جارجٹ کے دوپٹے کھینچ کھینچ کر اتارتے ہوئے اماں کلثوم کی زبان سے پھسل گیا تھا۔

”مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں کوئی سسرال بھی ملے گا۔ کیونکہ جیسی تمہاری حرکتیں ہیں۔“

پیچھے گپ چپ سناٹا اور خاموشی چھا گئی تھی۔ مہر پلٹ گئی تھی۔ کھٹ سے سیڑھیوں پر عجی نازل ہوئی تھی۔ مہر کی آنکھیں ساون تھیں۔ اماں کے لفظ ہاڑ کی حدت سے پر تھے۔

”کاش۔ آپ کو پتا چلے کہ جن کے نصیب میں بیٹے نہیں ہوتے تو اس میں اللہ کی مصلحت ہی ہوتی ہے۔ شکر ہے میرا کوئی سگا بھائی نہیں ہے ورنہ قیس کی طرح وہ بھی میری ہر چیز کا حصہ کھا جاتا۔“

مہر کے لفظ معمولی تو ہرگز بھی نہیں تھے۔ وہ آنسو چھپاتی ہوئی اندر غلام گردشوں میں گم ہوگئی تھی۔

عجی اماں کے پاس آئی تھی۔ جن کے ہاتھوں سے جارجٹ پھسل رہی تھی۔

''کیوں کرتی ہیں اس کے سامنے ایسی باتیں؟''

''اس کی سنی ہیں کبھی۔ زہر بھالے میں بجھی ہوئی باتیں۔ سیدھی دل پر وار کرتی ہے۔ شکر کرنا چاہیے اسے کہ سر پر ایک مرد ہے۔ ورنہ اکیلی عورتوں کا اکیلا رہنا آسان ہے کیا۔''

اماں کی آدھی بات منہ میں ہی تھی کہ اندر کھٹ سے ایک بند کھڑکی سے مہر کا سر باہر آیا تھا۔

''قیس جیسے وارث پر نہیں۔ اللہ پر یقین رکھیں میری طرح۔ یاد رکھیے گا، جس دن اس ذمہ دار مرد کا بت ٹوٹے گا ناں تب آپ کو اللہ یاد آئے گا۔''

کلثوم تلملا گئی تھیں۔ مہر جھٹ سے کھڑکی بند کر گئی تھی۔ وہ کون ہوتی تھی گناہ ثواب کی بات کرنے والی؟ ان کے اور اللہ کے تعلق پر سوال اٹھانے والی۔ بعد میں یاد آیا کہ وہ ان کی سگی اولاد تھی۔ مہر بختیار۔ جس کے اختیار میں صرف اپنی گز بھر لمبی زبان تھی جو قینچی کی طرح چلتی تھی۔ اور سامنے والے کو کاٹ کھاتی تھی۔

وہ جنگ ہفتوں جاری رہی تھی۔ کافی عرصے کے بعد مہر نے خود ہی خود کو سمجھایا تھا کہ وہ عجی اور اماں کے دل سے اس بناوٹی انسان کی محبت کو ختم نہیں کر سکتی تھی۔ بس ایک دن آئے گا جب وہ مکھوٹا اترے گا تو سارا جہاں دیکھے گا۔

اور آج وہ دن آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

مینا اور ٹنکو دونوں باورچی خانے کے فرش پر آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھے تھے۔ مینا نے اپنے اردگرد برتنوں کا ڈھیر سجایا ہوا تھا جسے وہ ساتھ ہی ساتھ صاف بھی کرتی جا رہی تھی۔ ٹنکو کے چہرے پر گزشتہ واقعے کی تشویش سی تھی۔

''بات سنو مینا۔''

''ہاں بولو۔''

مینا کو یوں مصروفیات سے ہٹایا جانا کافی ناگوار گزرا تھا۔ معصوم ٹنکو مینا کی مکمل توجہ کا منتظر تھا۔

مینا نے اپنی گونا گوں مصروفیات سے سر اٹھا کر جیسے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

''میں ایک بات سوچ رہا تھا۔''

''اچھا۔ بھلا بتاؤ تو کون سی بات؟''

مینا کو جیسے ٹنکو کے لہجے سے کام کی بات کی بو آئی تھی تو وہ ایک پل کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔ سارا کام وام روک کر متوجہ ہو گئی تھی۔

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیا اب قیس بھیا عجی باجی سے شادی نہیں کریں گے؟''

گھر کے دروازے بند کرتی ہوئی مہر اچانک ہی باورچی خانے کی طرف آن نکلی تھی۔ اور ٹنکو کی بات پر جیسے وہیں کھڑے کھڑے جم گئی تھی۔ وہ جو خود کو کام کاج میں حتی الامکان مصروف ظاہر کر کے ان کے سر پر ٹوٹنے والی قیامت سے انجان نظر آتی تھی۔ اب دوبارہ سے سب کچھ زندہ ہو کر کسی آسیب بھوت پریت کی طرح ناچنے لگا تھا۔

مینا نے پھر سے اسٹیل کی پلیٹ اٹھالی تھی۔ جیسے اس کام سے ضروری دنیا میں کوئی کام نہ ہو۔ ٹنکو کے سوال پر چہرے پر جیسے عجیب سی اداسی چھا گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتا۔ عجی اتنی اچھی ہیں کہ کوئی بھی ان سے شادی سے انکار نہ کرے۔ مگر پتا نہیں کیوں قیس بھیا نے منع کر دیا ہے۔''

ٹنکو کا جھکا ہوا سر جہاں آنکھوں میں چھوٹے چھوٹے آنسو بھر گئے تھے۔ مینا کی باتوں میں بردباری نظر آتی تھی۔ مہر نے اندر قدم رکھا تھا۔

''کیونکہ قیس تم لوگوں کی عجی باجی کو ڈیزرو ہی نہیں کرتا ہے۔'' مہر نے پھر سے ایک ''انگریزی لفظ'' کا سہارا لیا تھا۔

''ڈیزرو کیا ہوتا ہے؟''

سارے عرصے میں پہلی بار مہر کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

''ڈیزرو بہت خوب صورت لفظ ہے۔ معیار پر پورا اترنا۔ برابری کی بات۔ یوں سمجھو ترازو میں

تو لو تو ہر بات میں ہماری عجی بہت بھاری ہیں۔ اور وہ قیس۔ وہ ہمیشہ ہلکا ہی رہے گا۔''

مینا برتن بھول بھال گئی تھی۔ مہر نے بھی فرش پر نشست لگالی تھی۔

یہ کیسی بات تھی۔ یہ تو اچھی بات تھی۔ کہ کوئی انکار کرے۔ کوئی منع کر دے۔ ٹھکرا دے تو کہہ دو جاؤ بھاڑ میں۔ تم تو مجھے ڈیزرو نہیں کرتے۔

ٹنکو ہولے سے مہر کی طرف کھسکا تھا۔ جیسے بہت اہم بات کرنی ہو۔

''مہر باجی! میں آپ کو ایک بات بتاؤں؟''

مہر نے سوالیہ نظروں سے ٹنکو کو دیکھا تھا۔

کستوری محلے کا ٹنکو پہلے جھجکا، پھر شرمایا اور پھر مسکایا۔

''اگر۔ اگر عذرا باجی زیادہ اداس ہوئیں۔ یا پریشان ہوئیں کہ ان سے اب شادی کون کرے گا تو۔ آپ انہیں بتا دیجیے گا۔''

مہر نے حیران ہو کر اس چھوٹے لڑکے کو دیکھا۔

چوکھٹ پر کلثوم بھی آن رکی تھیں۔ سامنے ہی سر جوڑے وہ تینوں فرش پر مزے سے بیٹھے تھے۔

''تو۔ آپ ان کو کہیے گا کہ ٹنکو ان سے شادی کرلے گا۔''

وہ سنجیدہ لہجے میں کہی گئی بات۔ وہ چھوٹے سے ٹنکو کی اتنی بڑی بات جیسے مہر کو اس واقعے کی قیامت سے کھینچ لائی ہو۔ اس نے لپک کر ٹنکو کو خود سے لگالیا۔

''ہاں ہاں مہر جی۔ ٹنکو جب بڑا ہو جائے گا ناں تو ہم عجی باجی کی ٹنکو سے شادی کر دیں گے۔''

مہر روتی تھی۔ پھر ہنستی تھی۔

اماں کلثوم جیسے کسی کیفیت میں آ گئی تھیں۔

انہیں آج احساس ہوا تھا کہ بے خبری میں مارے جانے والے لوگوں میں صرف ان کا اور ان کی عجی کا نام تھا۔ مہر ہوشیار تھی۔ مہر چالاک بھی تھی۔ وہ کبھی بھی غلط لوگوں پر اپنے جذبات اور احساسات ضائع نہیں کرتی تھی۔

مہر جیت گئی تھی۔

بس اب انہوں نے اس شخص کو پرکھنا تھا جو مہر کی زندگی میں آیا تھا۔

وہ غنڈہ۔وہ بدمعاش۔وہ لوفر۔وہ آوارہ۔

زمانے کے سارے کھوٹ اس میں جمع تھے اور اگر وہ بھی ٹنکو اور بینا کی طرح کھرا نکلا تو؟

بس یہیں سے بات شروع ہوئی تھی۔اطلس کی اور ہوشیار، چالاک اور موقع پرست مہر کی۔

☆......☆......☆

رومان اپنے بڑے گھر کی بڑی سی چھت پر چہل قدمی کرتے ہوئے اس چھوٹے محلے کی چھوٹی سی لڑکی کے بارے میں مسلسل سوچ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ سوچوں کو جھٹکنے کی تگ ودو میں بھی سلجھا ہوا سا نظر آتا تھا۔

عذرا عرف عجی۔کتنا عجیب نام تھا۔شاید بہت زیادہ عجیب۔اجو اپنے گھر کی کیاریوں میں سرسوں اور سورج مکھی کے بیج بویا کرتی تھی۔اور اس کے سامنے آکر تڑتڑ اس کو آئینے دکھایا کرتی تھی۔

"ظاہری بات ہے سورج مکھی کے بیج سے سورج مکھی کے پھول ہی اگیں گے۔کچنار کے پھول تھوڑی لگیں گے۔"

کتنا دل چاہا تھا اس کا کہ وہ کھرپی لے کر مٹی کریدتی ہوئی عجی کے پاس بیٹھ جائے اور کہے۔

"کیا ہم دونوں مل کر کچنار کے پھول اگا سکتے ہیں؟"

شاید وہ تیکھے نقوش والی لڑکی آنکھوں میں بہت ساری حیرانیاں جما کر کھرپی اس کی گردن پر رکھ کر کہے گی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟ سٹھیا گئے ہو کیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے ایک عام سی مڈل کلاس لڑکی سمجھ کر فلرٹ کرنے آجاؤ گے۔"

اور وہ دھیرے دھیرے سے اس کے بالوں کے جوڑے سے وہ موتیا کا پھول نکال لے گا جو ٹنکو نے اس کی بے خبری میں اس کے بالوں میں ٹانک دیا تھا۔

رومان کو لگا تھا آسمان سے ایک قطبی ستارہ ٹوٹ کر کستوری محلے کی اس اپسرا کے بالوں میں اٹک گیا تھا۔

رومان بار بار سر جھٹکتا تھا۔ وہ بار سار سامنے آتی تھی۔

دماغ کو بھٹکانے کے لیے اس نے زرناب کو فون کیا تھا۔

''سنو۔ کافی پینے چلیں یا پھر لانگ ڈرائیو؟''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ کتنا ٹائم ہو گیا ہے۔ سوری مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔''

زرناب نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر تارے گننا شروع ہو گیا تھا۔ پہلے پہل بورنگ اور پھر اسے انتہائی دلچسپ مشغلہ لگا تھا۔ وہ مزے سے تارے گن رہا تھا اور رات بیت رہی تھی۔ بیتتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ٹنکو اور مینا کو سلا کر وہ اماں کلثوم کی طرف آئی تھی جو لاؤنج میں ہی ایک طرف جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ چہرے پر ہزاریں سوچیں تھیں۔ مہر کو دیکھ کر جیسے چونک گئی تھیں۔

''وہ ابھی تک دروازہ بند کر کے بیٹھی ہے۔ اس کی خبر لو۔''

مہر اطمینان اور سکون سے سامنے رکھے صوفے پر پیر ٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔

''ابھی اسے کچھ مت کہیں۔ جس کا غم ہو اسے اپنے غم کو منانے کے لیے نہیں روکتے۔''

اماں کی نظریں شاکی تھیں۔ آنکھ سے نا چاہتے ہوئے بھی آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔

''یہ تو ہم سب کا سانجھا غم ہے مہر۔ مجھے قیس سے یہ امید نہیں تھی۔ میں نے تو کبھی یہ فرق نہیں رکھا کہ وہ پرائی اولاد ہے۔ لیکن اس کو دیکھو میری بیس سال کی ریاضت کو ایک جملے میں پورا کر دیا اس نے۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے مہر۔ اس کے دل پر ہاتھ نہیں پڑا کہ عذرا کے سامنے کہہ دیا کہ شادی نہیں کر سکتا۔''

اماں پھپھک پھپھک کر رو رہی تھیں۔ ان کا رونا بنتا تھا۔ انہوں نے راتیں جاگ کر گزاری تھیں۔ اور اگلے بے مروت نے وہی راتیں ان کے منہ پر دے ماری تھیں۔

مہر نے انہیں بھی رونے دیا تھا۔

کستوری محلے پر اتری ہوئی وہ رات بھاری تھی۔ بہت وزنی۔

”میں کیا جواب دوں گی سب کو۔ کہ جس کو میں نے اپنی بیٹیوں کے نوالے چھین چھین کر پالا۔ آج اسی نے مجھے سب کے سامنے رسوا کر دیا ہے۔“

مہر نے چونک کر ماں کو دیکھا تھا۔ اماں کو اب بھی لوگوں کی فکر تھی۔ لوگوں کے سوالوں کی پروا تھی۔ شاید سب مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وسوسوں کا شکار۔ تو ہمات میں پڑی لوگوں سے خوف کھاتی ہوئی۔

مہر کی نظریں بند دروازے کی طرف اٹھی تھیں۔ جہاں عذرا عرف عجی جا کر گم ہوگئی تھی۔ تین گھنٹے بیت گئے تھے۔ وہ بلی کی سی چال چلتی ہوئی اس بند دروازے کی طرف آئی تھی۔

”عجی۔“

سرگوشی سناٹے میں دور دور تک گئی تھی۔ چھت پر بھی جہاں وہ ٹہل رہا تھا۔ کسی حد تک پریشان وہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ بھلا اتنا اچانک۔ یوں ایسے کہہ دینا بھلا ایسا کہاں ہوتا ہے کہ کسی کو سنبھلے بغیر، کوئی موقع دیئے بغیر، فیصلہ سنا کر سیڑھیاں چڑھ کر اس سارے منظر نامے سے رفو چکر ہو جانا۔

وہ جانتا تھا کہ مہر اسے نہیں چھوڑے گی۔ ابھی تو مہر عجی کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

”دروازہ تو کھولو۔“

مہر اب دروازہ بجا رہی تھی۔ اندر عجی بیڈ کے سہارے ٹیک لگا کر سارے آنسو خشک کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔

”ایک ضروری بات ہے۔ وہ کہہ کر چلی جاؤں گی۔ سچ میں، تمہاری قسم۔“

عجی نے کسی سچ کا۔ کسی قسم کا یقین کھو دیا تھا۔

”تمہارے لیے ایک پروپوزل لے کر آئی ہوں۔“

مہر نے لہجے میں سنسنی بھری تھی۔ عجی نے بے یقین نظروں سے بند دروازے کو دیکھا تھا۔ کہ وہ

زندگی کے مشکل دور سے گزر رہی تھی اور اب بھی مہر کو مسخریاں اور لطیفے سوجھ رہے تھے۔

''اچھا لڑکا ہے۔ تھوڑا بہت پیارا بھی ہے۔ کماتا نہیں ہے مگر وعدہ کیا ہے اس نے کہ کچھ وقت کے بعد کمانے بھی لگے گا اور تمہیں رانی بنا کر رکھے گا۔ اور تو اور۔ اشٹام پیپر پر لکھ کر دینے کو بھی تیار ہے۔''

کھٹ سے دروازہ کھلا تھا۔ لٹی پٹی ہوئی عجی سامنے کھڑی تھی۔

عجی کی آنکھیں صحرا۔ عجی کی آنکھیں بنجر!

مہر کی آنکھیں پانی۔ مہر کی آنکھیں دریا!

مہر نے تڑپ کر عجی کو گلے سے لگایا تھا۔

''وہ۔ وہ ٹنکو ہے ناں۔ اس کی سفارش لے کر آئی ہوں۔ سچ میں۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تم سے شادی کر لے گا۔''

عجی ہنس دی۔ عجی کھلکھلائی۔

اماں کلثوم جائے نماز چھوڑ کر ننگے پاؤں اس کی طرف دوڑی تھیں۔

''عذرا۔ میری دھی۔ تو ٹھیک ہے ناں؟''

سامنے کھڑی دھی نے پہلے ہنس کر دکھایا۔ پھر ٹھیک ہو کر بھی دکھایا کہ ماں کو تسلی رہے۔ ماں کے دل کو قرار رہے۔

''آپ کے سامنے کھڑی ہوں اماں۔ اچھی بھلی۔ ٹھیک ٹھاک۔ اور سچ کہتی ہے مہر، دنیا میں صرف ایک رشتہ تھوڑی ہوتا ہے۔ مرنے والوں پر فاتحہ اور آنے والوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔''

اماں کو لگا تھا مر جائے گی عجی۔ جوگن بن جائے گی۔ مگر یہاں تو یا حیرت۔ سامنے والی اگر صابر تھی تو انتہا کی تھی۔

عذرا نے پلٹ کر مہر کو دیکھا تھا۔

''ایک کپ چائے بنا دو گی؟''

''بس بری چائے بناتی ہوں پہلے بتا دوں۔'' مہر نے بتانا ضروری سمجھا تھا۔ کہ کہیں بعد میں وہ

اس کی بنائی ہوئی چائے اپنے پودوں کی کیاروں میں تھوکتی پھرے۔

عجی نے مہر کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"آج بری چائے پینے کا دل کر رہا ہے۔"

مہر بری چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کی طرف چل دی تھی۔

اماں عجی کو لاؤنج کی طرف لے آئی تھیں۔ دونوں کے درمیان سناٹا بولتا رہا تھا۔ پھر جھجک کر اماں نے عجی کو دیکھا۔

"تم کہو تو میں قیس سے بات کروں؟"

"کیا بات کریں گی؟"

"میں نے پالا ہے اسے عجی۔ اتنا حق تو رکھتی ہوں۔ کہتے ہیں ناں جنم دینے والے سے کہیں پالنے والا بڑا ہوتا ہے۔"

"رہنے دیں اماں۔ اس نے آپ کو چھوٹا کر دیا ہے۔"

عذرا نے ماں کے دونوں ہاتھ چوم لیے تھے۔ وہ جانتی تھی ماں کے دل میں درد کہیں بہت زیادہ ہوگا۔ وہ ماں تھیں۔ ماں کی ممتا کو کئی امتحان لازم ہوتے ہیں۔

کلثوم نے اچانک عجی کے ہاتھ پکڑے تھے۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں عذرا۔ مہر کو مت بتانا۔" انہوں نے ڈر کے مارے باورچی خانے کی طرف دیکھا جہاں وہ چائے کا قہوہ بنا رہی تھی۔

وہ چونک گئی تھی۔ حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جہاں بے بسی، درد اور جانے کتنے ہی احساسات رقم تھے۔

"بولیں اماں۔ بے فکر رہیں۔ میں مہر کو نہیں بتاؤں گی۔"

اماں کا کلیجہ پھٹ گیا۔ دل پارہ پارہ ہو گیا۔

"عجی! اتنا سب ہونے کے باوجود بھی میرے دل سے قیس کے لیے ممتا ختم نہیں ہو رہی۔ محبت

کم نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے پالا ہے اسے۔ جوان کیا ہے۔ بیٹوں کو جوان کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا عجی۔ اور ماؤں کے دل دریا ہوتے ہیں۔ اولاد کے سو قصور معاف کر دیتی ہیں۔ کل کو اگر میں نے بھی اسے ممتا سے مجبور ہو کر معاف کر دیا تو......تو......کیا تم بھی اپنی ماں کو معاف کر دو گی ناں؟''

اماں کلثوم ہاتھ جوڑے بیٹھی تھیں۔ عذرا عرف عجی سناٹے میں آ گئی تھی۔ ضبط کی انتہا پر پہنچ کر اس نے ماں کا ماتھا چوم لیا تھا۔

ماں تو رو رہی تھی۔ ماں کانپ رہی تھی۔ ماں جھجک رہی تھی۔

''اماں! میں نے آپ کو معاف کیا۔ اور آپ کے بیٹے کو بھی۔ میرا اللہ بھی آپ دونوں کو معاف کرے۔

عجی کیا تھی۔ ظرف کی مکمل تصویر۔ سب کی خاطر اپنی خوشیاں قربان کر دینے والی عجی۔ جو بیج بوتی تھی۔ پھول لگاتی تھی۔

آج عذرا عرف عجی نے اپنے آپ کو مٹی میں بو دیا تھا۔

دیکھتے ہیں عجی کے بیج پر کون سے پھول لگیں گے؟

سورج مکھی؟ سرسوں کے؟ کچنار کے؟ یا پھر......محبت کے؟

☆......☆......☆

تالاب والے گھر میں صبح اتر آئی تھی۔

گارڈن میں مالی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال چکے تھے۔ ڈرائیور گاڑیوں پر پانی پھینک رہے تھے۔ ڈرائیو وے کے پاس کچھ نئے گملے رکھے گئے تھے۔ زرناب زمان تیار شیار ہو کر خوشبوؤں میں مہکتی ہوئی ناشتے کی میز پر آئی تھی۔ مگر ہمیشہ کی طرح ناشتے کی میز اس وقت بھی میدان جنگ کا ماحول پیش کر رہی تھی۔ وہ کسی بھی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے وہیں پر ہاتھ باندھے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔

زینت اور زمان ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو مسلسل کوس رہے تھے۔

''کلاس۔ کلاس۔ اسٹینڈرز۔ اسٹینڈرڈ۔ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری کلاس۔ ایک بیوی کے ہوتے ہوتے دوسری عورتوں کے ساتھ شاپنگ کرنا۔ گھومنا پھرنا۔ گل چھرے اڑانا۔ یہ ہے تمہاری سو

کالڈ کلاس۔ جس میں تم مجھے ہمیشہ شامل نہ ہونے کے طعنے دیا کرتے تھے۔''

زمان کی نظر اب کہیں جا کر پیچھے کھڑی کوئی زی پر پڑی تھی۔ بیٹی کی آنکھوں میں بھی کچھ تھا۔

''تم ایک جاہل عورت ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ ہماری سوسائٹی میں یہ عام بات ہے۔ مرد عورت کی دوستی کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''اپنی ویڈنگ اینورسری کا دن کسی دوسری اپنی سے آدھی عمر کی لڑکی کے ساتھ گزارنا۔ اسے ڈیٹ کرنا۔ یہ عام بات نہیں ہے۔''

زینت کے لہجے سے زہر ٹپک رہا تھا۔ منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

''یہ دیکھیں۔ یہ کیا ہے۔ یہ تصویریں۔ یہ کریڈٹ کارڈ ہسٹری۔ کون ہے یہ لڑکی نیلم؟''

''تم ہوتی کون ہو مجھ سے یہ سارے سوال جواب کرنے والی۔ تم سے شادی بے جی کا فیصلہ تھا اور ان کے احترام کی وجہ سے میں خاموش رہا ورنہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا کہ تین حرف کہہ کر تمہیں اپنی زندگی سے فارغ کر دیتا۔ تم جیسی عورتوں کے ساتھ یہی کرنا چاہیے۔''

زرناب نے اب کرسی کا سہارا لیا تھا۔ کندھے پر رکھا بیگ اچانک بہت بھاری ہو گیا تھا۔

زینت اور زمان کے جھگڑے کا شور تالاب والے گھر کو مکمل اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔

بے جی باہر گملوں کی سیٹنگ کروانا روک کر اندر آئی تھیں۔

ڈرائیور اور باقی ملازمین بھی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

یہ سرکس اکثر لگا کرتا تھا۔ گھر کے سارے ملازمین بعد میں یہی سب لطیفوں کی صورت میں ڈسکس کیا کرتے تھے۔ اور ان کے یہ لطیفے زرناب خود بھی کئی بار سن چکی تھی۔

زینت نے کانچ کا گلاس توڑا تھا۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی سے عشق لڑاتے ہوئے۔''

زینت کی اب کہیں جا کر زرناب پر نظر پڑی تھی۔ زرناب زمان بھی اس جنگ کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ زمان کے حوصلے اچانک جواب دے گئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر زہر اگلتی ہوئی زینت کو

بازو سے پکڑا تھا۔

زمان کی گرفت سے وہ درد سے چلائی تھیں۔ ناخن چبھ گئے تھے۔

زمان نے اونچی آواز میں کہا۔

"ٹھیک کہا تم نے۔ بالکل ٹھیک۔ بیٹی کی عمر کی ضرور ہے وہ۔ مگر بیٹی نہیں ہے میری۔ میرا جو دل چاہے گا کروں گا۔ میں اپنی باقی زندگی تم جیسی نفسیاتی عورت کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ سمجھیں۔"

"تم نے مجھے نفسیاتی کہا۔ تم نے مجھے پاگل کہا۔ میں تمہیں بتاتی ہوں پاگل ہونا کیا ہوتا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گی نفسیاتی ہونا کسے کہتے ہیں۔"

ایک ایک کر کے ناشتے کی میز کی کراکری زینت نے توڑنی شروع کر دی تھی۔ جاپان سے منگوائے گئے مہنگے ٹی سیٹ۔ سب کچھ ٹوٹتا گیا۔ جوس چھلک گئے۔ آبنوسی میز سے جوس ٹپک رہے تھے۔

بے جی زینت کی طرف آئی تھیں۔

"چپ کرو زینت۔ عورتوں کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔"

وہ طیش سے مڑی تھیں۔

"ساری زندگی آپ مجھے چپ کرواتی آئی ہیں۔ زمان کو یہ پسند ہے تو یہ کرلو۔ زمان کو وہ پسند ہے تو وہ کرلو۔ خود کو زندہ درگور کر کے میں نے زمان صاحب کی خوشی کے لیے خود کو اتنا بدل لیا ہے کہ اب شیشے میں خود کو نہیں پہچان سکتی۔"

زینت اب زرناب کے سامنے آئی تھیں۔ زرناب کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں بھر لیا تھا۔

"یہ۔ دیکھو۔ ادھر دیکھو میری جان۔ تمہاری ماں کبھی بھی ایسی عورت نہیں تھی۔ یہ جو تمہارے سامنے کھڑی ہے ناں۔ یہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ تمہاری ماں کو تو تمہارے باپ نے اور تمہاری بے جی نے کب کا مار دیا ہے۔ زندہ درگور کر دیا ہے۔"

زمان اپنا کالر ٹھیک کرتا ہوا بے جی کے پاس آن رکا تھا۔

زری کی سلگتی نظریں باپ پر تھیں۔ پھر ماں پر آن رکی تھیں۔ جو واقعی پاگل پاگل سی نظر آتی تھیں۔

زرناب نے جھک کر فرش پر پڑی ہوئی تصویر اٹھائی تھی۔

وہ زمان کی نیلم کے ساتھ مسکراتے ہوئے گلے میں بازو ڈالے کھینچی گئی تصویر تھی۔

زمان نے زینت کی طرف اشارہ کر کے ماں کو مخاطب کیا تھا۔

"بے جی۔ اسے کسی اچھے سائیکالوجسٹ سے چیک کروائیں۔ اور اگر ہو سکے تو دو تین ہفتے کے لیے کسی پاگل خانے رہنے کے لیے بھیج دیں۔"

"میری ماں پاگل نہیں ہے۔"

تالاب والے گھر نے پہلی بار زرناب زمان کی وہ اونچی آواز سنی تھی۔ نوکروں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"شرم آنی چاہیے آپ کو یہ سب کرتے ہوئے۔ مجھے شرم آ رہی ہے آپ کو اپنا باپ کہتے ہوئے۔ بس کر دیں آپ لوگ۔ خدا کے واسطے بس کر دیں۔"

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے وہیں فرش پر گرتی چلی گئی تھی۔

زمان کچھ سیکنڈ رکنے کے بعد وہاں سے نکل گیا تھا۔

بے جی زرناب کے پاس آئی تھیں۔

"زرناب بیٹا! دیکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کب ٹھیک ہو گا؟ کیسے ٹھیک ہو گا؟ جھوٹ بولتی ہیں آپ۔ بچپن سے جھوٹ بولتی آئی ہیں آپ۔ اب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔ کبھی نہیں۔"

کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی زینت نے بازو سے کپڑا ہٹایا تھا۔

بازو کے گوشت میں زمان کے ناخن کھب گئے تھے اور ان سے خون رس رہا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کی نظریں ملی تھیں۔ قیامت بیت گئی تھی۔

ہائے ہائے۔ وہ لمحہ۔ ہائے ہائے وہ دکھ۔

جھٹکے سے بے جی کے بازو پرے کرتی ہوئی زرناب زمان باہر کی طرف بھاگی تھی۔

ایک اور طوفان تالاب والے گھر کو لپیٹ میں لینے کے لیے تیار تھا۔

☆......☆......☆

سورج مکھی کے پھولوں والے صحن میں صبح چپکے سے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ کیونکہ رات کے واقعات کے بعد صبح کے دل میں بھی کئی ڈر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ باورچی خانے میں برتنوں کا شور معمول کی طرح سنائی دے رہا تھا۔ صحن میں بنائی گئی کیاریوں میں پانی بھی نظر آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا یا پھر بہت کچھ ہو گیا تھا۔

معمول کے مطابق قیس کو وقت پر استری شدہ کپڑے مل گئے تھے۔ آج کے دن پہننے والے بوٹ بھی پالش ہو کر اپنی جگہ پر پڑے ہوئے لشک رہے تھے۔

وہ تیار شیار ہو کر سیڑھیاں کھٹ کھٹ کرتا ہوا نیچے آیا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ابھی بھی نہیں باندھی گئی تھی کیونکہ یہ کام بھی عذرا کیا کرتی تھی۔ جب وہ ٹائی کی ناٹ لگانے میں جھنجلانے لگا تھا تو فقط اس کی خاطر عجی نے انٹرنیٹ سے ٹائی کی ناٹ لگانا سیکھی تھی۔ وہ محبت کے لیے کوششیں کرنے والوں میں سے تھی اور اگر اس جیسیوں کو بھی محبت راس نہ آئے تو بندہ کیا کہے محبت کو۔ یہی کہ اے محبت تیری ایسی کی تیسی۔

ہزار کروڑ شکوے محبت کے نام!

اربوں کھربوں حوصلے عجی کے نام!

ناشتے کی میز خستہ پراٹھوں سے سجی ہوئی تھی۔

وہی روز کا اہتمام تھا۔ قیس خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ عجی ہوا کے جھونکے کی طرح آئی تھی اور اس کے سامنے بھاپ اڑاتا ہوا چائے کا کپ رکھ کر جانے لگی تھی کہ پھر کچھ خیال آنے پر جاتے جاتے واپس پلٹ آئی تھی۔

''سر اونچا کرو۔ ٹائی کی ناٹ لگا دوں۔''

وہ حیران پریشان سا سر اونچا کیے بیٹھا رہا تھا۔ عجی نے مزے سے ٹائی کی ناٹ لگائی تھی اور تعریفی نظروں سے اسے دیکھا۔

”دیکھا سیٹ ہوگئی ہے۔ اتنی سی دیر لگی ہے۔ اب تم خود سیکھ لوٹائی کی ناٹ لگانا۔“

سامنے پڑی چائے کی بھاپ آخری سانسوں پر تھی۔

”خود کیوں سیکھ لوں؟“

”میں ہر روز تھوڑی یہ کام کروں گی۔ کوئی تو میرے بعد ہونا چاہیے ناں جو تمہارے کام کرے، ورنہ خود ہی کر لیا کرو۔“

”تم کہیں جا رہی ہو کیا؟“

وہ چونکا تھا۔ سامنے کھڑی لڑکی کے اعتماد اور پُرسکون لہجے نے جیسے اسے زبردست انداز میں چونکایا تھا۔

”ہاں۔ جا رہی ہوں۔“

گفتگو گول پکڑتی جا رہی تھی۔ تو وہ سامنے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

سامنے بڑی پلیٹ میں ٹنکو اور مینا بسکٹوں کا چورا چھوڑ کر گئے تھے۔ اب وہ وہی بسکٹوں کا چورا مزے سے پھانک رہی تھی۔

”شادی کر رہی ہوں ناں۔“

ٹھنڈی چائے پیتے ہوئے قیس کو اچھو لگا تھا۔ عجی کی بات نے جیسے اسے سناٹے میں دھکیلا تھا۔

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ کیا کہہ رہی ہو تم۔“

”سارے حواس ٹھکانے پر ہیں۔ بے فکر رہو۔ تم نے ہی تو کہا تھا اماں سے کہ پہلے عذرا کی شادی کر دیں تو میں نے بھی تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اماں سے کہہ دیا ہے کہ جو بھی پہلا رشتہ آئے ہاں کر دیجیے گا۔“

اگلی جیسے اپنے سکون اور پُراعتماد انداز سے سامنے والے کو چوٹ پہنچانا چاہتی تھی، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ چوٹ کھانے والوں میں سے تھی۔ تبھی بار بار بس چوٹ کھا رہی تھی۔

”کیوں خود کو نقصان پہنچا رہی ہو۔ باز آ جاؤ عذرا۔ تمہیں کوئی بہت اچھا انسان مل جائے

گا۔ یوں سمجھنا میں تمہارے قابل تھا ہی نہیں۔"

نرگسیست پسند شخص نے پہلی بار کوئی خود کو یہ کہنے پر مجبور کیا تھا۔

مہر موقع واردات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چوکھٹ میں آ کھڑی ہوگئی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے قیس۔ یہ تمہارے قابل نہیں ہے۔ ہیرے کے ساتھ کوئلہ بھی جچتا ہے بھلا۔ زیرو سے ضرب کھاؤ گی تو زیرو ہو جاؤ گی لڑکی۔"

مہر پاس ہر مرض کا توڑ تھا۔ اور قیس کے تو ہر مرض کی دوا اچھے سے جانتی تھی۔ قیس نے جل کر اسے دیکھا۔

"تم ہمارے معاملات سے دور رہو مہر۔"

مہر تو خوب ہنسی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے تالی بھی بجائی تھی۔

"ہمارے معاملات۔ قیس میاں! طبیعت تو ٹھیک ہے؟ کہو تو کستوری محلے کے طبیب کے پاس لے جاتی ہوں۔ اب آپ ہمارے نہیں رہے قیس اعجاز صاحب۔ اب آپ صرف اماں کے پالتو بیٹے ہیں اور بس۔"

لفظ "پالتو" ایک چابک تھا قیس کو زناٹے دار تھپڑ کی طرح سرخ کر گیا تھا۔ وہ کرسی کو ٹھوکر مار کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سمجھتی کیا ہو تم خود کو۔ بہت لمبی زبان ہے تمہاری۔"

"میری زبان لمبی ہے قیس بھیا۔ آپ کے تو ہاتھ لمبے ہیں۔ کہیں سے کہیں پہنچ رہے ہیں۔"

مہر کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا تھا۔ جیسے وہ سب جانتی تھی۔

قیس ٹھٹک گیا تھا۔ کہیں وہ اس کی زری کی طرف متوجہ ہونے والی کوششوں کی بھنک تو نہیں پا گئی تھی؟

"کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟" وہ آتش بھٹی کی طرح سلگتا ہوا مقابل آ گیا تھا۔ دونوں ہی آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"بات پھیلے گی تو دور تلک جائے گی۔"

وہ گنگناتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عجی آنکھوں میں کرب لیے برتن سمیٹ رہی تھی۔ وہ بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکلا تھا تو تب ہی پیچھے پیچھے ٹفن تھامے کلثوم باہر آ گئی تھیں۔

”ٹفن لیتے جاؤ بیٹا۔“

وہ کلثوم کو دیکھ کر رک گیا تھا۔ کلثوم چپ رہ کر بھی جیسے بول رہی تھیں۔ وہ ہولے ہولے سے چل کر ان کے قریب آیا تھا۔

”مجھے معاف کر دیں۔ مجھے شاید بہت پہلے ہی آپ کو سب سچ سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ آپ جانتی ہیں نا کہ مجھ میں اور عذرا میں بہت فرق ہے۔ سوچ میں۔ زندگی گزارنے کے انداز میں۔ کوئی بھی مماثلت نہیں ہے ہم دونوں میں۔“

کلثوم نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا۔ جو نفع نقصان کی طرح ناپ تول کر جملے بول رہا تھا۔ اونچے قد کا وہ جوان لڑکا جس کو انہوں نے دن رات کاٹ کر جوان کیا تھا۔ جس کو دیکھنے کے لیے انہیں سر اٹھانا پڑتا تھا۔

بھیگی آنکھیں شیفون کے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے وہ جیسے بمشکل بول پائی تھیں۔

”میں نے تو کبھی فرق نہیں رکھا بیٹا، اپنی تینوں اولادوں میں۔ باقی جانتی ہوں رشتوں میں دل کی مرضی نہ ہو تو نہیں جوڑنے چاہئیں۔ پیوند تو ٹاٹ میں لگتے ہیں۔ رشتوں میں تو جوڑ لگتے ہیں۔ یہاں تو بات جوڑ توڑ سے بھی کہیں آگے نکل گئی ہے۔ خیر۔ تم آرام سے دفتر جاؤ۔ ایک دو روز تک حالات معمول پر آ جائیں گے۔“

مدھم لہجے میں آنسو صاف کرتے ہوئے اور ٹفن بائیک پر لٹکا کر کلثوم واپس پلٹ رہی تھیں۔

”کیا پکایا ہے آج چچی؟“

”تمہاری پسند کے کریلے گوشت ہیں۔ رات بھی تم نے نہیں کھائے تھے تو تفن میں رکھ دیے ہیں۔ دفتر میں کھا لینا۔“ ہدایات دیتے سر ہلاتے ہوئے وہ واپس پلٹ گئی تھیں۔

کھڑکیوں کے پاس کھڑی عجی کے ہونٹ آج بھی آیت الکرسی پھونکنا نہیں بھولے تھے۔ وہ ٹفن

سیٹ کرتا ہوا بائیک لے کر نکل گیا تھا۔

جیسے ہی عذرا پلٹی تھی سامنے ہی کھرپی لے کر ٹنکو کھڑا تھا۔

"بہت برے ہیں ناں قیس بھیا۔"

"نہیں۔ وہ تو بہت اچھے ہیں۔ بری تو میں ہوں۔"

ٹنکو کو یہ بات ذرا بھی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ تیزی سے عجی کی طرف آیا۔

"نہیں نہیں۔ آپ تو بہت اچھی ہیں۔ پیاری بھی۔ آپ فکر مت کریں کہ آپ سے کوئی بھی شادی نہیں کرے گا۔ میں ہوں ناں۔"

وہ یقین دہانی عذرا کو ہنسا کر رہ گئی تھی۔

"سچ میں؟ تمہاری اماں مجھے بہو بنانے پر راضی ہو جائیں گی کیا؟"

"ہاں ناں۔ بالکل ہو جائیں گی۔ وہ بیمار ہیں، ہسپتال سے آجائیں گی تو میں بات کروں گا۔"

وہ بردبار سا شخص بنا ہوا اپنا پروپوزل اداس لڑکی کے سامنے رکھ رہا تھا۔

عجی نے اس کے بال بگاڑے تھے۔

"ابھی تم بہت چھوٹے ہو ٹنکو۔ کم بخت دل کے معاملات سے انجان۔ اللہ تمہیں کسی ایسے صدمے کے حوالے نہ کرے کبھی۔"

وہ وہیں صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی تھی۔ کسی بھی کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اماں اور مہر نے بھی اسے وہیں بیٹھا رہنے دیا تھا۔ دل کی چوٹ بھرنے میں وقت لیتی ہے۔ آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے کھرنڈ جمتے ہیں۔ مگر دل کے خسارے اور زیاں کا احساس دل کے کسی چور خانے میں پھر بھی زندہ رہتا ہے۔

☆......☆......☆

اطلس بدمعاش پہلی بار محبوب کے در پر آیا تھا۔

ماتھے پر پسینے پھوٹ پڑے تھے۔ بار بار ہاتھ مسلتا تھا۔

پورے پچیس سے تیس منٹ وہ دستک کے لیے پر تولتا رہا تھا اور پھر دھیرے سے وہ دستک

دروازے سے ہوتی ہوئی اماں سے کسی بحث میں الجھی ہوئی مہر تک پہنچی تھی اور وہیں وہ بحث ادھوری چھوڑ کر ٹھہر سی گئی تھی۔

چند ہی لمحوں کے بعد وہ دروازے کے پاس موجود تھی۔اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''کون ہے؟''

اطلس کا دل دھڑک گیا تھا۔وہ سامنے آتی تھی تو احترام سے نظریں زمین سے لپٹ چمٹ جاتی تھیں۔اب بولی تھی تو بدمعاش کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

''میں ہوں۔''

وہ ہلکی سہمی اور زیادہ گھبرائی ہوئی آواز مہر تک پہنچی تھی تو اس نے دھیرے سے در وا کر دیا تھا۔

وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔نظریں چراتا ہوا۔جیسے آنکھ اٹھائے گا تو پتھر ہو جائے گا۔

اطلس نے جھٹ سے پھل فروٹ والا تھیلا آگے بڑھایا۔

''یہ لے لیں جی۔آپ کے لیے۔''

مہر نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔وہ سامنے کھڑے لڑکے کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھ رہی تھی۔تھوڑا بہت گھور بھی رہی تھی۔

''تمہارے کان کی بالی کہاں گئی؟''

اطلس کے کان اس دھاتی بالی سے آزاد تھے۔جو اکثر وہ پہنے ہوئے کستوری محلے کے تھڑوں پر نظر آیا کرتا تھا۔

''جی۔وہ تو اتار کر پھینک دی ہے۔''اس نے معصومیت سے آگاہ کیا تھا۔

''کہاں پھینکی ہے؟''اگلی پریشان نظر آئی۔

''ہسپتال کے کوڑے دان میں۔''وہ مزے سے بتا رہا تھا۔مہر کو اس کے دماغی توازن پر تھوڑا شک ہونے لگا تھا۔

وہ جیسے کسی طالب علم کی طرح اپنی استانی کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

''اور تمہارا وہ مفلر کہاں ہے؟ جو تمہارے گلے کی زینت بنا ہوتا تھا؟'' اسے اب نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''وہ بھی اتار کر پھینک دیا ہے۔'' وہ مزید معصومیت سے بتا رہا تھا۔

مہر شدید حیران نظر آتی تھی۔ وہ تو واقعی کوئی پاگل اور دیوانہ نظر آتا تھا۔

''کیوں کیا ہے تم نے یہ سب؟'' اب پوچھ پڑتال اس نے شروع کر دی تھی۔

پہلی بار وہ آنکھیں اٹھی تھیں۔ چار ہوئی تھیں۔ محبت کے چشمے تھے جو ابل ابل کر گرتے تھے۔

''آپ کی وجہ سے۔ آپ کو یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا ناں۔''

ایک پل کو لگا تھا کہ گھر کے صحن میں عجی کے بوئے گئے سورج مکھی کے بیج پھوٹ پڑے تھے۔

اندر سے اماں کی آواز آئی تھی۔

''کون آیا ہے مہر؟''

''اماں! مہمان آیا ہے۔''

''تو اندر لے آؤ۔ باہر کیا سوال جواب لینے کھڑی ہوگئی ہو۔''

مہر ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑا رہا تھا۔ جیسے اسے اس اعزاز کی توقع نہ تھی۔

''میں۔ اندر۔ کیسے؟''

''مہمان ہو تم۔ مہمانوں کی عزت کی جاتی ہے۔ بیٹھک میں بٹھایا جاتا ہے۔ چائے شربت سے تواضع کی جاتی ہے۔''

وہ جیسے ہنس کر بول گئی تھی۔

وہ دھیرے سے سر ہلاتا ہوا اندر آیا۔

''اماں! کیسی ہیں اب؟''

''بہتر ہیں۔ گھر لے آیا ہوں۔ کشمیرن بوا ہیں ان کے پاس۔ میں نے سوچا آپ کا شکریہ ادا کر آؤں اور مینا ٹنکو کو بھی لے آؤں۔ دونوں نے بہت تنگ کیا ہوگا ناں آپ کو۔''

مہر نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا تھا۔ دونوں بیٹھک میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ سامنے کرسی پر

سمت کر بیٹھ گیا تھا۔ ہاتھ میں تھاما ہوا پھل فروٹ کا تھیلا بھی سامنے رکھ دیا تھا۔

"شکریہ اپنے پاس رکھو۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

کچھ دیر بعد اماں کلثوم کی معیت میں مینا ٹنکو بھی وہاں آ گئے تھے۔ دونوں دوڑ کر بھائی سے لپٹ گئے۔ وہ شدت سے دونوں کے ہاتھ اور پیشانی چوم رہا تھا۔ اطلس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کلثوم نے غور سے اس لڑکے کو دیکھا۔

بال تازہ تراشے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ جیسے ابھی حجام کی دکان سے آ رہا ہو۔ کانوں میں پہنی گئی بالی کے نشان ابھی بھی تازہ تھے۔ قمیص کے کف بند تھے۔ خود پر عطر چھڑک کر آیا تھا۔ بیٹھک میں مردانہ خوشبو پھیل گئی تھی۔

"تمہاری اماں کیسی ہیں اب؟"

رسمی سلام دعا کے بعد اماں نے پوچھا اور وہ تفصیل سے انہیں بتانے لگا۔ بار بار نظریں چراتا تھا۔ وقفے وقفے سے محبت پاش نظریں بہن بھائی پر ڈالتا تھا۔

تب ہی چائے کی ٹرے سجائے عجی کے ساتھ مہر اندر داخل ہوئی تھی۔ ٹنکو اطلس کی گود میں گھسا جا رہا تھا۔

"آپ کو پتا ہے عجی باجی بہت اچھی ہیں۔ آپ سے بھی زیادہ اچھی۔"

وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔ مہر نے ٹنکو کو گھورا تھا۔

"کل تک تو میں سب سے اچھی تھی۔ اور آج عجی باجی کیسے سب سے اچھی ہو گئیں۔"

مہر نے چائے بنا کر پیش کی تھی۔ وہ چائے کا کپ تھامے چھوٹی چھوٹی چسکیاں لیتا رہا تھا۔ کلثوم نے ایک بار بھی اسے مہر کو گھورتے نہیں دیکھا تھا۔

"کیا کرتے ہو تم؟ کوئی کام وام؟"

کلثوم نے پہلا سوال کیا تھا۔ عجی اور مہر کی نظریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔

"جی۔ اب سے شروع کروں گا۔"

”کتنا پڑھے لکھے ہو؟“

”جی۔ بارہویں پاس ہوں۔“

”کلرک تو لگ ہی جاؤ گے۔ ذرا ہاتھ پیر مارو۔ بیمار ماں کا ساتھ ہے۔ چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ ان کا بھی مستقبل بھی سنور جائے گا۔“

”جی۔ ضرور۔ کوشش کروں گا۔“

کلثوم کو محلے والوں کے سارے القاب جھوٹے لگے۔

سامنے بیٹھا ہوا وہ لڑکا کہیں سے بھی تو بدمعاش، لوفر اور آوارہ نظر نہیں آتا تھا۔

اس بار کلثوم نے سنبھل کر اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھ کر سوال داغا۔

”اماں تمہاری بیمار رہتی ہے۔ بہن بھائی کو بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ تو میرا مشورہ ہے کہ شادی کرلو۔“

چائے کا آخری گھونٹ حلق میں پھنسا تھا۔ اسے ایک دم اچھو لگا تھا۔ مہر کو گھٹن ہونا شروع ہوگئی تھی۔ عجی بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

لوفر نے پہلی بار گڑبڑا کر سامنے بیٹھی ہوئی مہر کو دیکھا۔ مہر نے روٹھے روٹھے انداز میں اماں کو دیکھا۔

”ایسے کیسے شادی کرلے۔ ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی۔ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرے گا۔ بے شک پرائیویٹ پڑھ لے۔ ساتھ کوئی چھوٹی موٹی نوکری کرلے۔ بعد میں تعلیم پوری کرنے کے بعد کوئی بڑی نوکری کرکے بڑا آدمی بن جائے۔“

وہ مہر کے خواب تھے۔ وہ اطلس کی تعبیر تھے۔

وہ بس بول رہی تھی۔ وہ بس دیکھ رہا تھا۔

عذرا نے دونوں کو دیکھا۔ اور پہلی بار عذرا عرف عجی کو خبر ہوئی تھی کہ ایک بار مہر نے کیوں کہا تھا۔

”محبت ہو تو دکھائی دیتی ہے۔ محبت ہو تو سنائی دیتی ہے۔“

اطلس کی محبت دکھائی دیتی تھی۔

مہر بختیار کی محبت سنائی دیتی تھی۔

گھاٹے میں صرف عذرا بختیار رہی تھی۔ اس کی محبت تو گونگی بہری تھی۔ جس کے پاس بولنے کے لیے زبان نہیں تھی اور نہ ہی سننے کے لیے کوئی سماعتیں۔

☆......☆......☆

نیلم ریسیپشن پر بیٹھی ہوئی للّی کے خوشبودار پھولوں کی خوشبو سانسوں میں اتار رہی تھی۔ زمان نے اسے یہ بکے ہر روز بھجوانا معمولات میں فرض کر لیا تھا۔ ابھی بھی وہ مسکراتے ہوئے زمان کو شکریہ کا ٹیکسٹ ٹائپ کر رہی تھی۔ جب زرناب زمان سخت غصے کے عالم میں دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ ہیل کی کھٹ کھٹ سے دفتر کا فرش گونج رہا تھا۔ اس کے انداز و اطوار سے یہی لگتا تھا جیسے وہ سخت غصے کے عالم میں وہاں آئی تھی۔

پچھلے کچھ عرصے میں وہ پل پل موڈ بدلتی تھی۔ زمان اور زینت کی زندگی کے سارے مسئلے ان کی اولاد کے سامنے آئے تھے۔ ابھی بھی وہ سخت غصے و طیش کے عالم میں نیم کے سر پر پہنچی تھی۔

دفتر کے مین دروازے سے باہر کی ڈیلی گیشن کے مہمانوں کو لے کر قیس اندر داخل ہو رہا تھا۔ سامنے ہی زمان صاحب بھی چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ تبھی سارے میں ایک زوردار تھپڑ کی گونج سنائی دی تھی۔

زرناب کے مارے گئے تھپڑ نے نیلم کو اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ زرناب زور زور سے چیخ رہی تھی۔

"کیسی لڑکی ہو تم۔ کیا ملے گا تمہیں کسی کا گھر برباد کر کے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں تم جیسی لڑکیوں کو۔ دولت کے لیے کر رہی ہوناں تم یہ سب۔ یہ لو۔ یہ بھی لو۔ کتنی دولت چاہیے تمہیں۔ سب رکھ لو۔"

زی نے اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کھول کر نوٹوں کی گڈیاں نکال نکال کر نیلم کی طرف اچھالنی شروع کر دی تھیں۔

آس پاس کا سارا منظر جیسے فریز ہو گیا تھا۔ سارا اسٹاف ہکا بکا کھڑا تھا۔ نیلم کے چہرے پر بے عزتی کے احساس سے سرخی چھا گئی تھی۔ زمان دوڑ کر وہاں پہنچا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم۔"

"ہاں۔ پاگل ہوگئی ہوں میں۔ اور میری ماں بھی۔ آپ نے اس لڑکی کے ساتھ مل کر ہماری زندگی برباد کی ہے۔"

"جسٹ شٹ اپ۔ ہوش میں آؤ۔ کیوں تماشا بنا رہی ہو۔ اپنا بھی اور میرا بھی۔"

"تماشا تو آپ بناتے آئے ہیں ڈیڈ۔ ہمارا۔ ہمارے خاندان کا۔"

"ابھی کے ابھی جاؤ تم یہاں سے۔ گھر جاؤ۔ ڈرائیور۔ ڈرائیور۔"

زمان چیخ چیخ کر ڈرائیور کو بلا رہا تھا۔ زرناب کی نظر للّی کے پھولوں والے بکے پر پڑی تھی۔ اس نے وہ بکے اٹھا کر فرش پر دے مارا تھا۔ للّی کے پھول دور دور تک بھر گئے تھے۔ زرناب جیسے غرائی تھی۔

"آپ بھیجتے ہیں ناں ہر روز اس کو فلاور بکے۔ آج تک آپ نے میری ماں کو تو کوئی پھول نہیں بھیجے۔ آپ نے تو اپنی ویڈنگ اینورسری بھی بھلا دی۔ آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں ڈیڈ۔ کیسے۔ وہ بھی اس دو ٹکے کی لڑکی کی خاطر۔ آخر کیا رشتہ ہے آپ کا اس کے ساتھ؟"

وہ چیخ رہی تھی۔ اونچا اونچا بول رہی تھی۔ لہجہ رندھ گیا تھا۔ آنسو لکیر کی صورت بہنا شروع ہو گئے تھے۔

قیس آس پاس لگنے والی بھیڑ کو ہٹا رہا تھا۔

تب ہی نیلم ڈیسک سے نکل کر ٹشو سے منہ سے بہنے والا خون صاف کرتی ہوئی سامنے آئی تھی۔ زرناب کے مارے گئے تھپڑ نے اسے کافی نقصان پہنچایا تھا۔ منہ سے نکلنے والا خون۔ عزت نفس پر لگنے والی چوٹ۔

"میں بتاتی ہوں تمہیں کہ ہمارا کیا رشتہ ہے۔ یہی جاننا چاہتی ہو ناں تم۔"

زرناب شاک کی کیفیت میں تھی۔ نیلم پلٹ کر سامنے آئی تھی۔ زمان جیسے ٹھہر گیا تھا۔ نیلم کو باز آنے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"نیلم۔ مت کرو۔ خاموش رہو۔"

نیلم نے زمان کا ہاتھ پرے جھٹکا تھا۔ للّی کے پھول نیلم کے جوتوں سے کچلے گئے۔ دفتر کے لوگ تماشائی تھے۔

''بیوی ہوں میں زمان کی۔ نکاح کیا ہے ہم دونوں نے۔''

دفتر کی سیلنگ جیسے زرناب زمان عرف زی پر گری تھی۔ وہ پورے قد سے گری تھی۔ حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ سارا وجود کانپنا شروع ہو گیا تھا۔

''جھوٹ۔ جھوٹ بول رہی ہو تم۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

وہ طیش سے اٹھی تھی۔ اس نے نیلم پر تھپڑ برسائے تھے۔ زمان نے جھٹکے سے زرناب کو نیلم سے دور کیا تھا۔ زرناب حواسوں میں نہیں تھی۔ وہ ڈیسک سے جا لگی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم۔ بہت ہو گیا۔ بیوی ہے یہ میری۔ تمہاری ماں نے اور تم نے مجھے مجبور کیا ہے یہ سب کرنے پر۔ اور مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے اس فیصلے پر۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم تینوں کے لیے بہتر ہو گا کہ جو فیصلہ میرے لیے بیس سالوں سے مشکل تھا اسے آج اور ابھی آسان کر لیتا ہوں۔''

زمان کو سب بھول گیا تھا۔ رشتے ناتے۔ دنیا دفتر۔ لوگ سب کچھ۔

وہ مرد تھا۔ غیظ و غضب میں پڑا ہوا۔

سامنے نیلم جیسی ترغیب دیتی ہوئی عورت تھی۔ جس کی ایک ہی رٹ تھی کہ آر یا پار؟

نیلم یا پھر زینت؟

دور تالاب والے گھر میں ایک بطخ کا جوڑا ڈوب گیا تھا۔

سب حیران تھے۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟

زینت نے فون کان سے لگایا تھا۔

دفتر کے تماش بینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ نیلم کے چہرے پر فاتحانہ چمک تھی۔

زمان کی زبان سے سرسراتے ہوئے سانپ جیسے جملے نکلے تھے۔ جنہوں نے تالاب والے گھر کی مالکن کو ڈس لیا تھا۔

''میں زمان ملک پورے ہوش و حواس میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔'' زمان کا لہجہ سخت سے سرد ہوتا گیا۔

آس پاس کھڑے لوگ سرعت سے وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔

نیلم نے زمان کا بازو تھاما تھا اور جمیل کی ٹک ٹک سے زی کے دل پر نشان کھبوتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

تالاب والے گھر میں بیٹھی زینت سر پیٹ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ کرلا رہی تھی۔

قیس دوڑتا ہوا زی تک پہنچا تھا۔ زرناب زمان ڈیسک سے دفتر کے فرش پر منہ کے بل گری تھی۔

زی قیس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ قیس ایمبولینس کو کال کرنے کے لیے چیخ رہا تھا۔

رشتوں کے جوڑ عجیب جگہ پر آکر ٹوٹ گئے تھے۔

رشتے پل صراب ہوتے ہیں۔ ایک جھٹکے سے ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔

ہائے ہائے زرناب۔ وائے وائے زرناب۔

قسط نمبر 6

کستوری محلے کی گلیوں میں وہی معمول کے مطابق رونق شونق تھی۔ رنگ ساز کے پاس رنگ رنگیلی چنریوں کے ڈھیر پڑے تھے۔

لال......زعفرانی......اناری......فیروزی......نارنجی!

وہ تینوں مزے سے گلی میں چلتے ہوئے جارہے تھے۔ اطلس نے مینا اور ٹنکو کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ پچھلے دنوں ہونے والی بارشوں کی وجہ سے کہیں کہیں دیواروں میں سیلن اتر آئی تھی۔ اور دیواروں کی درز میں سے ننھے ننھے پیپل کے پیڑ اگ آئے تھے۔

"ذرا میرے کچھ سوالوں کے جواب تو دیں۔"

ٹنکو کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا تھا۔ مینا کی ساری گھوریاں ناکام ہو گئی تھیں۔

"تم کبھی بھی گلیوں میں عدالت لگانے سے باز نہیں آؤ گے۔ تم نے پیچ چورا ہے میں ہی اپنے بڑے بھائی کو رسوا کرنا ہوتا ہے۔"

اطلس نے گھوریاں ڈال کر جیسے اسے باز رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر وہ ٹنکو تھا۔ جو کبھی بھی کسی کی نہیں سنتا تھا۔ بس دل کی سنتا تھا اور دل کی ہی کہتا تھا۔

"ذرا یہ تو بتائیے کہ مفلر کدھر گیا آپ کا؟"

"بھیڑ میں چل رہا تھا تو کوئی نشئی گلے سے اتار کر لے گیا۔" اطلس نے معصوم سا منہ بنایا تھا تاکہ ٹنکو کو ذرہ بھر ترس ہی آ جائے۔

"اور کان کی بالی کدھر کو گئی ہے؟"

مینا نے اس سوال پر کھو جنے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

پاس سے ہی مکئی کے سٹوں والی ریڑھی گزر گئی تھی۔ مگر دونوں کو ہی شاید اپنی عدالت زیادہ عزیز تھی۔

''اسپتال میں تھا تو انتظار خانے کے بنچ پر لیٹے لیٹے کہیں گر گئی ہوگی۔'' خالی کان کو چھوتا ہوا وہ خوب صورت سا بہانا بنا گیا تھا۔

''دکھ تو بہت ہوا ہوگا...... ہیں ناں؟''

''دکھ کی کیا بات بھلا...... سونے یا ہیرے کی تھوڑی تھی۔'' اس نے بات ہواؤں میں اڑا دی تھی۔ ہوائیں شرارت سے کچھ دیر تک ہنستی رہی تھیں۔

گلی کے نکڑ پر کچھ ننگے پنگے بچے کنچے کھیل رہے تھے۔ مینا دوپٹا برابر کرتے ہوئے سڑک پر دیکھتی کچھ سوچ رہی تھی۔

''پھر تو آپ کے لمبے بال بھی کوئی کاٹ کر بھاگ گیا ہوگا اور آپ کو خبر بھی نہ ہوئی ہوگی۔'' ٹنکو نے بذات خود اب بڑے بھائی کو بہانا فراہم کیا تھا۔

''ارے واہ! تم تو بہت سمجھدار ہوگئے ہو...... لگتا ہے مہر باجی نے تمہیں بہت کچھ پڑھا سکھا دیا ہے۔'' اطلس نے شرارت سے اسے متوجہ کیا تھا۔

مینا نے بھائی کا ہاتھ پکڑا تھا۔

اطلس نے پلٹ کر بہن کو دیکھا تھا۔

''وہ بہت اچھی ہیں بھیا...... آپ سے بھی زیادہ......!''

گھر کی چوکھٹ پر کھڑے تھے وہ تینوں...... وہی ویران آنگن...... بور سے خالی کھڑا ہوا آم...... منڈیروں پر بیٹھی ہوئی کووّں کی چند جوڑیاں......!

''ہاں مینا! اچھی ہے وہ...... سب سے اچھی...... سب سے مختلف...... مگر......'' اطلس کا سوال آدھا ادھورا رہ گیا تھا۔

وہ تینوں صحن میں آگئے تھے۔

"مگر کیا بھیا......؟"

ٹنکو نے اس کے ہاتھ کو ہلایا تھا......وہ جیسے جھجک گیا تھا۔

"تم لوگوں کے بھیا کے نصیب میں نہیں ہے وہ......تمہارے بھیا کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔"

"لیکن انھیں کچھ نہیں چاہیے......کہتی ہیں سچے دل اور سچی محبتیں کافی ہوتی ہیں زندگی جینے کے لیے......"

وہ ہنسا تھا......یا شاید رویا تھا۔

"باتیں کرتی ہے وہ......کچھ نہ کچھ تو دنیا سے ڈرتی ہی ہوگی......کل کو دنیا والوں کو کیا منہ دکھائے گی کہ کس غنڈے، موالی اور لوفر بدمعاش کو چن لیا ہے۔"

سرسوں والے گھر سے لے کر کستوری محلے کی سیلن زدہ گلیاں پار کرنے تک جیسے وہ حقیقت کا سفر طے کرکے آیا تھا۔ اسپتال کے فینائل زدہ ماحول کی مہک جیسے اب حواسوں پر طاری ہونے لگی تھی۔

ٹنکو اور مینا اماں سے چمٹ گئے تھے۔ ڈرپ لگی ہوئی تھی جس میں سے قطرہ قطرہ محلول گر رہا تھا۔

شام کی اذانوں کے سمے مینا نے سوجی بھونی تھی اور خوشبو چاروں طرف پھیلی تھی۔ وہ سوتے ہوئے نیند میں جیسے خوشبو کی مہک پا گیا تھا۔

ویسے بھی وہ میٹھے کا کافی شوقین تھا۔ مینا ایک چاندی کے پرانے برتن میں سوجی کے حلوے پر گلاب کی پتیاں سجا کر بھیا کے پاس لائی تھی۔

وہ چاندی کی پلیٹ میں سجے میٹھے اور اپنی سمجھدار بہن کو دیکھتا رہا تھا۔

"ان کی اماں نے سکھائی ہے اس سوجی کے حلوے کی ترکیب......مہر باجی نے بتایا کہ وہ اس حلوے کی ترکیب کبھی بھی کسی سے شیئر نہیں کرتیں، لیکن انھوں نے مجھے پاس بٹھا کر یہ بنانا سکھایا تھا......ذرا چکھ کر بتائیں کیسا بنا ہے؟"

آدھا سویا آدھا جاگا وہ حلوہ چکھ رہا تھا۔

صحن میں شام اتر آئی تھی۔

کمرے کے اندر سے ٹنکو کی کہانیاں جاری تھیں جو وہ اماں کو سنا رہا تھا۔

اطلس کے دل کو میٹھے کی لذت نے چھوا تھا۔

''یہ تو بہت مزے کا ہے مینو...... تم کتنی بڑی ہو گئی ہو چندا......''

چندا اٹھ کھڑی ہوئی تھی......

خالی پلیٹ بھائی کے سامنے سے اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر کچھ چونک کر پلٹی اور مڑ کر کہا تھا۔

''ایک بات کہوں؟''

''ہاں......سو باتیں کہو......''

''ایک بات کہنی ہے......یہی کہ وہ دنیادار ضرور ہیں......مگر دنیا والوں سے ڈرتی نہیں ہیں۔ بہت بہادر ہیں......صرف اللہ سے ڈرتی ہیں۔ آپ بھی اللہ سے ڈریں......اور مانگ لیں ان کو اللہ سے......!''

دوپٹا برابر کرتی ہوئی مینا باہر نکل گئی تھی۔ وہ حیرت زدہ بیٹھا رہ گیا تھا۔

شام رات میں ڈھلی اور چاند آسمان کی چوکھٹ پر تاروں کے ساتھ کھڑا ڈولتا رہا......!

☆......☆......☆

برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے وہ رات کا سیاہ حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے لگی کیاریوں میں چمپا کے پھولوں کی چمک پر کبھی کبھار نظر پڑ جایا کرتی تھی۔ اماں بہت بار اسے اندر بلا چکی تھیں۔ مگر عجی کو برآمدے کے پلر بہت پسند تھے۔ وہ ہمیشہ سے ہی ان کے ساتھ لگ کر مہاتما گوتم بدھ کا مجسمہ بنے بہت کچھ سوچتی رہتی تھی۔

مہر کو تو کئی بار ہنسی بھی آتی تھی۔

مگر آج ہنسنے کا دن تو نہیں تھا۔

اچار کی پھانک منہ میں رکھ کر چٹخارے لیتے ہوئے وہ عجی تک آئی تھی۔

”منتظر ہو اس کی؟“

عجی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

کتنی منہ پھٹ تھی وہ...... کبھی بھی کچھ بھی کہہ جاتی تھی۔

”ہمارے گھر کا فرد ہے وہ...... اس گھر میں چار عدد لوگ رہتے ہیں۔ گنتی پوری نہ ہو تو فکر کر لینی چاہیے۔“

”جانتی ہوں کہ تمہارا اور اماں کا اس کی فکر سے برا حال ہے۔ خیال رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہو۔“ اچار کا چٹخارا لیتی وہ جیسے گنگنائی تھی۔

عجی کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔

”اللہ نہ کرے۔ کبھی بھی کچھ بھی بول دیتی ہو تم......“

”اللہ نے زبان بولنے کے لیے ہی دی ہے۔ گونگی بن کر تو نہیں رہ سکتی ناں......“

”دل دکھانے والی زبان سے گونگا پن بہتر ہے۔“

مہراب دوسرے پلر کے ساتھ اٹک گئی تھی۔ نظر بھر کر بڑی بہن کو دیکھتی رہی تھی۔

”سنو......! تم کالا لباس نہ پہنا کرو۔“

”کیوں......؟“

”تم پر کالا رنگ بہت سوٹ کرتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں گم ہوئی دکھائی دیتی ہو۔ آنکھیں واضح نظر آتی ہیں...... دکھ سے بھری ہوئی...... تکلیف سے چور چور......“

عجی نے بات ہنسی میں اڑائی تھی۔

رات کا ڈولتا چاند تاروں سمیت لرز گیا تھا۔

”تم نے کب سے آنکھیں پڑھنا شروع کر دیں؟“

”جب سے تم نے آنکھیں چرانا شروع کر دیں۔“

آدھی باتیں ہوئی تھیں کہ باہر سے موٹر بائیک کی آواز آئی تھی۔

دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ملی تھیں۔قیس گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

عجی نے جیسے بھاگ کر اس کی طرف جانا چاہا تھا۔مہر تیزی سے آگے آئی تھی۔

''پلیز......نہیں......تم یہ حق کھو چکی ہو۔عزت نفس سلامت رکھو۔''

بہن نے بہن کی عزت نفس کو پامال ہونے سے بچانے کی تدبیریں شروع کردی تھیں۔سرسوں والے گھر کا اکلوتا مرد تھکے تھکے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔اور سیڑھیوں کے پاس ان دونوں کو دیکھ کر جیسے لمحہ بھر کے لیے تھم گیا تھا۔

مہر کی حساس ناک نے جیسے کوئی بو پالی تھی۔

''کہاں سے آرہے ہو؟اسپتال سے؟''

قیس نے حیرانی سے مڑ کر اپنی اس کزن کو دیکھا۔

تھکے ہارے دن میں پہلی بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی لکیر ابھری تھی۔

''تمہیں کیسے پتا؟''

''دواؤں کی بو آرہی ہے تم سے......بھبکے اٹھ رہے ہیں......کوئی نزلے زکام میں مبتلا انسان بھی اندازہ کرلے گا۔'' مہر نے تفصیل سے بتایا۔

قیس اور سیاہ لباس والی کی آنکھیں چار ہوئی تھیں۔

''ہاں......!اسپتال سے آرہا ہوں۔''

عجی ٹھٹک کر متوجہ ہوئی۔چہرے پر پریشانی آگئی تھی۔

''سب خیر ہے ناں؟ کیوں گئے تھے اسپتال؟''

مہر نے لتاڑنے والی نظروں سے پلٹ کر دیکھا کہ حق نہ رہے تو حق نہیں جتاتے......ورنہ......اگلا انسان عزت نفس پر پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیتا ہے۔

''زرناب اسپتال میں ہے......''

وہ دونوں چونک گئیں۔

''کیا ہوا اسے؟''

''نروس بریک ڈاؤن...... میں اس کے ساتھ اسپتال میں ہی تھا۔''

عجی کو دوست کی فکر پڑ گئی تھی۔ مہر کو اور طرح کی تشویش نے گھیر لیا تھا۔

''زی کی فیملی کہاں تھی؟ انہیں اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔''

قیس اندر کی طرف بڑھ گیا تو وہ دونوں بھی پیچھے پیچھے آ گئی تھیں۔

''فیملی نہیں رہی......''

لاؤنج میں وہ تینوں اکٹھے کھڑے تھے۔ زرد بلبوں پر پروانوں کے جھرمٹ جل جل کر گرتے رہے...... کلثوم نماز ادا کر کے ابھی آئی تھیں۔

''کیا مطلب......؟''

''زمان صاحب نے زینت صاحبہ کو ڈائیورس دے دی ہے۔''

عجی نے صوفے کو تھاما۔ گھر اور گھونسلے ٹوٹنے پر وہ یونہی پیلی پڑ جایا کرتی تھی۔

اماں تیزی سے مہر کی طرف بڑھیں۔ وہ انگریزی لفظ ''ڈائیورس'' ان کے لیے شناسا نہیں تھا مگر بیٹیوں کے چہروں سے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا تھا۔

''کیا ہوا ہے مہر......؟''

''طلاق ہو گئی ہے اماں...... زرناب کے والدین میں۔''

سرسراتے ہوئے الفاظ نے کلثوم کو بھی چپ کے حوالے کر دیا تھا۔

''ہائے اللہ......! بے چاری بچی...... بڑے لوگوں کے صدمے بھی بڑے ہوتے ہیں...... جانے کیا وجہ رہی ہو گی اس عمر میں یہ سب کرنے کی...... گھر بہت مشکل سے بنتے ہیں...... مگر گھر ٹوٹنے میں لمحے لگتے ہیں۔''

عجی فون اٹھا کر بار بار زی کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ مہر ہاتھ مسلتے ہوئے ٹہل رہی تھی۔ اماں نے

کھانا لا کر قیس کے سامنے رکھا۔ وہ چپ چاپ کھانا کھا رہا تھا۔

"اب بجی کے پاس کون ہے؟"

"رومان ہے اس کے پاس......"

وہ رات بے چینیوں بھری رات تھی۔ بجی ننگے پاؤں گھر بھی میں ٹہلتی رہی تھی۔ مہر نے ہی فجر سے اسے تسلیاں دی تھیں۔

"ہم صبح اسپتال چلیں گے زی کے پاس۔"

"وہ تو پہلے ہی اتنی مشکل میں تھی......اس کے والدین کی پوری زندگی آپس میں نہیں بنی مگر یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اچانک طلاق ہو جائے گی۔"

"طلاق اچانک ہی ہوتی ہے۔"

مہر نے جیسے دکھ سے کہا تھا۔ وہ پھر سے باہر پلر سنبھال کر کھڑی ہو گئی تھی۔

قیس اوپر چھت پر ٹہلتا رہا تھا۔

اور وہ دونوں زرد بلب کی روشنی میں صحن میں قیس کا سایہ دیکھتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

تالاب والے گھر کے احاطے میں ہی کہیں مٹی کھود کر مالی نے بطخوں کی جوڑی کے لاشے دفنا دیے تھے۔

اندر قدم رکھو تو زینت اپنا سامان باندھ چکی تھیں۔ چہرے مہرے سے سکون دکھائی دیتا تھا کہ وہ جو ہمیشہ کی جنگ تھی، آخرکار کسی نقطے پر آ کر اختتام پذیر ہوئی تھی۔

بے جی کو زینت کے پرسکون چہرے سے بار بار خوف آ رہا تھا کہ اگر اس نے صبر کر لیا تو زمان کو اس کی بددعا کی مار پڑے گی۔ تبھی وہ زینت کو روکنے کی کوششوں میں تھیں۔

"بات سمجھنے کی کوشش کرو زینت......ابھی تم جلد بازی سے کام لے رہی ہو۔ ہم کسی مفتی صاحب کے پاس جائیں گے، ان سے فتویٰ لیں گے۔ کوئی حل نکل آئے گا۔"

زینت الماریوں سے ایک ایک کر کے زیورات کے ڈبے باہر نکال رہی تھیں۔ زخمی نظروں سے پلٹ کر بے جی کو دیکھا۔

"یہ ظلم مت کریں بے جی...... آپ جانتی ہیں ناں ہم امیر لوگوں کی شادیاں اور بربادیاں دونوں ہی بڑے پیمانے پر ہوتی ہیں۔ زمان نے پورے شہر کے لوگوں کے سامنے مجھے اپنایا تھا...... اور آج اس نے شہر بھر کے سامنے مجھے چھوڑا ہے۔"

وہ سسکی تھیں...... وہ روئی تھیں۔

"میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں زینت...... میرے بیٹے کو دکھے ہوئے دل کے ساتھ کوئی بددعا مت دینا۔"

زینت کو روتے ہوئے جیسے عجیب سی ہنسی آئی تھی۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ...... رشتہ اور تعلق مجھ سے ختم ہوا ہے۔ آپ کا بیٹا ابھی بھی میری بیٹی کا باپ ہے...... میرا ظرف اتنا چھوٹا ہرگز بھی نہیں ہے کہ میں زمان کو بددعائیں دوں گی۔"

سامان گھسیٹتے ہوئے زینت باہر آ رہی تھیں۔

بے جی ان کے پیچھے پیچھے تھیں۔

گھر کے ملازمین گھر کے مختلف حصوں سے تانکا جھانکی کر رہے تھے۔

تبھی سامنے دروازے پر زمان کھڑا نظر آیا تھا۔

"تم یہی چاہتی تھیں ناں...... آج تو بہت خوش ہو گی تم۔"

زہر میں بجھا ہوا وہ لہجہ جیسے کسی پھول کی طرح زینت پر ضرب ڈال گیا تھا۔

"خوشی تو تمہارے ماتھے پر نظر آ رہی ہے۔ آج مجھ سے بات کرتے ہوئے کوئی سلوٹ نہیں ہے۔ سنا ہے کسی لڑکی سے خفیہ نکاح بھی کر چکے ہو...... تمہاری بیٹی کی عمر کی ہے۔"

بے جی چونکتے ہوئے تیزی سے سامنے آئی تھیں۔

سامنے ان کا بیٹا کھڑا تھا۔

ٹائی گلے میں لٹک رہی تھی۔ بیگ کندھے پر جھول رہا تھا۔

اب زندگی کے اس حصے میں سمجھ میں آیا تھا کہ کیوں جان، مال اور اولاد فتنہ ہوتی ہے۔

"یہ زینت کیا کہہ رہی ہے زمان......؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہے......اسی کے مجبور کرنے پر میں نے یہ سب کیا ہے۔"

مجبور کرنے والی سامنے کھڑے بہانے باز کی بات پر طنز سے ہنسی تھیں۔

"ارے ارے......دیکھو تو ذرا......اپنے دل کا کھوٹ میرے سر ڈال دیا۔ ماننا پڑے گا بے جی......آپ کا بیٹا سچا پکا فن کار ہے۔ باتوں باتوں میں کہانیاں گھڑ لیتا ہے۔ اس کلاس میں تو بالکل بھی معیوب نہیں ہے بیٹی کی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا......ہے ناں زمان صاحب......؟" زینت کا لہجہ شعلہ تھا......انگارہ تھا......آگ تھا۔

زمان تیزی سے آگے بڑھا تو زینت نے سرعت سے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

"یاد رہے......طلاق دے چکے ہو مجھے......تھپڑ مارنے کا حق بھی کھو چکے ہو۔ ایک تھپڑ مارو گے تو سو تھپڑوں کا حساب چکاؤ گے زمان صاحب۔"

زینت نے ہاتھ پرے جھٹکا تھا۔ زمان جیسے لڑکھڑا کر رہ گیا تھا۔

"تم جیسی عورتیں کبھی گھر نہیں بسا سکتیں......وہ صرف گھر برباد کرتی ہیں......تمہاری بیٹی بھی ایسا ہی کرے گی......جیسی ماں......ویسی بیٹی۔"

زرناب نے اسی وقت رومان کے سہارے تالاب والے گھر میں قدم رکھا تھا۔ کانوں میں باپ کے لفظ پڑے تھے۔ وہ لڑکھڑائی تھی......وہ نیلی پڑ گئی تھی۔

"جیسی ماں......ویسی بیٹی۔"

زینت اٹیچی کیس گھسیٹتے ہوئے باہر آئی تھیں۔

رومان کے ساتھ سہارا لے کر کھڑی ہوئی وہ زرناب زمان عرف زی تھی۔ پیلا پھٹک چہرہ......اندر دھنسی ہوئی آنکھیں......ہاتھوں پر کینولا کے زخم......! ماں بیٹی کی آنکھوں میں ایک ایک کر کے بہت

سارے کانچ ٹوٹ گئے تھے۔

"کہاں جارہی ہیں آپ؟"

"اپنے گھر......"

زینت نے مسکرا کر بیٹی کو دکھایا۔جیسے سب ٹھیک ہے۔

"کون سا گھر؟"

"میرے ماں باپ کا گھر...... طلاق کے بعد عورت اپنے میکے میں ہی تو جاتی ہے بیٹا...... ماں باپ کے پاس...... بھائی بھابھیوں کے پاس......"

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" وہ تیزی سے ماں کی طرف آئی۔

بے.جی کار پورچ میں آکر رک گئیں۔

رومان خاموش کھڑا تھا۔

وہ ان کے گھر کا مسئلہ تھا۔اور وہ ابھی ان کے گھر کا فرد نہیں ہوا تھا۔

زینت نے زرناب کا ہاتھ دھیرے سے جھٹکا تھا۔زرناب کو اندر کہیں تکلیف ہوئی تھی۔

"میں اپنے باپ کے گھر جارہی ہوں۔تم اپنے باپ کے پاس رہو۔"

زینت آگے بڑھ گئیں۔تیزی سے...... بغیر پیچھے مڑے...... کہ دیکھیں گی تو پتھر ہو جائیں گی۔

دھم سے زرناب فرش پر گری تو رومان اسے اٹھانے لگا۔

بے.جی ملازموں کو آوازیں دینے لگیں۔

گھر ایسے ہی اچانک ٹوٹ جاتے ہیں...... قطرہ قطرہ بھربھری مٹی کی طرح اپنی جگہ سے کھسکتے رہتے ہیں...... نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں...... اور پھر پورے قد سے گر کر ٹوٹ جاتے ہیں!

تالاب والا مکان سلامت کھڑا تھا۔پوری شان و شوکت سے!

مگر ہائے افسوس...... وہ گھر نہیں رہا تھا...... اب صرف مکان تھا۔

☆......☆......☆

برستی ہوئی بارش میں دونوں اسپتال میں خوار ہو کر آخر کار آٹو پر سوار ہو کر تالاب والے گھر پہنچی تھیں۔ مہر نے سر اٹھا کر اپنے سامنے اس شان وشوکت سے کھڑے گھر کو دیکھا تھا۔ یہ گھر پہلی نظر میں ہی سامنے والے کی توجہ کھینچ لیتا تھا۔

بارش تھمی تھی تو سارے میں ہلکی ہلکی سی خنکی پھیل گئی تھی۔ کمرے میں ہلکی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے آتی نم ہوا پردے کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی جیسے کوئی پرانی یاد آ کر دروازہ کھٹکھٹا رہی ہو۔

زرناب اپنے کمرے کے کونے میں رکھی اونچی، گہرے نیلے رنگ کی کرسی پر سمٹی بیٹھی تھی۔ اور اس کے ہاتھوں میں ایک پرانا فیملی فوٹو فریم تھا۔

جس پر وقت نے مٹی اور خاموشی دونوں کی تہ چڑھا دی تھی۔

عذرا کمرے میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے اس کی نگاہ زرناب کے جھکے چہرے پر پڑی۔ وہ جانتی تھی۔ یہ وہ زرناب نہیں جس کے قہقہے کبھی ان دونوں کی گفتگو کا پس منظر ہوا کرتے تھے۔

یہ کوئی اور تھی...... خاموش...... بھاری...... زرد اور اندر ہی اندر خالی ہوتی ہوئی......

"زرناب......!" عذرا نے دھیرے سے آواز دی۔

زرناب نے نظریں اٹھائیں اور عذرا کی طرف ایک زخمی سی مسکراہٹ بھیجی۔ وہ مسکراہٹ ایسی تھی جیسے کوئی زخمی پرندہ اڑنے کی آخری کوشش کر رہا ہو۔

"بیٹھو عذرا......!" زرناب نے اپنی بغل میں پڑا تکیہ برابر کرتے ہوئے کہا۔

عذرا اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے دونوں خاموش رہیں۔ صرف بارش کے بعد کی نمی اور کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا ان کے بیچ چلتی رہی۔

مہر نیچے بے جی کے پاس رک گئی تھی۔ اس گھر کے ہر فرد کو ایک سامع درکار تھا۔ پھر زرناب نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"تم جانتی ہو عذرا...... میں نے بچپن میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ "گھر" بھی ایک دن اجنبی ہو سکتا ہے۔"

عذرا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کیا ہوا ہے زرناب......! اب مجھ سے کچھ مت چھپاؤ......تم اندر ہی اندر گھل رہی ہو۔''

زرناب کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔اس نے تھوڑا سا رخ موڑا تاکہ عذرا اس کی کمزوری نہ دیکھ سکے، مگر آواز کی لرزش چھپ نہ سکی۔

''کل مام ڈیڈ میں طلاق ہوگئی......اور میں امید کر رہی تھی شاید سب ٹھیک ہو جائے جیسے فلموں میں ہوتا ہے۔لیکن حقیقت......؟ حقیقت......بہت خاموش ہوتی ہے......تلخ ہوتی ہے......

خاموش دروازے، الگ کمروں کے تالے، اور ایک ایسی خاموشی جس میں تم اپنی سانسوں کی آواز بھی سن سکو۔''

عذرا ساکت ہوگئی۔اس کے لبوں پر جیسے کچھ آ کر رک گیا ہو۔پھر وہ آہستگی سے بولی تھی۔وہ زندہ دل لڑکی کتنی مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''زرناب......! میں کچھ کہوں تو شاید کم لگے مگر میں یہاں ہوں۔ہمیشہ تمہارے ساتھ۔''

زرناب نے فرش پر نظریں گاڑ دیں۔اس کے قریب پڑی چائے کی پیالی سرد ہو چکی تھی۔جیسے وقت بھی رک گیا ہو۔

''عذرا......! کل رات جب مام اپنا اٹیچی کیس اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھیں تو میں نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔میں بس وہیں کھڑی رہی۔شاید اس لیے کہ اندر سے میں ٹوٹ چکی تھی......یا شاید میں مان چکی تھی کہ اب میرا اس گھر میں وہ مقام نہیں رہا، جو کبھی تھا۔''

اس نے لمبی سانس لی۔اور دوبارہ فوٹو فریم کو دیکھا تھا۔

بچپن کی ایک مسکراتی ہوئی تصویر......

مام......ڈیڈ اور وہ......!

''یہ تصویر جھوٹ ہے عذرا......اس میں جو ہنسی ہے، وہ اب بس ایک کہانی ہے۔''

عذرا نے فریم اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھ دیا۔

''نہیں......یہ جھوٹ نہیں ہے۔یہ وہ لمحہ ہے جو سچ تھا......جو ہمیشہ رہے گا۔تمہارے پیرنٹس کی

محبت شاید ختم ہو گئی ہو۔لیکن ان کی تم سے محبت نہیں ...... یہ تصویر تمہیں یاد دلانے کے لیے ہے کہ تم ایک ایسی روشنی ہو جس کے لیے دونوں اندھیروں سے لڑتے رہے...... اب تک ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارا...... شاید ہار گئے ...... لیکن تمہارے لیے جیتنے کی کوشش کی۔"

زرناب نے پہلی بار مسکرانے کی کوشش کی مگر آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے زخم کی گہرائی ظاہر کر چکے تھے۔

"عذرا...... ! کیا طلاق صرف دو انسانوں کے بیچ ہوتی ہے؟ یا پھر بچوں کے دل بھی اس کاغذ پر دستخط کے ساتھ ہی الگ ہو جاتے ہیں؟"

عذرا نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔وہ ہولے ہولے سسک رہی تھی۔

دروازے میں کھڑی ہوئی مہر آہستہ سے واپس پلٹ گئی۔

وہ دو سہیلیوں کی بات تھی۔

"میں نہیں جانتی زرناب...... لیکن میں جانتی ہوں کہ تم جتنی مضبوط آج ہو، شاید پہلے کبھی نہ تھیں۔تم نے تو ٹوٹنے کے باوجود امید کو زندہ رکھنا سیکھنا ہے۔اور میں تمہیں ایسے ہی نہیں چھوڑوں گی۔"

کمرے میں شام کی دھند داخل ہو رہی تھی۔چھت پر چلتی ہوا نے پردے کو پھر سے ہلانا شروع کیا۔اور باہر بارش کے بعد پرندوں کی آوازیں دوبارہ سنائی دینے لگیں۔شاید فطرت نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ کچھ طوفان اندر بھی آتے ہیں اور کچھ بارشیں صرف آنکھوں سے برسنے کے لیے ہوتی ہیں۔

زرناب جو اب تک ٹوٹے خوابوں میں پناہ ڈھونڈتی رہی تھی، آج عذرا کے ساتھ پہلی بار اس بوجھ کو لفظوں میں ڈھال پائی تھی۔اور وہ لفظ...... جنہوں نے برسوں سے دل کو گھیر رکھا تھا، اب قطرہ قطرہ اس کے اندر سے بہنے لگے تھے۔جیسے دل میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی ہو۔

مہر اس گھر میں گھومتی رہی تھی۔اور یونہی گھومتے گھومتے وہ بڑے ہال کمرے کی طرف آئی تھی جہاں رومان اپنی مام کے ساتھ بے جی کے دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔

رومان کی مام کافی اسٹائلش اور انگریزی لب و لہجے والی خاتون تھیں۔ان کے لہجے کا تذبذب

اور صاف گوئی وہیں سیڑھیوں کے پاس کھڑی مہر کو سنائی دی تھی۔

"بے جی......! پورے سرکل میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی ہیں...... گوسپس کر رہے ہیں لوگ...... زمان اور زینت کی طلاق نے صرف انہیں نقصان نہیں پہنچایا...... ایک گھر ٹوٹنے سے بہت سارے گھر نقصان اٹھاتے ہیں...... ہماری بھی سوسائٹی میں ایک عزت اور مقام ہے...... زمان کو اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے کچھ تو سوچنا چاہیے تھا۔"

ہال کمرے کی کھڑکیوں کے پار تالاب تھا۔

تالاب کا پانی شاید کافی دنوں سے نہیں بدلا گیا تھا۔

سارے میں بارش کے بعد ایک بو سی پھیل گئی تھی۔

رومان جوتے کی نوک سے فرش کریدتا رہا تھا۔

اوپر کمرے میں عجی نے اپنے لفظوں کے مرہم رکھنے شروع کر دیے تھے۔

مہر یونہی پھر سے سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی...... اور بڑے گھروں کے بڑے مسائل کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

شام کے سرمئی سرمئی سے سائے پھیل رہے تھے جب بھرپور دن گزار کر عذرا اور مہر نے گھر واپسی کا قصد کیا۔ زرناب بار بار ان دونوں کی مشکور ہو رہی تھی جبکہ وہ دونوں شرمندہ لگ رہی تھیں۔ رومان کی مام کب کی جا چکی تھیں۔

بے جی کے منع کرنے کے باوجود بھی عجی اس امریکن اسٹائل کے باورچی خانے میں زرناب کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے کچھ بنانے کے لیے آ گئی تھی۔

وہ بڑا گھر تھا اور وہاں کا کچن بھی جدید چیزوں سے اور مشینوں سے آراستہ تھا۔ ملازمہ کی مدد سے اس نے برنر آن کروایا تھا۔ چاول دم پر رکھ کر اور انڈے کا حلوہ بنا کر وہ فارغ ہی ہوئی تھی کہ وہ کچن کی طرف گھومتا گھامتا آ نکلا تھا۔

وہ رومان کے بالکل سامنے ہی کھڑی تھی۔ سب کی عجی ......!

"کافی ملے گی؟"

رومان نے جانے اس تک یا پھر ملازمہ تک اپنا پیغام پہنچایا تھا۔

عجی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کیا یہ وہی شخص تھا جو ہر بار اس سے بحث و تکرار میں الجھتا رہتا تھا۔ جانے کیوں قدرت بار بار ان دونوں کو مقابل لے آتی تھی۔

ہال کمرے سے مہر کی بے جی کے ساتھ باتیں بگھارنے کی آوازیں وقفے وقفے کے ساتھ آ رہی تھیں۔

"مجھے کافی بنانا نہیں آتی ......"

عذرا نے بہت ہی سپاٹ لہجے میں اگلے تک اطلاع پہنچائی۔

وہ چوکھٹ میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔ سر سے لے کر پاؤں تک اسے گھورا۔

"اتنی آسان تو ہے۔" کندھے اچکا کر کہہ دیا گیا تھا۔

وہ رخ موڑے سلاد کے لیے سبزیاں کاٹنے میں مصروف تھی۔

"جب اتنا آسان ہے کافی بنانا تو آپ خود کیوں نہیں بنا لیتے...... دوسروں کو زحمت ضرور دینا ہوتی ہے۔"

عجی کو خبر بھی نہیں ہوئی تھی کہ لہجے کی تلخی اگلے تک پہنچ گئی تھی۔ وہ جیسے کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔

"میرے لیے کافی بنانے سے آپ کو زحمت اٹھانی پڑے گی کیا؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"مطلب تو یہی تھا آپ کا......"

وہ جیسے یہ کہہ کر ہلکے سرد سے انداز میں چوکھٹ چھوڑ گیا تھا۔

عذرا بختیار کو بہت اچانک اور دھیرے سے وہ چوکھٹ خالی ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ خالی چوکھٹ کو بس دیکھتی رہی تھی۔ ساتھ کھڑی ملازمہ اسے متوجہ کر رہی تھی۔

''بی بی جی......! برتن لگادوں کیا......؟''

''ہاں لگادو۔''

وہ دوبارہ سبزیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ گاجریں اور کھیرے تیزی سے کاٹ رہی تھی۔ سر ہلا کر جاتی ہوئی ملازمہ کو اس نے آواز دی۔

''نسرین......! بات سنو......''

''جی بی بی جی......!'' وہ بے چاری پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ مبادا کہیں اس سے کوئی غلطی کوتاہی ہو گئی ہو۔

''مجھے بی بی جی نہ کہا کرو۔ مجھے عادت نہیں ہے۔ میرا نام لے لیا کرو......ویسے تو عذرا...... پیار سے عجی......''

ملازمہ ہولے سے مسکرا کر باہر نکل گئی تھی۔ اسے زرناب بی بی کی یہ والی سہیلی بہت اچھی لگی تھی۔ ملنسار اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ سی...... دل میں اترتی ہوئی...... دل کی بات کرتی ہوئی......قدرے انسان انسان سی......ورنہ اس گھر میں تو روبوٹ رہتے تھے۔

شام سے ذرا پہلے کھانے کی میز سج گئی تھی۔ وہ دونوں کھانا لگا رہی تھیں۔

مہر بے جی کے ساتھ ابھی بھی گفتگو میں مصروف تھی۔ اس نے عجی کی گھوریوں تک کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ کچھ فاصلے پر زرناب رومان کے ساتھ بیٹھی تھی۔

سب کھانے کی میز کی طرف آ گئے تھے۔ بے جی بار بار عذرا کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

''بیٹا! ہم تو کب سے ملازموں کے ہاتھ کے بنے کھانے کھا رہے ہیں...... وہ بھی بس نوکری کرتے ہیں......دل سے کھانا تو کوئی کوئی ہی بناتا ہے۔''

''ارے، اب ایسی بھی بات نہیں ہے بے جی، وہ تو میں نے خاص اہتمام نہیں کیا...... جو کچھ زی ہمارے گھر شوق سے کھاتی تھی، وہی کچھ بنایا ہے۔''

زرناب شاید پہلی بار ہولے سے مسکرائی۔ بے جی نے پیار سے پوتی کو دیکھا تھا اور پھر رومان کو

جو ابھی بھی بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہوا تھا۔

''بیٹا! بیٹھ جاؤ......کھانا کھاؤ......دیکھو تو عذرا نے کتنی محبت سے بنایا ہے۔''

وہ تب بھی اکھڑا اکھڑا سا کھڑا رہا۔

یونہی عجی کی نظر اٹھی تھی۔ آنکھوں میں بہت سارے شکوؤں کے دفتر جمع تھے۔ جنہیں پڑھنے کے موڈ میں وہ تو ہرگز بھی نہیں تھی۔

''جانتا ہوں بہت محبت سے بنایا ہے......مگر میرے لیے نہیں بنایا......تم انجوائے کروزی...... میں باہر لان میں ہوں، تھوڑا اسموک کرلوں۔''

وہ لان میں ٹہلتا رہا اور اسموکنگ کر کے دھوئیں اڑاتا رہا......اندر سے وقفے وقفے سے کانچ کے برتنوں کی آوازیں آتی رہی تھیں۔

آسمان صاف ہو چکا تھا اور نیلاہٹ کا عکس زمین پر پھیل گیا تھا۔ پام کے درختوں کی چوٹیوں پر کچھ پرندے بیٹھنے کی تگ و دو میں تھے۔ کچھ ہی دیر بعد زرناب ان دونوں کے ساتھ باہر آئی۔ ڈرائیور گاڑی نکال رہا تھا۔ سگریٹ کے ٹوٹے کو پرے پھینکتا ہوا وہ گاڑی تک آ گیا تھا۔

''میں انہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔'' اس نے ان کے قریب جا کر اعلان کیا تھا۔ عجی نے نظریں چرا لیں۔

''ہم خود گھر چلے جائیں گے......ڈرائیور ہے ناں......''

زرناب نے کندے پر ہاتھ رکھے۔

''رومان چھوڑ دے گا......وہ کہہ رہا ہے ناں۔''

مہر نے پاس کسی پودے سے پھول چرانے شروع کر دیے تھے۔ پھولوں کی چوریاں اکثر وہ کر لیا کرتی تھی۔

''ہمارا محلّہ اور وہاں کے لوگ انہیں پسند نہیں ہیں ناں......انہیں زحمت ہوگی۔''

رومان نے سلگ کر اسے دیکھا......وہ سمجھتی کیا تھی خود کو......بدتمیز لڑکی!

''مہمانوں کو ڈراپ کرنا بھی آداب میں شمار ہوتا ہے۔ اسے زحمت نہیں کہتے......مہمان تو

رحمت ہوتے ہیں۔آجائیں آپ دونوں......"

وہ رعب اور دھونس جماتا ہوا گاڑی کی فرنٹ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

وہ دونوں بھی سب سے مل کر پیچھے بیٹھ گئی تھیں۔

بارش پھر سے ہلکی ہلکی شروع ہوگئی تھی۔ بوندیں گاڑی کے شیشوں سے ٹکرانے لگی تھیں۔رومان اور مہر چھوٹی چھوٹی باتوں میں مصروف ہوگئے تھے۔

"آپ کی مام کیا کرتی ہیں؟"

"وہ ایک کالج میں پرنسپل ہیں۔"

"اور آپ کے ڈیڈ؟"

"وہ اپنا بزنس سنبھال رہے ہیں......میں بھی ان کے ساتھ ہوتا ہوں۔"

"آپ کی فیملی میں اور کون کون ہے؟"

"میرے پیرنٹس اور میں......بہت چھوٹی سی فیملی ہے۔"

اس دوران عذرا بالکل خاموش رہی تھی......مگر کان بند نہیں کرسکتی تھی تو جو کچھ بھی باتیں ہو رہی تھیں، اسے سننی پڑ رہی تھیں۔

"چلیں......زی کے آنے کے بعد آپ کی فیملی میں اضافہ ہوجائے گا۔"

وہ بس صرف مسکرایا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کستوری محلے کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں سے گزر رہے تھے۔مگر پچھلی بار کے برعکس آج ماتھے پر کوئی بھی شکن ڈالے بنا وہ مزے سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا کوئی انگریزی گانا گنگنا رہا تھا۔عذرا بختیار صدمے سے فوت ہونے کے قریب تھی۔

گھر آگیا تھا۔اور وہ دونوں اب نیچے اتر رہی تھیں۔

مہر نے ہی کھڑکی سے لٹک کر شکریہ کہا اور مہمان داری کے فرائض نبھائے۔

"اندر آئیں گے؟ آپ کو مزے کی چائے پلاتے ہیں۔"

وہ دھیرے سے بجی پر ایک کٹیلی نظر ڈال کر مسکرایا۔

”میں چائے نہیں پیتا......“

مہر نے پلٹ کر گپ چپ کھڑی بڑی بہن کو دیکھا۔

”ارے......کوئی مسئلہ ہی نہیں......عجی بہت اچھی کافی بناتی ہے۔“

وہ بات جیسے بارش کا سارا پانی لے گئی تھی۔ آس پاس سوکھا پھیل گیا تھا۔ خاموشی کے لمحوں نے سرعت سے دلوں پر حکومت کی تھی۔

کستوری محلے کی گلیوں میں اس مہنگی گاڑی میں بیٹھے شخص کا دل سستا ہو گیا تھا۔

رومان نے بس ایک نظر عذرا بختیار کو دیکھا۔

کیا کچھ نہ تھا اس ایک نظر میں......ہزار کروڑ شکوے......

وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا......

وہ وہیں گلی کے بیچوں بیچ کھڑی رہ گئی تھی۔

”اندر آئیں ناں......باہر کیوں برف کا مجسمہ بن کر کھڑی ہو گئی ہیں؟“

برف کا مجسمہ وہیں چکنا چور ہو کر پانی پانی ہوتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

کستوری محلے کے آسمان پر ایک شام کا تارہ ٹوٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اماں کے ہاتھوں سے ناریل کے تیل کی چمپی کروا کر وہ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ دونوں تھکے تھکے انداز میں اندر داخل ہوئیں۔ جہاں بھی عذرا اور قیس اکٹھے ہوتے تھے وہاں ہلکی آواز میں بات کی جاتی تھی۔

دیکھنے میں حالات معمول پر ہی آئے دکھائی دیتے تھے مگر دلوں کے اندر کہیں جوالا مکھی اب بھی قید تھے۔

مہر اماں کو زرناب کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کر رہی تھی۔

”دل پر ہاتھ پڑا زری کو ایسے دیکھ کر......پہچانی ہی نہیں جا رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے

تھے......شاید بہت روتی رہی ہوگی......زینت آنٹی گھر چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ زمان انکل نے پچھلے کئی ماہ سے خفیہ نکاح کیا ہوا تھا۔"

اماں کو نئے سرے سے رنج ہوا تھا۔

"دیکھو تو ذرا ان بڑے لوگوں کے مسئلے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ بھئی ہمیں تو اپنے چھوٹے گھروں کا سکون بہت ہے۔"

اماں کے اس فلسفے پر عجی دھیرے سے ہنسی۔

"اماں......! بڑے گھروں کا قصور تھوڑی ہوتا ہے کہ وہاں بڑے مسئلے ہوں۔ یہ تو زندگی کا کھیل ہے......سب کے لیے آسان نہیں ہوتی۔ سب کے لیے مشکل بھی نہیں ہوتی......دن رات پھرتے رہتے ہیں۔ پھر انسان جینا سیکھ جاتا ہے۔"

قیس نے گہری نظر اس پر ڈالی......ٹٹولتی ہوئی سی......

"تم سیکھ گئی ہو کیا؟"

عذرا نے پاؤں پسار لیے تھے۔ چہرے سے تھوڑا بہت سکون جھلکتا تھا۔

"انسان ہوں......کھرنڈ جمنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ ویسے بھی یہ دنیا جذبوں کی تجارت ہی تو ہے۔"

"بہت فلسفہ بول رہی ہو آج......"

مہر نے پلٹ کر گھر کے نافرمان مرد کو گھورا۔

"اس سے بھی مسئلہ ہے کیا؟ اب وہ جو بھی بولے، آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے......شادی سے انکار کر چکے ہیں آپ......تو سمجھیں ایسی باتیں اب زیب نہیں دیتیں آپ کو......"

جس مسئلے سے سرسوں کے گھر والے نظریں چرا رہے تھے، وہی مسئلہ مہر بھرے بازار میں سامنے لے آئی تھی۔

"تو سچی بات ہے ناں......شادی دل سے کی جاتی ہے۔ زبردستی کے تو سودے ہوتے ہیں۔"

وہ اماں اور عجی پر اپنی بات کا وزن ڈال گیا تھا۔

مہر نے لفظوں کی وزنی بوری اٹھا کر قیس کے اوپر واپس پھینکی تھی۔ وہ کوئی حساب باقی چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھی۔

''ہم تو جان گئے آپ کو...... نہ آپ شادی کی ذمہ داریاں اٹھانے لائق ہیں اور نہ ہی سودے طے کرنے کے...... دونوں باتوں میں زبان دی جاتی ہے۔ نفع کی ضمانت بھی...... آپ تو ٹھہرے بھگوڑے......''

مہر ہنسی تھی۔

کلثوم کا ڈھمو کا ہنسی کا دم گھونٹ گیا تھا۔

سامنے والا ڈھیٹ بن گیا تھا۔ مرد تھا...... خود غرض بھی تھا...... کبھی بھی کچھ بھی بن جایا کرتا تھا۔

''کچھ مت کہیں چچی...... اب مہر کی باتیں مزا دیتی ہیں مجھے......''

عجی دھیرے سے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ وہ پیچھے سے آواز دے رہا تھا۔

''سنو......! اچھی سی چائے تو بنا دو۔''

وہ دروازے میں کھڑی تھی...... کچھ یاد آ گیا تھا۔

''سنو......! کافی پیو گے؟''

مہر ہکا بکا تھی...... قیس خوش باش تھا۔ اماں ناریل کی بوتل کا ڈھکن بند کر رہی تھیں۔

باہر بارش تھی...... اندر ناریل کی خوشبو...... عجی بھیگ گئی تھی۔ آنکھوں کے ہزار شکوے جیسے دیواروں پر ثبت ہو گئے تھے۔ کستوری محلہ کافی پھینٹنے کی آواز سے گونجنے لگا تھا۔

کافی پیتے ہوئے اماں کو اطلس یاد آیا تھا۔

''ارے وہ شکل سے تو غنڈہ بدمعاش نہیں لگتا تھا...... معصوم صورت تھا۔ نہ گلے میں مفلر...... نہ کان میں بالی...... نہ شانوں پر بکھرے لمبے بال...... اور تو اور...... بے چارہ موسم کا پھل بھی لے کر آیا موسمبیاں اور چونسہ آم......''

مہر کافی کا کپ تھامے کھڑکی میں کھڑی تھی۔
بارش نے عجی کے پھولوں کی کیاریوں میں گدلا پانی بھر دیا تھا۔
''اماں! اسے غنڈہ بدمعاش مت کہا کریں۔''
''وہ کیوں بھلا؟'' اماں پھیکی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔
''اچھا نہیں لگتا ناں......''
''اے لو...... کس کو اچھا نہیں لگتا۔ کیا عجیب باتیں کرتی ہو...... پورے محلے میں مشہور ہے کہ تھڑوں پر بیٹھتا ہے۔ مشٹنڈوں کے پورے گروپ کا لیڈر رہے۔''
وہ کافی کا تلخ سپ لے کر میٹھی آواز میں بولی۔
''تھڑوں پر بیٹھنا چھوڑ چکا ہے۔ اور مشٹنڈوں کے گروپ کی لیڈر شپ سے بھی باہر ہو چکا ہے۔''
اماں نے حیران نظروں سے عجی کو دیکھا۔ جو رات کے اس وقت فریم لے کر بیٹھی تھی اور سلک کے کپڑے پر کچھ ٹانک رہی تھی۔ سلک کے کپڑے کی ساری چمک مہر کے چہرے نے کھینچ لی تھی۔
''بہت یاد آ رہی ہے مینا ٹنکو کی...... کتنی رونق تھی ان کی وجہ سے ہمارے گھر میں...... اور تمہیں پتا ہے ٹنکو کے لگائے سورج مکھی کے بیج پھوٹنے لگے ہیں۔''
مہر دوڑ کر عجی تک آئی تھی۔
''تم کہو تو چکر لگا ئیں کل...... ان کی اماں کی تیمارداری بھی ہو جائے گی...... ثواب ملے گا۔''
اماں نے گھور کر چھوٹی بیٹی کو دیکھا۔
''ثواب کمانے کے اور بھی بہت سارے طریقے ہیں...... ماں کو سکھ سکون دینا بھی ثواب میں شمار ہوتا ہے۔''
''ہاں تو...... ہر بار کوشش ہوتی ہے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔''
''قیس کے منہ پر جو تم نے الفاظ مارے ہیں، وہ میرے منہ پر لگے ہیں مہر۔''
وہ ٹھٹک گئی۔

تو اس کا مطلب وہ دل میں بات رکھ کر بیٹھی تھیں۔

کس مٹی کی بنی تھیں وہ......

''ابھی بھی آپ کو اس نافرمان شخص کی فکر ہے؟'' وہ صدمے سے نڈھال ہو گئی۔ سلک پر موتی ٹانکنے والی نے اس منظر کو غور سے دیکھا۔

''ہاں...... میں نے پالا ہے اسے...... جوان بیٹوں کو پالنا آسان تھوڑی ہوتا ہے۔''

''اس نے ماں نہیں سمجھا اماں آپ کو...... عجی کے رشتے سے انکار...... بھلا کیا کمی ہے ہماری عذرا بختیار میں......''

''تم ہماری فکر میں مت گھلو مہر...... میں نے اور اماں نے اسے معاف کر دیا ہے۔''

مہر پر پہاڑ گرا...... مہر پر آسمان گرا...... مہر پر قیامت ٹوٹی......

تبھی تو اگلا اتنے دھڑلے سے ناریل کی چمپیاں کروانے کے ساتھ ساتھ چائے کافی کی فرمائشیں بھی کر رہا تھا۔

سورج مکھی کی کیاریوں والے گھر میں اکثر فیصلے مہر کو علم میں لائے بغیر ہو جایا کرتے تھے کہ بقول ان کے کہ مہر کا بس چلے تو کسی کو معاف تک نہ کرے...... مہر کا بیر اونٹ کا بیر ہے۔ جو اپنے دشمن کے لیے غصہ اور بغض مدتوں سنبھال کر دل میں رکھتا ہے اور موقع ملنے پر دشمن کے سینے پر پاؤں رکھ کر کچل دیتا ہے۔

☆......☆......☆

رات کے آخری پہر زرناب کی آنکھ کسی انجان کھنکتے ہوئے قہقہے سے کھلی تھی۔ وہ ننگے پاؤں بیڈ سے اتر کر سیڑھیوں سے ہوتی ہوئی ہال کمرے تک پہنچی۔

جہاں سامنے بڑے سے ٹی وی پر کیٹ ونسلٹ کی کوئی فلم لگی ہوئی تھی۔ ہال کمرے کے صوفے پر نیلم اور زمان براجمان تھے۔

سامنے پڑے باؤل میں پاپ کارن پڑے تھے۔ سین میں کسی خاص سچویشن پر وہ دونوں ہنسنا شروع کر دیتے تھے۔

”ڈارلنگ......! مجھے ہالی وڈ سٹی دیکھنے کا بہت شوق ہے۔“

”تو میں نے کب منع کیا ہے دیکھنے سے......ہم ضرور جائیں گے۔“

زرناب کو جیسے نیلم کا وجود ایک بھوت کی مانند لگا تھا۔

وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ کانچ کا کوئی گل دان ٹوٹ گیا۔

زمان اور نیلم نے گردنیں موڑ کر پیچھے دیکھا۔

نیلم کے چہرے پر فاتحانہ چمک تھی۔

”آؤ......ہمیں جوائن کرو......شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ تم ہماری کمپنی میں بور نہیں ہو گی۔“

”نیلم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے......آؤ زرناب......بیٹھو یہاں......کب تک اس بے وقوف عورت کا سوگ مناؤ گی۔“

وہ پھٹ پڑی تھی......وہ چیخ پڑی تھی۔

”جسے آپ بے وقوف کہہ رہے ہیں، وہ میری ماں ہیں۔“

”نیلم بھی اب تمہاری ماں ہے......تم ہمارے سرکل میں نیلم کو انٹروڈیوس کروا سکتی ہو۔“

”یہ صرف آپ کی بیوی ہے......اور یہ ہمارے گھر کیا کر رہی ہے؟“

نیلم دھیرے سے زمان کا بازو ہٹا کر سیدھی ہوئی۔

’ھنی......یہ اب میرا بھی تو گھر ہے......ہم سب ایک فیملی ہیں۔ چاہے تو اس بات کا یقین کر دیا نہ کرو......“

”چلی جاؤ اس گھر سے......ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

”اچھا......کیا کر لو گی تم؟ ہاتھ اٹھاؤ گی؟ تماشا لگاؤ گی؟“

زرناب نے ایک ایک کر کے آس پاس کی چیزیں پھوڑنی شروع کر دی تھیں۔

بہت کچھ ٹوٹتا گیا......ڈیکوریشن پیسز......رشتے......دل......تعلق!

”دفع ہو جاؤ یہاں سے......ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گی۔ سمجھی......!“ وہ واقعی حواسوں

میں نہیں تھی۔

نیلم کو پہلی بار خوف آیا تھا۔

زمان آگے بڑھا۔

''زی...... ہوش میں آؤ...... کیا بے وقوفی ہے یہ......''

نیلم نے زمان کا بازو دبوچ لیا۔

''زمان! یہاں سے چلیں...... لگتا ہے یہ پاگل ہوگئی ہے۔''

وہ پاگل لگ رہی تھی...... وہ پاگل ہو رہی تھی۔

''میں...... میں تمہاری جان لے لوں گی۔''

پاپ کارن کا باؤل پھسلا تھا...... مکئی کے دانے بکھر گئے تھے۔

''نیلم! تم مائنڈ مت کرنا...... زی کے کچھ سائیکلوجیکل ایشوز ہیں...... ٹریٹمنٹ چل رہے ہیں...... ہم اپارٹمنٹ چلتے ہیں۔'' اس کا باپ اس عورت کو ساتھ لگائے ہال کمرے سے نکل گیا تھا۔

وہ وحشت کے عالم میں رومان کا نمبر ملا رہی تھی۔

دوسری طرف رومان کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

''ہاں بولو زی...... سب ٹھیک ہے ناں؟''

وہ اچانک رات کے اس پہر اس کی فون کال سے پریشان ہوگیا تھا۔

''تم...... مجھ سے شادی کرو گے؟''

وہ ٹھٹک گیا...... دماغ بھک سے اڑا۔

''کیا مطلب......؟ تم سے ہی شادی کروں گا ناں...... اور کس سے کروں گا۔''

''صبح ہوتے ہی ہم شادی کرلیں گے بس...... ڈیڈ کو لگتا ہے مجھے گھر بسانا نہیں آتا...... انہیں لگتا ہے ایک دن میں بھی طلاق لے کر گھر بیٹھ جاؤں گی۔'' وہ رو رہی تھی...... بلک رہی تھی۔ ہال کمرے کے فرش پر آلتی پالتی مارے وہ لرز رہی تھی۔

''تم کل......صبح ہوتے ہی مجھ سے شادی کرلو گے ناں؟''

وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

ٹوٹے ہوئے گھروں کے فرد بھی ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں......وہ فوراً خود کو جوڑنے کی تگ ودو میں لگ جاتے ہیں۔ وہ دنیا پر بہت کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ سارے ٹیگ اتار کر دور پھینک دینا چاہتے ہیں......زرناب زمان بھی اس وقت یہی کرنا چاہتی تھی۔

رومان چپ ہوگیا تھا۔ آج رات ہی تو اس کی مام سے بحث ہوئی تھی۔

''ہمیں ایک بار اس فیصلے پر سوچنا پڑے گا۔ اب وہ ایک طلاق یافتہ ماں باپ کی اولاد ہے۔ ہم دنیا جہان کی باتیں نہیں سن سکتے......یہ بروکن فیملیز کے بچے بہت ساری پرابلمز کا شکار ہوتے ہیں۔ تم بھی کوئی اور آپشن سوچو......فی الحال زرناب کو بھول جاؤ۔''

وہ ماں سے لڑا تھا......وہ ماں بیٹے کی جنگ تھی۔

زائرہ بیگم نے ساری زندگی اپنے گھر کے فیصلے کیے تھے اور آج تک کرتی ہوئی آئی تھیں۔ ان کی صحیح معنوں میں اس گھر اور وہاں کے مردوں پر حکومت تھی۔

رومان کشمکش میں تھا......دوسری طرف سے زی بار بار پوچھ رہی تھی۔ رومان کی خاموشی نے زی تک جواب پہنچایا تھا۔

وہ دھیرے سے کال کاٹ گئی۔ ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ کھینچ کر وہ آنسو صاف کرتی جا رہی تھی۔

تب ہی اس نے ایک اور نمبر ڈائل کیا تھا۔

کستوری محلے کی فضاؤں میں فون کی گھنٹی بجی تھی۔

قیس نے ہڑ بڑا کر وقت دیکھا تھا اور فون کان سے لگایا۔

''قیس......! تم مجھ سے شادی کرو گے؟''

رات شر تھی......رات شرار تھی......

ٹوٹے ہوئے رشتے اور ٹوٹے ہوئے کانچ دوسروں کو بھی زخمی کر دیتے ہیں۔ زرناب زمان نے

یہی کیا تھا۔ وہ حواسوں میں نہیں تھی۔

"ہاں......! میں تم سے شادی کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کل صبح ہوتے ہی ہم شادی کر لیں گے۔"

قیس نے لمحوں میں فیصلہ کیا تھا اور رومان کی جگہ لے لی تھی۔ فون بند ہو گیا تھا۔

قیس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

زرناب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

رات ڈھلتی جا رہی تھی......بغیر تھمے......بغیر رکے......دن کی طرف!

☆......☆......☆

سنہری دھوپ کستوری محلے کی منڈیروں پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ مہر اور عجی نے دن کے پہلے حصے میں اطلس کے گھر قدم رکھا تھا۔

اطلس گھر سے غائب تھا جبکہ مینا اور ٹنکو انہیں وہاں دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ ٹنکو تو عجی سے ہی چمٹا ہوا تھا۔

"میں نے آپ کو بہت یاد کیا......یقین نہ آئے تو مینا سے پوچھ لیجیے۔"

مینا مہر سے باتوں میں مگن تھی۔ عذرا گھوم پھر کر اس گھر کو دیکھ رہی تھی۔ بارش کے پانی نے اس گھر کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ چونا جھڑ گیا تھا۔ بوڑھے آم کا بور سے خالی درخت بانجھ دکھائی دیتا تھا۔

وہ اور مہر کھانے پینے کی بہت ساری چیزیں لے کر آئی تھیں۔ وہ دونوں اندر اماں کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

سامنے بستر پر لیٹی ہوئی اس عورت کے چہرے پر بیماری میں بھی عجیب سا وقار تھا۔

مینا نے فروٹ کاٹ کر پیش کیے تھے۔ عجی نے دل رکھنے کے لیے آم کی قاش منہ میں رکھ لی تھی۔

مہر گپ چپ اماں کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔

"اب کیسی ہیں اماں؟"

ٹنکو کی زبان کسی ٹرین کی طرح چھک چھک چلتی تھی۔

''اب تو اچھی ہیں...... میں نے آپ لوگوں کے بارے میں اماں کو بتایا ہے...... بہت خوش ہو رہی تھیں۔''

ٹنکو کی بات پر عجی نے حیرت سے آگے بڑھ کر اماں کے چہرے پر خوشی ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ مینا کو خوامخواہ ہنسی آ گئی تھی۔

''ارے عجی باجی......! یہ ٹنکو تو کہانی باز ہے۔ آپ یقین کر کے تکلیف مت اٹھایئے گا۔''

تھوڑی دیر میں ہی وہ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے تھے۔ ٹنکو اپنی ڈرائنگ کی کاپیاں اور رنگ لے کر بیٹھ گیا تھا۔ عجی نے غور سے مہر کو دیکھا تھا جو چولہے میں کام کرتے ہوئی مینا کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ یوں لگا جیسے اسی گھر کی ہو...... یہیں رہتی ہوئی آئی ہو...... صدیوں سے...... قرنوں سے!

تب ہی دہاتی دروازے سے وہ اندر آیا تھا۔ سنہری دھوپ میں رنگی ہوئی وہ وہی تو تھی...... جو آنکھ کے تیور سے اطلس کو ڈرا دیتی تھی...... آواز کے رعب سے اطلس کو دھمکا دیتی تھی۔ وہ دھیرے سے آگے بڑھا۔

''السلام علیکم......! آپ یہاں؟''

مہر نے پلٹ کر دیکھا...... سفید کرتے پر کہیں کہیں داغ تھے۔ چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکتی تھیں۔

''کیا یہاں آنا منع ہے؟''

وہ ڈر گیا...... وہ سہم بھی گیا۔

''نہیں...... نہیں......! میں نے یہ کب کہا...... آپ کا اپنا گھر ہے، سو بار آئیں۔''

تب ہی اندر بیٹھی ہوئی عجی کمرے سے باہر آئی اور اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''کہاں سے آ رہے ہیں؟''

اس نے ایک نظر مہر پر ڈالی تھی۔

"مزدوری ملی تھی ایک......وہی کر کے آ رہا ہوں۔"

مہر نے اس بات پر پلٹ کر زخمی نظروں سے بڑی بہن کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ذرا دیکھو تو بدمعاش لوفر مزدوری کر کے آیا ہے......

"میں آپ لوگوں کے لیے ٹھنڈی بوتلیں لے کر آتا ہوں۔"

وہ جانے کو مڑا......

مگر عذرا نے وہیں روک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں......ہم بہت کھا پی چکے ہیں۔ مینا بہت اچھی مہمان نواز ہے......"

مینا مسکرائی۔

ٹنکو دوڑ کر آیا۔ مینا کی اکیلے تعریف اسے کہاں ہضم ہونی تھی۔

"ٹنکو بھی اچھا کہانی باز ہے۔"

کہانی باز کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ اس نے ڈرائنگ والی کاپی عجی کو دکھائی۔ وہ ایک خاندان کی ڈرائنگ کی گئی تھی۔

مینا......ٹنکو......اماں......اطلس......اور یہ پانچواں کردار کس کا تھا؟

عجی نے پانچویں کردار پر انگلی رکھ کر ٹنکو سے پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

"مہر جی......"

ٹنکو کی سرگوشی نے عذرا کو چپ لگا دی تھی۔ وہ دور کھڑا پاؤں دھو رہا تھا۔ مہر اور مینا اپنی باتوں میں گم تھیں۔ عجی اطلس کی طرف آئی۔

"سنو......!"

وہ تولیے سے چہرہ صاف کر رہا تھا۔

"جی جی......بولیں۔"

عذرا بختیار نے پلٹ کر مہر بختیار کو دیکھا۔

عجی کے اپنے اندر کانٹے اگ آئے تھے۔ اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اگلے کو زخمی کرنے والی ہے۔

"بھول جاؤ مہر کو......"

وہ چونکا تھا......ٹھٹکا تھا۔

"میں سمجھا نہیں......"

عجی سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہوگئی تھی۔

سمجھو تو دیوار......دیکھو تو بند......!

وہ پیچھے دور بیٹھی مہر کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تم اس کے لائق نہیں ہو......اور تمہارا یہ گھر بھی......جو اگلی بار کے ساون میں چھت سمیت گر جائے گا۔ اماں نے بہت لاڈ اور ناز سے پالا ہے مہر کو......وہ اسے کبھی تمہارے نکاح میں نہیں دیں گی......کبھی سوالی بن کر ہمارے دروازے تک مت آنا......پہلے خبردار کر رہی ہوں۔ ورنہ چوٹ کھاؤ گے......زخمی ہو جاؤ گے۔"

عذرا نے سنہری دھوپ کو شعلوں میں بدل ڈالا۔

سامنے کھڑا محنت مزدوری کر کے آیا ہوا بد معاش انسان جل گیا تھا۔

اطلس نے پیٹھ موڑ لی......وہ رو رہا تھا......وہ کانپ رہا تھا۔

دور بیٹھی ہوئی مہر کے دل کو کچھ ہوا......جیسے......جیسے......!

عجی نے آگے بڑھ کر مہر کا بازو تھاما۔

"گھر چلو، بہت دیر ہوگئی ہے۔"

ٹنکو کی ڈرائنگ والی کاپی سے "مہر جی" کی تصویر غائب تھی۔ کاغذ پھٹ گیا تھا......دروازے تک جانے تک مہر پلٹ پلٹ کر دیکھتی رہی تھی۔

مگر اطلس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

دل میں گرہ پڑ گئی تھی......

کوئی مہمان کے ساتھ بھی بھلا ایسا سلوک کرتا ہے؟

دونوں عصر کے سمے گھر پہنچی تھیں۔

عذرا کو کوئی تو بتاتا کہ اپنا دل ٹوٹ جائے تو دوسرے کا نہیں توڑتے......

زرناب کو کوئی تو بتاتا کہ اپنا گھر ٹوٹ جائے تو دوسرے کا نہیں توڑتے......!

جب دونوں نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو سامنے نظر آتا منظر پتھر کر دینے والا تھا۔

قیس اور قیس کے پہلو میں کھڑی زرناب......!

ایک تھا دولہا......ایک تھی دلہن......!

عذرا بختیار کے اندر کسی نے بھالا اتارا تھا۔

مہر ساکت تھی!

ہائے ہائے محبت......وائے وائے محبت......!

❁ ❁

قسط نمبر 7

شام سرد تھی......شام گرد تھی......شام درد تھی۔
واپڈا والوں نے اچانک کستوری محلے کی بجلی کھینچ لی تھی۔ اور آج پہلی بار اس گھر کے مکین واپڈا والوں کو سو سو صلواتیں سنانے کے حق میں نہیں تھے۔
عذرا بختیار کی آنکھیں برس گئی تھیں اور وہ بار بار اپنے آنسو پونچھتی تھی کہ شاید وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہے۔
سامنے ہی تو سجا سنورا اور بانکا سجیلا قیس کھڑا تھا اور اس کے بالکل ساتھ زرناب زمان کھڑی تھی۔ زرتار دوپٹا سر پر اوڑھے جس کے ستارے شام کے اندھیرے میں خوب چمک دمک رہے تھے۔
اندر سے کلثوم موم بتی روشن کیے سیڑھیوں کی طرف آئی تھیں۔
''اللہ غارت کرے اس وقت بجلی لے لی ہے۔ اور میری اولادوں کو دیکھو شام تک گھر سے باہر رہنے کا چسکا پڑ گیا ہے۔''
وہ سیڑھیوں پر آ گئی تھیں۔ موم بتی کی لرزتی ہوئی روشنی میں پہلی نظر زرناب پر پڑی تھی۔
''ارے زرناب بیٹی تم...... کسی فنکشن سے آ رہی ہو کیا؟ اچھی لگ رہی ہو بجی سنوری ہوئی۔''
چار چہروں کے تاثرات اور خاموشی نے جیسے کلثوم کو چونکایا تھا۔
کھٹ سے کستوری محلے کے اس گھر میں بجلی واپس آئی تھی۔
سامنے کھنڈر بنی عجی کھڑی تھی۔ زرناب اور عجی کی آنکھیں ملی تھیں۔ عجی تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔ بازو سے دبوچ لیا تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے زی...... دوست دوستوں کے گھر گھات نہیں لگاتے۔''

زرناب سسکی......

زرناب تڑپی......!

''وہ......وہ میں...... مجھے نہیں پتا کیسے یہ سب ہو گیا۔''

جیسے وہ خود نہیں جانتی تھی...... دیکھو تو انجان نظر آتی تھی۔

مہر نے سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر ایک نظر اماں کو دیکھا اور آگے بڑھ کر جلتی ہوئی موم بتی کو پھونک مار کر بجھا دیا۔

''قیس...... یہ...... یہ کیا ہے؟''

اماں کی ہکلاہٹ پر جیسے پہلی بار قیس کے ہونٹ مسکرائے تھے۔ جیسے وہ محظوظ ہوا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا شروع سے......

''اپنی بہو کو خوش آمدید نہیں کہیں گی چچی؟''

کلثوم نے شام کے سارے کالے گھور رنگ چرا لیے تھے۔ آنکھوں میں تکلیف پھیل گئی تھی۔ ذرا ہنس کر کہنے لگیں۔

''مذاق کر رہے ہو ناں تم...... یہی تو کرتے ہو تم...... تمہاری بچپن کی عادت ہے یہ......''

''اب آپ کا لاڈلا بڑا ہو چکا ہے اماں......''

مہر نے اماں کو خبردار کیا تھا۔ عجی ٹوٹ کر سیڑھیوں پر گری تھی۔ اس بے چاری کے نصیب میں شاید اب ٹوٹ کر گرنا بکھرنا ہی لکھا تھا۔

وہ رو رہی تھی...... لرز رہی تھی۔ مہر نے طوفان کا رخ بھانپ لیا تھا۔ جس سے وہ مدتوں پہلے اماں اور عجی کو خبردار کرتی آ رہی تھی۔

زرناب دوست کی طرف جھکی تھی۔

عجی نے ہاتھ پرے جھٹکے......

''دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... گھن آ رہی ہے تم سے...... تمہیں گھر میں جگہ دی...... تمہیں دل میں بھی جگہ دی مگر تم نے کیا کیا زی......''

زرناب نے عذرا کے پاؤں جکڑ لیے تھے۔ اب دوست کو دوست کا دکھ سمجھ میں آ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دو...... پتا نہیں ایسے...... کیسے...... مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہو گئی۔ میں ابھی قیس سے کہتی ہوں کہ مجھے طلاق دے دے۔''

وہ کھڑی ہو گئی تھی اور اب خاموش بے زار کھڑے مرد کی طرف لپکی تھی۔

''قیس...... میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی پلیز...... مجھے طلاق دے دو...... ابھی اور اسی وقت......''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا...... گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہوتا یہ زرناب زمان، کہ جب تم پروپوز کرو ور میں تم سے نکاح کر لوں اور جب تم کہو طلاق دے دوں...... یہ سب ختم کر کے اوپر آ جانا...... اوپر والا پورشن میرے نام ہے۔ وہی اب تمہارا گھر ہے۔''

قیس لمبے لمبے ڈگ بھرتا منظر سے غائب ہو گیا تھا۔

زرناب نے جھٹکے سے پنوں سے اٹکا ہوا زرتار دوپٹا سر سے کھینچا تھا یہاں تک کہ بال جڑوں سمیت اکھڑ گئے تھے۔

''آنٹی! میرا آپ تو یقین کریں۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ ڈیڈ نے کہا میں بھی اپنی ماں کی طرح ہوں۔ مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گا...... دیکھ لیں...... رومان نے بھی مجھے تنہا چھوڑ دیا...... میرا حال دیکھیں...... مجھ پر ترس کھائیں۔''

سیڑھیوں پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہوئی عجی......

پلر سے ٹیک لگائے گم صم کھڑی مہر......

کلثوم نے آگے بڑھ کر زرناب کا دوپٹا دوبارہ سر پر جمایا تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو...... قیس کی دلہن ہی لگ رہی ہو...... آنسو پونچھو...... اور خبردار دوبارہ طلاق کا نام بھی لیا تو...... زمانہ باتیں کرے گا...... سچ سمجھنے لگے گا کہ جیسی ماں ویسی بیٹی...... نہ دنیا میں

زمانے سے نظر ملا پاؤ گی اور نہ قیامت کے روز اللہ کو منہ دکھانے جوگی رہو گی۔ جانتی ہو ناں اللہ کے ہاں طلاق بہت ناپسندیدہ عمل ہے۔ مہر اسے اوپر لے جاؤ میں کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔"

کلثوم پلٹ گئی تھی اور مہر کے لیے بھی حکم صادر فرما گئی تھیں۔

مہر کی آنکھوں میں کانچ ٹوٹ گئے۔

عجی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ زرناب کو پرے کرتے ہوئے اندر گم ہو گئی تھی۔

مہر دلہن کے پاس آ گئی تھی۔ جو صرف چہرے اور لباس سے دلہن دکھائی دیتی تھی ورنہ تاثرات سے کسی شمشان گھاٹ کی آتما......

"فاؤنڈیشن اچھا ہے۔ میک اپ بالکل خراب نہیں ہوا۔ بس آنسوؤں سے کاجل تھوڑا اچھل گیا ہے...... میں سیٹ کر دوں گی۔"

اگلی تو بالکل پرسکون نظر آنے لگی تھی۔

زرناب کو اس گھر کے مکینوں نے ہمیشہ حیران ہی کیا تھا۔ وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ لوگ تھے۔

"آئی ایم سوری مہر......"

زرناب نے مہر کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ جیسے تلافی کرنا چاہتی ہو۔ جیسے معافی مانگ رہی ہو۔

گھر کی دیواروں پر اتری گرد آلود شام رات سے مل رہی تھی۔ دلہن کے لباس کے ستارے موتی سب چمک رہے تھے۔

"آئی ایم سوری زرناب......" مہر نے وہی جملہ دلہن کو واپس لوٹایا تھا۔

وہ حیران نظر آئی تھی۔

سامنے والی شاید حساب کتاب کی پوری تھی، کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیتی تھی۔

"تم کیوں سوری کر رہی ہو مہر؟"

مہر نے ہاتھ پکڑ کر اسے اندر کی طرف لے جانا شروع کر دیا تھا۔

"فراڈ ہوا ہے آپ کے ساتھ...... غلط انسان پر بازی لگائی ہے آپ نے...... ایک ایسا مرد جو ہم

تین عورتوں کا نہیں بن سکا، وہ آپ کا کیا بنے گا۔ اس کی فطرت میں ہی نہیں ہے کسی کا ہونا۔ اسی لیے پیشگی سوری کرلیا ہے کہ بعد میں یہ مت کہہ دیجیے گا کہ دولہا پسند نہیں آیا۔"

مہر کے لفظ سادہ تھے...... انداز کٹیلا تھا۔ زی جیسے لرز کر اوپر جاتی سیڑھیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں...... میں اس سے طلاق لے لوں گی۔"

وہ ڈر رہی تھی...... وہ ساتھ ساتھ مر بھی رہی تھی۔

"میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گی......؟ عجی اور آپ ایک جیسی ہیں۔ شاید سہیلیاں ہیں ناں تو دونوں کی عادتیں کافی ملتی جلتی ہیں۔ سنا تھا ٹوٹے گھروں والے دوسروں کے گھر بھی توڑ دیتے ہیں، اور آج دیکھ بھی لیا۔"

کلثوم گرم دودھ ٹرے میں سجائے باورچی خانے سے باہر نکلی تھیں۔

آنکھوں کے پپوٹے بھاری اور بھیگے بھیگے لگتے تھے۔ جیسے سنک میں کافی آنسو بہا کر آئی تھیں۔

"بہت باتونی ہوتی جا رہی ہو مہر، تم...... ابھی تک دلہن کو یہیں لے کر کھڑی ہو۔"

"مجھے دلہن مت کہیں پلیز...... پہلے جیسے زرناب کہہ لیں یا پھر زی......"

کلثوم نے ٹوٹے کانچ جیسی نظر سے زرناب زمان کو دیکھا تھا۔

"تم کہاں پہلے جیسی رہی ہو؟ بلکہ کچھ بھی تو پہلے جیسا نہیں رہا...... چلو...... میں تمہیں کمرے تک چھوڑ کر آتی ہوں۔"

وہ زرناب کا ہاتھ تھامے سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ نیچے کھڑی مہر انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

عذرا بختیار کہیں نہیں تھی۔

☆......☆......☆

بلب کی زرد روشنی میں پتنگے جل مر رہے تھے۔ وہ اماں کی چارپائی کے پاس ان کے ہاتھ تھامے بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں جیسے بہت دیر تک روتا رہا ہو۔ اماں بس آنکھوں کی ساکت پتلیوں سمیت

اپنے جوان بیٹے کو دیکھتی رہیں۔

"اس کی بہن مجھے کہہ کر گئی ہے کہ اس ساون کی بارش میں ہمارے گھر کی چھت گر جائے گی اور میں کبھی بھی سوالی بن کر ان کے دروازے پر نہ آؤں کیونکہ ان کی اماں کھٹ سے دروازہ میرے منہ پر بند کر دیں گی اور کہیں گی کہ میں ان کی بیٹی کے لائق نہیں...... آپ ہی بتائیں کیا آپ کا اطلس اتنا بے کار ہے......؟"

اب وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ ایک جلتا ہوا پتنگا اس کے بالوں میں گرا تھا۔ اماں کی نظریں پتنگے پر تھیں۔

"آپ بتائیں مجھے میں کیا کروں۔ ابھی تو میں نے ہنسنا مسکرانا سیکھا تھا۔ آپ نے دیکھا تھا سے......؟ اس کے علاوہ کوئی لڑکی جچ سکتی ہے آپ کے اطلس کے ساتھ؟"

رات بھیگ رہی تھی تبھی اطلس کو جیسے اماں کے وجود میں ہلکی سی حرکت محسوس ہوئی تھی۔ شاید بیمار ماں نے صحت مند بیٹے کے دل کی چوٹ کو محسوس کر لیا تھا۔

اماں کا ہاتھ آہستہ سے اطلس کے بالوں سے مرے ہوئے پتنگے کو نکال رہا تھا......

وہ ایک دم سے چونکا تھا۔ سر اٹھا کر اماں کو دیکھا جن کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"اماں......! آپ مجھے دیکھ رہی ہیں ناں...... آپ مجھے سن رہی ہیں...... مینا...... ٹنکو...... ادھر آؤ......"

وہ خوشی سے بار بار باہر کی طرف دیکھتے ہوئے آوازیں لگا رہا تھا جہاں صحن میں مینا اور ٹنکو مزے سے سو رہے تھے......

اس کے زور زور سے چلانے پر ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی مینا وہاں آئی تھی۔

"کیا ہوا اطلس بھیا......؟ اماں کو واش روم......" آدھی جاگی آدھی سوئی مینا جیسے ابھی کسی کچے خواب میں تھی......

"دیکھو تو اماں مجھے دیکھ سکتی ہے...... حرکت بھی کر رہی ہیں...... لگتا ہے ٹنکو ٹھیک کہتا تھا اماں ضرور اس سے چوری چوری باتیں کرتی ہوں گی۔"

اطلس کی خوشی میں بھیگی ہوئی آواز پر مینا بھی دوڑتی ہوئی بھائی کی طرف آئی تھی...... اماں خاموش تھیں لیکن انہوں نے بیٹی اور بیٹے کے ہاتھ تھام لیے تھے...... مینا اپنے دوپٹے سے ماں کے آنسو صاف کر رہی تھی......

اطلس بھی بار بار ماں کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ تبھی چوکھٹ پر ٹنکو نے قدم رکھا تھا...... سامنے نظر آنے والے منظر نے اسے اتنا حیرت میں مبتلا نہیں کیا تھا۔

''ادھر آؤ، دیکھو تو اماں ٹھیک ہو گئی ہیں۔''

مینا نے جیسے کسی اخبار کی اہم خبر کے انداز میں ٹنکو کو بتانا ضروری سمجھا تھا...... ٹنکو نے مزے سے دروازے سے ٹیک لگالی تھی۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ جب تم اور بھیا گھر سے باہر جاتے ہو تو اماں مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔ میں انہیں محلے کی ساری رپورٹیں دیتا ہوں۔ ہر گھر کی خبر ضرور بتاتا ہوں۔ چاہو تو ابھی پوچھ لو۔ لیکن خیر تم دونوں کے سامنے ابھی کچھ نہیں کہیں گی کیونکہ وہ صرف مجھ سے بات کرنا پسند کرتی ہیں۔''

''صرف تم سے کیوں......؟''

''کیونکہ وہ پیار کرتی ہیں مجھ سے......''

''اپنی خوش فہمی سے نکل آؤ تو بہتر ہوگا...... وہ مجھ سے اور اطلس بھیا سے بھی پیار کرتی ہیں۔''

مینا کی بات پر ٹنکو جی بھر کر ہنسا تھا۔

''لیکن وہ بات تو صرف مجھ سے کرتی ہیں۔''

ایک پل کے لیے اطلس جیسے سب کچھ بھول گیا تھا......

ساون کی بارش بھی......

چھت کا گرنا بھی اور اس کا سوالی ہونا بھی......

رات بھیگ رہی تھی اور آم کے پیڑ والے اس گھر میں ان تینوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔

☆......☆......☆

بے جی تسبیح ہاتھ میں تھامے فجر کے وقت لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ چہرے سے غصہ اور پچھتاوے جھلکتے تھے۔ تبھی ڈھیلے ڈھالے قدموں کے ساتھ زمان اندر داخل ہوا تھا۔ اپنے سامنے وہ بے جی کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔

”آپ اس وقت کیا کر رہی ہیں یہاں......؟ یہ تو آپ کا آرام کا وقت ہوتا ہے۔ یقیناً تہجد کے لیے اٹھی ہوں گی۔“

بے جی دھیمے قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے زمان کی طرف آئی تھیں اور اسے گریبان سے پکڑ لیا تھا۔

”تمہیں پتا بھی ہے زرناب کہاں ہے؟“

زمان نے حیران ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

”کیا مطلب کہاں ہے...... اپنے کمرے میں ہوگی۔“

بے جی نے اپنے بیٹے کے اطمینان اور سکون کو تاسف سے دیکھا تھا۔

”کل شام سے تمہاری بیٹی گھر پر نہیں ہے زمان...... شاید ابھی تک تمہیں حالات کی سنگینی کا ندازہ نہیں ہے۔“

زمان نے جیسے سر جھٹکا تھا اور کوٹ کا بوجھ ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر منتقل کیا تھا۔

”اگر گھر پر نہیں ہے تو اپنی ماں کے پاس ہوگی۔“

”وہاں پر بھی نہیں ہے وہ...... میں پتا کروا چکی ہوں۔“

پہلی بار زمان کے چہرے پر پریشانی نظر آئی تھی۔ لاؤنج کے شیشوں کے پار سورج کی مشرق سے طلوع ہونے والی نارنجی کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔ تب ہی زمان کے موبائل فون کا نوٹیفیکیشن آیا تھا۔ زمان نے جیسے ہی اسے کھولا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا تھا۔

سامنے ہی دلہن بنی ہوئی زرناب زمان قیس کے پہلو میں کھڑی تھی۔ تالابوں والا گھر جیسے زمان پر گر پڑا تھا......

وہ تیزی سے فون پر بات کرتا ہوا وہاں سے نکلا تھا۔ کوٹ اس نے دور کہیں اچھال دیا تھا۔

بے جی پیچھے پریشانی کے عالم میں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔

سرسوں کے پھولوں والے گھر پر قیامت آ کر بیت چکی تھی۔کلثوم نے ساری رات جاگ کر آنکھوں میں کاٹی تھی۔وہ ایک دوراندیش اور زمانہ شناس عورت تھیں اور جانتی تھیں کہ گھر کے ماحول کو کب اور کیسے جوڑ کر رکھنا ہے۔

تب ہی رات کے ساتھ ساتھ بہت کچھ آنسوؤں میں بہا کر ہلکی ہو گئی تھیں۔گھر کی سربراہ تھیں وہ...... چاہے کیسی بھی قیامت آ جائے سربراہ کو اپنے حواس برقرار رکھنے ہوتے ہیں......تاکہ سب کو جوڑ کر رکھے۔وہ انہی کوششوں میں لگی ہوئی تھیں۔

دوسری طرف عذرا بختیار رات سے ٹھنڈی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔شاید ساری رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی...... چہرے سے تو لگتا تھا اک پل کے لیے بھی آنکھ نہیں جھپکی ہو گی......مہر نے بڑی بہن کا سیکنڈوں میں پوسٹ مارٹم کر لیا تھا۔

مہر اس کے سامنے ہی اکڑوں بیٹھ گئی تھی۔

”کتنے دن سوگ مناؤ گی؟“

”شاید تمام عمر لگ جائے گی۔“

”اتنی چھوٹی سی زندگی میں جب تمام عمر سوگ کے نام کر دو گی تو باقی پیچھے کیا رہ جائے گا؟“

عجی نے بالوں کی لٹ کانوں کے پیچھے اڑسی تھی۔رو رو کر آنکھیں سوج چکی تھیں۔

”باقی کچھ بچا بھی نہیں ہے......دوست نے وار کیا ہے۔“

مہر کو بے طرح کی ہنسی آئی تھی۔دل کیا تھا شیشہ دکھا دے بڑی بہن کو،مگر نقضِ امن کی خاطر وہ خاموش رہی تھی۔

”دوست سے پہلے کسی اور نے وار کیا ہے عجی......اس کو تو تم اور اماں فٹ سے معاف کر چکی

ہو......اب دل بڑا کرو اور دوست کو بھی معافی دے دو۔"

عجی مہر کی بات پر جیسے غرائی تھی۔

"زی کو پتا تھا شروع دن سے کہ میں قیس سے محبت کرتی ہوں......اپنے دل میں اس کی محبت رکھ کر جوان ہوئی ہوں......"

"اس کو تو پھر یہ بھی پتا تھا کہ قیس کو تم سے محبت نہیں ہے......رتی برابر بھی نہیں......اور وہ صرف جوان ہوا ہے بغیر تمہاری محبت اپنے دل میں رکھے۔"

کتنی بری تھی مہر......سچ کا پتھر اٹھا کر سیدھا اگلے کی پیشانی پر وار کرتی تھی......عجی بھی اس پتھر سے لہولہان ہو گئی تھی۔

عجی کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

صحن کی کیاریوں کے گلاب اور موتیا سوکھ رہے تھے۔

اماں کلثوم لپک جھپک نئے نویلے دولہا دلہن کے لیے ناشتے کے اہتمام میں لگی ہوئی تھیں۔مہر حالات کا جائزہ لینے کے لیے ان کی طرف نکل آئی تھی۔

مکھن پراٹھے پر پگھل رہا تھا۔ایک چولہے پر چائے کی پتی کھول رہی تھی۔وہ دہلیز پر جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔اب تو اسے موقع ملا تھا کہ جہاں سب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا تھا۔

"تو اب بھی آپ نے اسے معاف کر دیا؟"

کلثوم کٹیلے لہجے اور تیز انداز پر واپس ہرگز نہیں مڑی تھیں۔بس اپنے کام میں لگی رہی تھیں۔

چائے کی پتی ابل کر باہر گرنے لگی۔

"ہاں......کر دیا معاف......"

"ایسے اتنی جلدی؟اچانک؟"

"ہاں تو......قتل تھوڑی کیا ہے اس نے......شادی ہی تو کی ہے۔" چمٹے سے پراٹھا پلٹتے ہوئے کلثوم نے جیسے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

''جانتی ہوں......قیس قتل کر کے بھی آئے گا تو آپ اسے جھٹ سے معاف کر دیں گی۔''

اب کی بار سلگتے ہوئے لہجے پر کلثوم واپس مڑی تھیں۔شیفون کا دوپٹا سر سے ڈھلک رہا تھا۔

''ہاں......میرا قتل کرے گا تو بھی معاف کر دوں گی۔''

مہر تو مانو ریزہ ریزہ ہوگئی تھی......

سمجھو تو پارہ پارہ......

''اماں......!اسے فرشتہ مت بنائیں......انسان ہے وہ......''

''یہی سمجھا رہی ہوں تمہیں کہ انسان ہے وہ......خطا کر سکتا ہے......غلطی ہو سکتی ہے......غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔''

''عجی کا دل توڑا ہے اس نے......''

مہر کو عذرا کا غم کھا رہا تھا......اماں چینی پھانک رہی تھیں۔

''دل توڑنے پر بھلا کون سی عدالت سزا دیتی ہے مہر؟ ذرا پتا کر کے آؤ اور مجھے بتاؤ......تاکہ ہم عذرا اور قیس کا مقدمہ اس عدالت میں جا کر لڑیں۔''

کلثوم جانے کس اینٹ گارے اور مٹی کی بنی تھیں کہ مہر لڑتے لڑتے ہار جایا کرتی تھی۔کلثوم ناشتے کی ٹرے سجانے میں لگی تھیں۔

تبھی باہر دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا تھا۔

اماں اور مہر کی نظریں ملی تھیں۔جیسے کچھ غیر معمولی ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

شیشے میں خود کو دیکھتی ہوئی وہ کہیں سے بھی اپنے آپ کو نئی نویلی دلہن دکھائی نہیں دیتی تھی۔پیچھے کہیں گنگناتا ہوا قیس اپنے والٹ میں کارڈز دیکھ رہا تھا۔یہ کمرا جس میں قیس کا سامان بھرا ہوا تھا......سپورٹس کا سامان......گٹار......اور بھی بہت کچھ......وہ صرف قیس کا کمرا نظر آتا تھا۔زرناب زمان وہاں پر شاید کسی سامان کی طرح ہی دکھائی دیتی تھی......پرائی پرائی......جیسے کچھ دیر بعد اس کی جگہ بدل جائے گی۔

پلک جھپکتے میں سب بدل گیا تھا۔ قیس نے پاس آ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک بھرپور مسکراہٹ سے نوازا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا زرناب......''

زرناب کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

''میں عذرا کا سامنا کیسے کروں گی؟''

''ارے ارے...... تم کیوں اتنی پریشان ہوتی ہو۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا اس سے...... پہلے دوست ہوا کرتی تھیں تم اس کی مگر اب تم میری بیوی ہو۔''

زرناب کی آنکھیں صحرا تھیں...... خالی خالی...... بنجر......

تب ہی نیچے سے شور کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ شور بڑھنے لگا تھا...... قیس تیزی سے نیچے کی طرف لپکا تھا۔

زرناب بھی پیچھے گئی تھی۔ اور سیڑھیوں کے پاس جیسے جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔ سامنے ہی زمان اور کلثوم آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں تمہارے بیٹے کو عدالت میں گھسیٹوں گا...... اس نے ورغلایا ہے میری بیٹی کو......'' زمان دھاڑ رہا تھا...... چیخ رہا تھا۔

مگر بازو باندھے آرام و سکون سے کھڑی ہوئی کلثوم سے اس کا واسطہ پہلی بار پڑا تھا۔

''آ گئی جوان بیٹی کی یاد......؟ کتنے غیر ذمہ دار انسان ہو تم، ملک زمان...... جوان بیٹی کل شام سے گھر سے باہر ہے اور تم خبر لینے کے لیے ابھی پہنچے ہو...... سنا ہے بیٹی کی عمر کی لڑکی سے بیاہ رچایا ہے تم نے...... خیر...... میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد قبول کرو۔''

کلثوم کے لفظ انگارے تھے...... زمان جھلس رہا تھا۔

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا...... بلاؤ اپنے بیٹے کو...... کہاں ہے میری بیٹی......''

''آواز نیچی رکھ کر بات کرو...... میرے گھر میں کھڑے ہو تم...... ہمیں اونچی آوازیں سننے کی

عادت نہیں ہے۔"

زرناب تیزی سے آگے بڑھ کر صحن میں آئی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے، آج بھی وہ باپ کو دیکھ کر تکلیف میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"ڈیڈ......! چلے جائیں یہاں سے......"

زمان بیٹی کی طرف لپکا تھا۔

شاید زندگی میں آج پہلی بار زرناب نے زمان کو اپنے لیے پریشان دیکھا تھا۔ آواز کہیں کہیں کانپ جاتی تھی۔

"چلو میرے ساتھ...... گھر چلو...... میں جانتا ہوں اس لڑکے نے تمہیں ورغلایا ہے اور یہ سارے گھر والے بھی آپس میں ملے ہوئے ہیں......تم ان کے لیے لاٹری کا ٹکٹ ہو اور بس......"

کلثوم بھڑک گئی تھیں......تڑپ گئی تھیں......

"بیٹیاں لاٹری کا ٹکٹ نہیں ہوتیں......گھر کی عزت ہوتی ہیں۔"

زرناب نے زمان کا بازو تھام لیا۔

"اب بہت دیر ہو گئی ہے ڈیڈ......! اب یہی میرا گھر ہے۔"

"میں ان جیسے لوگوں کو جانتا ہوں۔ انہوں نے ٹریپ کیا ہے ناں تمہیں...... صرف تمہاری دولت کی خاطر......" زمان نے نفرت سے کلثوم کو دیکھا تھا۔

کلثوم شان سے ہنس دی تھیں۔

"تمہارے محل گاڑیاں تمہیں ہی مبارک ہوں میاں...... ہمیں اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔"

کستوری محلے والے کھلے ہوئے دروازوں سے جھانکنے لگے تھے۔ مدت بعد کوئی تماشا میسر آیا تھا۔

زمان نے زرناب کا ہاتھ تھاما جسے اس نے درشتی سے جھٹک دیا۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا...... مام کے ساتھ...... میرے ساتھ...... آپ خوش رہیں اب اپنی دوسری بیوی کے ساتھ......"

وہ رو رہی تھی...... بلک رہی تھی...... زمان نے بیٹی کے مہندی سے سجے ہوئے ہاتھوں کو اچانک دیکھا تھا۔دل کو جیسے کچھ کچھ ہوا تھا۔

"یہ اچھے لوگ نہیں ہیں زی بیٹا......"

وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

نظریں کلثوم سے ملی تھیں۔

برے لوگ سامنے کھڑے تھے......

"یہ اچھے لوگ ہیں ڈیڈ...... یہ دوستی میں خیانت پر بھی معاف کر دیتے ہیں...... یہ ہر مشکل میں ساتھ کھڑے رہتے ہیں...... کبھی کسی کو اکیلا نہیں چھوڑتے...... مجھے دیکھیں...... انہوں نے آپ کی بیٹی کو بھی ایکسیپٹ کرلیا ہے۔"

زمان جیسے ڈھے سا گیا تھا۔کندھے جھکنے لگے تھے۔

اس نے آگے بڑھ کر زی کا ماتھا چوم لیا تھا۔زمان جیسے بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گیا تھا۔

"آئی ایم سوری بیٹا...... گھر چکر لگانا، بے جی تمہارے لیے بہت پریشان ہیں...... جب بھی میری ضرورت ہو،ایک آواز لگانا...... میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"میں نے بہت آوازیں لگائیں ڈیڈ...... بہت بار...... لیکن ہر بار مجھے آپ کی طرف سے خاموشی ہی ملی...... آپ کبھی میرے لیے حاضر نہیں رہے...... اور جس گھر میں کھڑی ہوں اور جس نام کے ساتھ کھڑی ہوں وہاں میں نے صرف ایک بار کہا کہ مجھے زندگی میں شامل کرلو اور اس شخص نے لمحہ بھی نہیں لگایا مجھے اپنانے میں...... آج میں زرناب زمان سے زرناب قیس ہو گئی ہوں...... شاید اب آپ کو آواز دینے کے سارے حقوق کھو چکی ہوں۔" زرناب کے چہرے پر سختی بڑھنے لگی تھی۔

اس نے باپ کی طرف سے پیٹھ موڑ لی تھی۔

"چلے جائیں آپ یہاں سے...... یہاں کے لوگ آپ کی آمد سے ڈسٹرب ہو گئے ہیں۔ آئندہ انہیں ڈسٹرب کرنے کے لیے مت آیئے گا۔"

زمان الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا تھا۔ کلثوم نے زرناب کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''بیٹیاں باپ کو ایسے نہیں کہتیں...... تمہارے باپ کی زبان بہت بری ہے...... تلخی ہے اس کے اندر...... تب ہی میں بھی قابو نہیں رکھ پائی اب افسوس کر رہی ہوں کہ دلہن کے میکے سے آنے والے مہمان کو چائے پانی تک نہیں پوچھا۔

''اب وہ نہیں آئیں گے......'' زرناب کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

اندر کہیں قیس کو عذرا بختیار ٹکرا گئی تھی۔

''سسر آئے ہیں تمہارے...... استقبال نہیں کرو گے؟''

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جیسے رات گئی تھی ویسے ہی بات گئی تھی۔

''باپ بیٹی کا معاملہ ہے، میں ان دونوں کے معاملات میں پڑنا نہیں چاہتا۔''

قیس کا لہجہ عذرا کو چونکا گیا تھا......

اپنے لمبے دوپٹے کو سر پر برابر کرتی ہوئی وہ اس انسان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ جس کو دیکھ کر جگنو اترتے تھے...... جسے دیکھ کر دل دھڑکنا بھول جایا کرتا تھا۔ یہ شخص تو شاید کسی کا بھی نہیں تھا۔

''ایک بات بتاؤ قیس...... سچ سچ بتانا۔''

''پوچھو...... سچ سچ ہی بتاؤں گا۔'' اگلا منتظر نظر آنے لگا تھا۔

باہر ہنگامے کا شور سرد ہوا تھا۔ شاید آنے والا جا چکا تھا۔

باورچی خانے میں مہر کھڑکی سے باہر جھانک کر سن گن لینے کے چکر میں دو پراٹھے جلا چکی تھی...... چائے ابل کر چولہے پر گری ہوئی تھی۔

زرناب تھکے تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی جب اس نے قیس کو عذرا کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سنا تھا۔

''تم نے زرناب سے شادی کیوں کی؟ کیا تم اس سے محبت کرنے لگے تھے؟''

''محبت اور میں......؟ تم تو بالکل ہی پاگل ہو یار...... مجھ سے نہیں ہوتی یہ محبت وحبت والی

غلامیاں......اس نے منت سماجت کی کہ مجھ سے شادی کرلو تو بس میں نے کرلی۔شاید تم نہیں جانتیں کہ آج کل دفتر میں، میں زرناب کی رپورٹنگ میں ہوں...... باس ہے میری وہ...... یوں سمجھو میری افسر......اب افسر کہے کہ مجھ سے شادی کرلو تو کون کافر انکار کرے گا......اور افسر بھی خوب صورت...... حسین......اور مال دار......"

زرناب نے لڑکھڑا کر صوفے کی ہتھی کو تھاما تھا۔اگلے نے اسے کوڑیوں کے مول کر دیا تھا۔

وہ دھک سے رہ گئی تھی۔

عجی کو جیسے زرناب کے ہونے پر رونا آیا تھا۔

اب بھی قصور قیس کا نکلا تھا۔

تب ہی زرناب زمان نے عذرا بختیار کے غرانے کی آواز سنی۔

زندگی میں پہلی بار عجی نے اپنے دھجی دھجی ہوتے ہوئے وجود کو سمیٹ کر قیس کا گریبان پکڑا تھا۔

"خبردار......!یاد رہے......زی اب بھی میری سہیلی ہے......اس کی آنکھوں کے آنسو برداشت نہیں کروں گی......اگر تمہیں اس سے محبت ہوتی تو شاید تب میں کہہ سکتی تھی کہ زرناب زمان نے میری محبت پر ڈاکا ڈالا ہے......مگر دیکھو تو......مہر کی پیشن گوئیاں سچ نکلیں کہ تمہارے اندر محبت کا وصف ہی نہیں ہے۔تم تو صرف رشتوں کی تجارت کرنا جانتے ہو۔"

عذرا بختیار نے جھٹکے سے قیس کے گریبان کو چھوڑا تھا۔وہ شعلہ تھی...... وہ آگ بگولا تھی۔

قیس نے آگے بڑھ کر عجی کا بازو پکڑا تھا۔

"جانتا ہوں مہر کی زبان بول رہی ہو تم......ساری رات اس نے جاگ کر یہی پٹیاں پڑھائی ہیں ناں تمہیں۔"

"پٹیاں اتاری ہیں اس نے میری آنکھوں سے......وہ یہ کام بہت اچھے سے جانتی ہے......"

قیس جیسے سلگ رہا تھا......عجی نے تیزی سے بازو چھڑا لیا تھا۔

"پیچھے زرناب کھڑی ہے......نئی نویلی دلہن ہے......اس کے سامنے اب کبھی میرا بازو پکڑنے

کی جرأت مت کرنا۔“

مہر کی آنکھوں نے جیسے سامنے معجزہ رونما ہوتا ہوا دیکھا تھا۔ ہاتھوں میں تھامی ہوئی ٹرے لرز گئی۔

سرسوں والے گھر میں پہلی بار عذرا بختیار کی آواز گونجی تھی۔ وہ پہلی بار قیس کے مقابل آئی تھی۔

ناشتے کی میز انواع واقسام کی چیزوں سے بھرنے لگی تھی۔ اماں قیس اور زرناب کے سامنے سب پیش کرتی رہیں۔

زرناب نے دائیں بائیں بیٹھی ہوئی اماں اور عجی کے ہاتھ ایک ساتھ تھامے۔

”آئی ایم رئیلی سوری۔“

اماں نے ہاتھ تھپکا تھا...... جیسے دلاسا دے رہی ہوں...... کسی بے شرم کو شرم دلا رہی ہوں۔

”پاگل مت بنو...... تم کیوں ہوتی ہو شرمندہ...... جس کو ہونا چاہیے وہ تو مزے سے غٹا غٹ گڑ والی چائے پی رہا ہے۔“

قیس کو اماں سے اس طنز کی ہرگز توقع نہ تھی۔ گڑ والی چائے زہر والی چائے ہوگئی تھی۔

مہر کو یہ منظر بہت دل سے بھایا تھا۔

”زرناب......! تیار ہو جاؤ...... ہم دفتر جا رہے ہیں۔“

زی نے چونک کر شوہر کو دیکھا۔

”کیا مطلب؟“

”شادی ہو چکی ہے...... اب ہم مزید وقت ضائع نہیں کریں گے...... ہم نے اپنی زندگی بنانی ہے۔ سب کچھ پلان کرنا ہے۔“

”مگر مجھے گھر رہنا ہے...... اماں...... عجی اور مہر کے ساتھ۔“

”میں باہر انتظار کر رہا ہوں...... جلدی آؤ۔“

کھٹ کھٹ کرتا اور پیروں کی دھمک چھوڑتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔

مہر نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔

''دیکھا...... کہا تھا ناں کہ نرگسیت پسند مرد ہے ہمارا قیس...... پل میں سب کو پرایا کر کے رکھ دیتا ہے مگر فکر مت کیجیے گا زی...... آپ کو بھی آہستہ آہستہ عادت ضرور ہو جائے گی۔''

زرناب زمان کو زندگی میں پہلی بار اس گھر میں گھٹن ہوئی تھی۔ وہ گھر جہاں وہ اپنے گھر کی گھٹن سے تنگ ہو کر بھاگ کر آجایا کرتی تھی۔

سب گھر ایک جیسے ہوتے ہیں......

ٹوٹے بکھرے...... کھرے کھوٹے......

سب مکین بھی ایک جیسے ہوتے ہیں......

بے چین...... مضطرب......

آنسو چھپاتی ہوئی زی وہاں سے نکل گئی تھی۔

عذرا بھی آنسوؤں کو چھپاتی ہوئی دوبارہ کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

مہر نے غور سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

سرسوں والے گھر میں خاموشیوں کے بھوت اترنا شروع ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

رومان نے جب اس گھر کے صحن میں قدم رکھا تھا تو وہ سامنے ہی اپنے پھول پودوں کی تراش خراش میں حد درجہ مصروف دکھائی دی تھی۔ وہ گہری سانس لیتا ہوا دھیرے دھیرے کیاریوں کی طرف آیا تھا۔شاید دونوں کا دکھ سانجھا تھا۔

سامنے والی بھی جیسے اس کی طرح ہی غائب دماغ دکھائی دیتی تھی۔ کیاریوں کے جھنڈ کے پاس پہنچ کر رومان کو اس کا نقصان نظر آیا تھا۔

غیر ضروری شاخوں کے علاوہ وہ گلاب اور پھولوں کو بھی کاٹ چکی تھی۔ بہت ساری چھوٹی چھوٹی کلیاں زمین پر گری ہوئی تھیں۔ وہ پاس بیٹھ کر سرخ اور سفید گلابوں کی مردہ کلیاں چننے لگا...... پھر کچھ سوچ کر اسے مخاطب کیا۔

''دھیان کہاں ہے آپ کا؟''

ہلکا سا ڈانٹ ڈپٹ والا لہجہ تھا۔ عجی نے چونک کر مردانہ کولون کو محسوس کیا تھا۔ جیسے جان گئی ہو...... پہچان گئی ہو...... سامنے ہی گھٹنوں کے بل وہ بیٹھا ہوا تھا۔ جو اس سے بہت سارے غیر متوقع موقعوں پر ٹکرا جایا کرتا تھا......

گہرے سانس لے کر عجی نے اس سے پوچھا۔

''آپ بھی زی سے ملنے آئے ہیں ناں؟''

''جی...... اسی سے ملنے آیا ہوں۔''

وہ کھرپی اور قینچی دور پھینک کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہاتھوں پر مٹی لگ چکی تھی۔ کیاریوں میں سورج مکھی کے پھولوں پر شہد کی مکھیاں منڈلا رہی تھیں...... سونف کے پودوں پر بھی ہلکے سے پھول نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہوا کی چھیڑ سے کبھی کبھی سونف کی خوشبو سارے آنگن میں بکھر جاتی تھی...... رومان نے ایک گہری سانس لے کر جیسے وہ خوشبو اپنے اندر اتاری۔

''یہ خوشبو...... کس چیز کی ہے؟''

''سونف کی ہے......''

رومان حیران نظر آیا تھا۔ سامنے کھڑی کستوری محلے کی وہ لڑکی کتنی سادہ اور گہری تھی۔ جو اپنے آنگن میں شان سے سونف کے پودے اگایا کرتی تھی۔

''زرناب قیس کے ساتھ دفتر گئی ہے۔''

وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر ہلاتا ہوا خاموش کھڑا تھا۔ جیسے اب یاد آیا تھا کہ وہ کس غرض سے اس گھر میں آیا تھا۔

''دکھ تو بہت ہوا ہوگا آپ کو؟'' عجی نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

''ہوا تھا...... بہت ہوا تھا......'' رومان نے سرسری انداز اپنایا۔

''اچھا...... مرد بہت جلد اس چیز سے نکل جاتے ہیں۔ انہیں اتنا فرق نہیں پڑتا۔'' وہ اب ساتھ

لگے نل سے ہاتھ دھو رہی تھی۔ شاید کہیں کوئی کانٹا بھی چبھ گیا تھا۔

''درد ہو رہا ہے کیا؟''

''نہیں...... اب درد کا اثر نہیں ہوتا...... بہت ڈھیٹ ہو گئی ہوں میں......'' دھیرے سے ہنسی تھی۔

''میں بھی آج کل کوشش کر رہا ہوں۔'' وہ بھی جیسے بتانے لگا تھا۔

''کس چیز کی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ڈھیٹ بننے کی......'' اس بار ڈھیٹ مسکرایا۔

وہ آگے بڑھنے لگی تھی۔ تبھی کسی احساس پر چونک کر مڑی۔

''آپ ساتھ نہیں آئیں گے کیا؟''

''زی گھر پر نہیں ہے ناں...... تو......''

وہ ہولے سے شاید مدت بعد مسکرائی تھی۔

''مہمان ہیں آپ...... چاہے کسی بھی گھر کے فرد کے ہوں، تواضع کریں گے ہم۔''

''کافی آفر کر رہی ہیں آپ مجھے؟'' اس نے پوچھا......

کافی کی بات پر بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔

گہرے لہجے میں پرانی بات لپیٹ کر اس نے عجی کی طرف دیکھا۔

وہ جیسے تھم تھم سی گئی...... کچھ سوچا اور پھر سر ہلا دیا۔

''آ جائیں...... کافی پلا دیتی ہوں۔''

وہ کافی پینے کے لیے کمرے میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے وہ دن یاد آ گیا تھا جب اس نے پہلی بار اس گھر میں قدم رکھا تھا۔ جہاں بارش برسنے پر چھت ٹپکتی تھی اور فرش پر چوہے اچھلتے تھے۔ اب جانے کیا حالات تھے...... بارش تو نہیں ہو رہی تھی۔ چھت ٹپکنے کا بھی خطرہ نہیں تھا...... مگر چوہوں کی طرف سے تھوڑی بہت احتیاط ضروری تھی۔

عجی اندر کہیں کافی بنانے گم ہو گئی تھی تو چوکھٹ پر مہر حاضر ہو گئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح...... آدم بو

کرتی ہوئی......اس گھر کے سارے لوگ نرالے تھے......

''ہائے......!'' کافی انگریزی اسٹائل میں کہا گیا تھا۔یوں سمجھو طنز کیا گیا تھا۔

وہ چونک گیا......سمجھ بھی گیا......

''جی......!''

مہر مسکراتی ہوئی سامنے آ گئی تھی۔ایک ذاتی سوال پوچھنے کی جرأت بھی کر لی تھی۔

''برا تو بہت لگا ہوگا کہ آپ کی منگیتر نے کسی اور سے شادی کر لی؟''

مہر کو خوامخواہ اس سے ہمدردی ہونا شروع ہوگئی تھی۔وہ بھی ہمدردیاں بٹورنے کو تیار نظر آنے لگا تھا۔

''اس کمرے سے چوہے ختم ہوگئے کیا؟''

بات پلٹ دی گئی......

گھڑیال کی ٹن ٹن ابھی بھی ویسے کی ویسی ہی تھی۔

''اب چوہوں کی جگہ ایک اور مخلوق نے لے لی ہے۔''

اگلی نے مکمل اطمینان اور سکون سے رومان کا سکون غارت کیا تھا۔وہ کھٹک گیا۔

''کیا مطلب؟''

''اس کمرے میں برتن دیکھ رہے ہیں، یہاں اب اکثر چھپکلیاں پائی جاتی ہیں......کہتی کچھ نہیں ہیں......بہت شریف ہیں۔''

وہ ڈر سا گیا تھا......

مہر اسے اور ڈراتی رہی یہاں تک کہ ٹرے میں کافی اور سوجی کا حلوہ سجائے عجی اندر داخل ہوئی تھی۔

وہ مزے سے کافی پیتا رہا......

عذرا بختیار کو وہ کافی عجیب لگا تھا۔

''کیا بات کریں گے آپ زرناب سے؟''

''یہی کہ وہ اب مجھے آزاد کردے......''

''آزاد تو ہو گئے ہیں آپ...... تبھی تو اتنے دھڑلے سے زرناب کی سہیلی کے ہاتھوں سے کافی اور سو جی کا حلوہ نوش فرما رہے ہیں۔''

مہر کی زبان خندق تھی...... مہر کے لفظ شرارت کی پوٹلی تھے۔

پتا نہیں کستوری محلے کی فضاؤں میں کیا بات تھی کہ انسان اپنے پیاروں کی مرگ کے علاوہ ہر دکھ درد مزے سے برداشت کر لیتا تھا۔ اور اس گھر کے افراد تو شاید اس فن میں طاق ہو چکے تھے۔

اسے اچھو لگتے لگتے بچا تھا......

عجی نے چھوٹی بہن کو گھورا۔

''بس کرو مہر......!''

''کافی اچھی ہے...... اور حلوہ بھی!'' رومان نے جیسے ہنس کر شگفتہ لہجے میں یقین دلایا......

مہر اماں کی پکار پر باہر نکل گئی تھی تو رومان نے سکون کا سانس لیا۔

''آپ اور قیس انگیجڈ تھے ناں؟''

وہ کلائی میں پہنا ہوا بریسلیٹ گھماتے ہوئے رومان کے کافی ختم کرنے کے انتظار میں تھی۔

''ہاں...... تھے تو......''

''مجھے بہت افسوس ہوا......''

''مجھے بھی......''

دونوں افسوس کرنے والے لوگوں کو زندگی ایک ہی مقام پر لے آئی تھی۔ دونوں ہی نہیں جانتے تھے کہ اب آگے کیا ہو گا......

وہ کافی ختم کر کے شکریہ ادا کرتا ہوا باہر آیا تھا۔

عجی اسے دروازے پر چھوڑنے آئی تھی۔ تبھی قیس اور زرناب بھی ہیوی بائیک پر پاس آن رکے تھے......

زرناب کے ہاتھوں میں گجرے تھے۔

گلاب اگانے والی عجی کے اندر کہیں تکلیف کا کانٹا چبھا تھا۔ ان چاروں لوگوں کی زندگی بدل گئی

تھی......کس مقام پر آ گئے تھے وہ......

رومان کو نظر انداز کر کے زرناب اندر چلی گئی تھی۔ زرناب کی آنکھوں میں رومان کے لیے اب کچھ نہیں تھا۔

قیس کی آنکھوں سے شعلے برستے تھے۔ عجی کے ساتھ کھڑا ہوا رومان اسے زہر لگا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ رومان کے پاس آ کر بولا تھا۔

عجی مدد کو آئی تھی۔

''میں نے بلایا تھا انہیں......''

رومان گلاسز لگا کر نکل گیا تھا۔

قیس بھی تن فن کرتا اندر داخل ہو گیا تھا۔

گیٹ کے پاس کھڑی عجی کی نظریں کیاریوں کی طرف پڑے سفید مردہ گلابوں پر تھیں۔

گلاب مر گئے......محبت مر گئی......صرف عذرا بختیار زندہ رہی تھی......!

☆......☆......☆

اطلس اماں کو لے کر سرکاری اسپتالوں کے چکر کاٹتا رہا تھا اور بڑے ڈاکٹروں نے کافی حد تک امید دلائی تھی کہ ان کا فالج ختم ہو جائے گا......وہ جانتا تھا کہ ساری زندگی اس نے اماں کو ایک بہادر بیٹا بن کر دکھایا تھا مگر اب دل پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ ساری اداکاری دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

اطلس کے آنسوؤں نے اماں کے فالج کو موم کر دیا تھا۔

جب وہ اماں کو لے کر گھر پہنچا تھا تو سارے آنگن کی صفائی ستھرائی ہو چکی تھی۔ گھر کا صحن کسی بھی طرح کے کوڑے کچرے سے خالی تھا۔ ٹنکو نے ہر چیز کا صفایا کر دیا تھا۔ اور مینا نے جھاڑو لگا کر چارپائیاں باہر لگا دی تھیں۔

چولہے سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا اور وہ پیڑھی پر بیٹھی ساتھ ساتھ آٹے کے پیڑے گوندھ رہی تھی۔ اماں اور اطلس کو دیکھ کر ان کی طرف آئی اور اماں کو احتیاط سے بستر پر بٹھایا۔ وقت نے اسے اپنی

عمر سے کہیں پہلے بڑا کر دیا تھا۔ وقت نے یہ مہربانی شاید مڈل کلاس گھرانوں کی اکثر بیٹیوں پر کی ہوتی ہے۔ دوپٹے سے کہیں پہلے وہ سمجھ داری اور شعور اوڑھ لیتی ہیں۔

ٹنکو پاس ہی کھڑا تھا۔ جیسے کوئی اجازت نامہ طلب کرنے والا ہو۔

''میں مہر جی کو مل کر آ جاؤں؟''

اطلس کے ذہن میں عجی کے زہر زہر جملے آ گئے تھے۔ وہ دھیرے سے مکر گیا تھا۔ اور صاف منع کر دیا تھا۔

''کون مہر...... میں کسی مہر کو نہیں جانتا...... تم لوگ بھی بھول جاؤ۔''

مینا ٹھٹکی تھی......

ٹنکو باز پرس پر اتر آیا تھا۔

''آپ ان کو بھول بھی گئے؟'' صدمے سے برا حال تھا۔

''میں ہر کسی کو یاد تھوڑی رکھ سکتا ہوں۔'' وہ بے نیاز نظر آنے لگا۔

''وہ مہر جی ہیں......'' ٹنکو نے یاد دلایا۔

''میری بلا سے جو ہوتی پھرے......'' اگلے نے فراموش کر دیا تھا۔

اطلس کا لہجہ سرد تھا...... انداز قدرے سخت تھا۔ ٹنکو کو مایوسی اور پریشانی نے ایک ساتھ جکڑ لیا۔

''آپ کی لڑائی ہوئی ہے کیا ان سے؟''

حالات شاید خراب ہو چکے تھے۔ تشویش لازمی ہو گئی تھی۔

''میرا دماغ خراب ہے جو کسی سے لڑوں گا...... وہ بھی اس سے جو میری کچھ نہیں لگتی۔'' یہ بات ٹنکو کے دل کو جا کر لگی تھی۔

مینا نے اماں کی چادر برابر کی تھی۔ اماں سے نظریں ملی تھیں۔

''آپ کے دل کی تو کچھ لگتی ہیں ناں......''

''میرا دل بھی میرا کچھ نہیں لگتا......''

شاید اسے ساری دنیا سے شکایتیں ہو چلی تھیں۔ وہ روٹھا روٹھا سا چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔

ٹنکو پانی بھر کر لے آیا۔

"پانی پی لیجیے پہلے......اور پھر غصہ بھی پی لیجیے۔ میری استانی جی کہتی ہیں...... پانی پی لو تو غصہ بھی ساتھ ساتھ پی لو۔"

"مجھے پیاس نہیں ہے۔" وہ پیٹھ موڑ کر لیٹ گیا تھا۔

مینا اور ٹنکو کے مذاکرات آنکھوں ہی آنکھوں میں جاری تھے۔

"ماش کی دال کھائیں گے؟"

"کھا لوں گا۔"

معاملہ واقعی سنگین نظر آتا تھا کہ جس دن گھر میں ماش کی دال پکتی تھی، اطلس باہر سے کباب منگوا لیا کرتا تھا۔ اگر آج یہ انقلاب دیکھنے میں آ رہا تھا تو بے سبب نہیں تھا۔

"ڈاکٹر نے کیا بتایا؟"

مینا چارپائی کی پائنتی کے پاس سنبھل کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر اماں کی صحت کے حوالے سے پریشانی صاف صاف نظر آتی تھی۔

"ٹھیک ہو جائیں گی اماں......تم لوگ فکر مت کرو۔" وہ تسلی اور دلاسے والے انداز میں بولا تھا۔

دوسری طرف ٹنکو اماں سے چمٹا ہوا کسی کھسر پھسر میں مصروف نظر آتا تھا۔

دھیرے سے مینا اطلس کی طرف آئی تھی۔ جیسے بہت ضروری بات کرنی ہو۔

"بھیا......!" مینا کی آواز میں غیر معمولی سی کپکپاہٹ تھی......

اطلس نے تیزی سے آنکھوں سے بازو ہٹایا تھا۔

سامنے ہی مینا ہاتھ لیے کھڑی تھی۔

"یہ رکھ لیں۔"

مینا کی ہتھیلیوں پر سونے کی چھوٹی چھوٹی بالیاں رکھی تھیں۔

اطلس نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"یہ کیوں اتار دیں تم نے؟"

"یہ...... یہ آپ سنار کو بیچ دیں...... اماں کی دوائیاں آجائیں گی۔"

کاجل سے سجی گہری آنکھیں...... روشن پیشانی اور سلیقے سے دوپٹا اوڑھے وہ اطلس کو چھوٹی اماں جیسی لگی تھی......

یہ بردباری...... یہ طور طریقے...... اس نے کہاں سے سیکھے تھے۔

"نہیں مینو...... یہ واپس پہن لو پگلی...... پیسوں کا بندوبست ہو جائے گا۔" اس نے چھوٹی چھوٹی سونے کی بالیوں والا ہاتھ واپس موڑ دیا۔

"آپ جوا مت کھیلیے گا بھیا......" مینا کی آواز کانپ رہی تھی......

وہ جیسے ٹھٹک گیا تھا۔

"نہیں کھیلوں گا مینو...... تمہاری قسم......"

دور اماں سے راز و نیاز میں مصروف ٹنکو کو مینا کی قسم سنائی دے گئی تھی۔

وہ وہیں بیٹھے بیٹھے ساری کن سوئیاں لے رہا تھا۔ دور سے شکایتی انداز میں بولا۔

"میری بھی قسم کھائیں...... سچی مچی...... ہر بار مینا کی قسم کھا لیتے ہیں آپ......"

مینا سونے کی بالیاں پہنتے ہوئے چولہے کی طرف جا چکی تھی۔ آج شاید وہ ماش کی دال ہی کھانے والا تھا۔

اطلس ٹنکو کی بات پر ہولے سے مسکرایا۔

اگلے دن دوپہر کو اپنے کچھ تعلیم یافتہ قسم کے دوستوں کے ساتھ کھڑا ہوا وہ ہنس بول رہا تھا۔

کستوری محلے کی وہی گلیاں تھیں۔ وہی شور و غل تھا۔ وہی ننگ دھڑنگ بچے...... وہی رونق شونق......

وہ گلی کے نکڑ پر کھڑا تھا جب مہر اپنی سہیلیوں کے ٹولے سمیت گلی میں سے گزرتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ شاید وہ لائبریری سے واپس آ رہی تھی۔ ہاتھوں میں کتابوں کا ڈھیر تھا۔

کسی سہیلی کی بات پر ہنستے ہنستے اس کی نظر اطلس کی طرف اٹھی تھی اور اطلس نے پیٹھ موڑ لی تھی۔

جیسے جانتا تک نہیں...... پہچانتا بھی نہیں......!

جیسے کوئی اجنبی ہوتا ہے...... سرسری نظر ڈال کر نظرانداز کردیتا ہے۔

مہر بختیار نظرانداز کردی گئی تھی۔ سمجھو تو رد کردی گئی تھی۔ وہ حیران اور پریشان دونوں نظر آتی تھی۔ تبھی پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ہولے سے پکار لیا تھا۔

''اطلس......! اماں کیسی ہیں اب؟''

وہ اجنبی اداکار اجنبی بن کر متوجہ ہوا تھا۔

سہیلیاں ادھر ادھر کھسک گئی تھیں۔

''اچھی ہیں۔''

مہر نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھا۔ چہرے پر سنجیدگی...... بالیوں سے خالی کان...... دھجی نما مفلر سے خالی گردن...... بریسلیٹ بھی کلائیوں سے غائب تھا۔

''مینا ٹنکو کیسے ہیں؟''

''وہ بھی اچھے ہیں۔''

اجنبی کی اداکاری آسکر کے لیے نامزد ہونے والے اداکاروں جیسی تھی۔

''میں کسی دن ان سے ملنے ضرور آؤں گی۔''

''مت آیئے گا...... پلیز!''

برف برف لہجہ مہر کو یخ کر گیا تھا۔

جانے کون سے برف کے تودے کستوری محلے کی گلیوں میں بھر گئے تھے۔

''کیا مطلب؟ روک رہے ہو......؟ منع کر رہے ہو مجھے؟''

غیر شناسا اداکار نے نظروں میں کسک اور تکلیف بھر کر اسے دیکھا تھا۔

''عجی سے کہیے گا میرے گھر کی چھت ساون کی بارش سے گر چکی ہے...... میں اس ملبے تلے دب گیا ہوں۔ پناہ لینے کے لیے مجھے کسی در پر جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ مجھے سارے دروازے بند ملیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کستوری محلے کی گلی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ پیچھے وہ لائبریری سے ایشو کروائی گئی کتابیں تھامے کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

وہ پہیلیوں میں بات کر کے گیا تھا۔ وہ الجھی ہوئی کھڑی تھی۔

دل پر ہاتھ پڑ گیا تھا۔

کہیں اندر کوئی سوئی چبھ گئی تھی۔

عجی کا دل ٹوٹا تھا......تو ٹوٹے دل والی نے دوسروں کے دل توڑنے شروع کر دیے تھے۔

وہ عجی کو کبھی معاف نہیں کرے گی...... یہ بات پتھر پر لکیر سمجھ لو......

مہر کی آنکھوں میں آنسو......

مہر کی آنکھوں میں ستارے......!

ہائے ہائے کستوری......وائے وائے کستوری......!

ناول قیس جنگل میں اکیلا ہے کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 15 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.Com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmai.com پر ای میل کریں۔

قسط نمبر 8

دل خالی۔دل بنجر۔دل صحرا......

مہر بختیار کستوری محلے کی گلیوں میں تہی داماں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔دور گلی میں جاتا ہوا اطلس اسے جیسے کسی نقطے کی طرح نظر آیا تھا اور پھر گم ہو گیا تھا۔اس کے ہاتھوں میں تھامی ہوئی لائبریری کی چار کتابیں چار پہاڑوں جتنی بھاری ہو گئی تھیں۔رشنا بیگ سنبھالے گلی سے گزرتے ہوئے اس کے پاس رکی تھی۔

''کیا ہوا؟ تم کیوں بت بن کر کھڑی ہو گئی ہو اور کون تھا یہ؟''

وہ محلے کی سہیلی کی بات پر آہستہ سے واپس مڑی تھی۔

''کوئی نہیں......''

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی گلیوں سے گزرتی رہیں۔رشنا کی ساری باتیں مہر کے سر سے گزر گئیں۔جانے کیوں دل اچانک سے خالی ہو گیا تھا۔

جسم کے سارے اعضاء میں سے دل نامی لوتھڑا کہیں گم ہو جائے تو پھر اعلان بھی نہیں کیے جاتے۔

بے چاری مہر بختیار کہیں کی نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

زرناب نے صحن میں رکھے پرانے لکڑی کے بنچ پر بیٹھتے ہوئے لمبی سانس لی تھی۔اس کی انگلیوں میں چائے کا کپ لرز رہا تھا جیسے اندر کچھ ٹوٹنے کو ہو۔

سورج آہستہ آہستہ درختوں کی اوٹ میں چھپ رہا تھا اور نارنجی روشنی اس کے چہرے پر خوابوں

جیسا عکس بکھیر رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی۔ گلاب کی جھاڑیاں خوشبو بکھیر رہی تھیں اور پیچھے کہیں دور مؤذن کی آواز گونج رہی تھی۔ اسی لمحے قیس آہستہ آہستہ صحن میں داخل ہوا تھا۔

ہاتھ جیبوں میں ڈالے، چہرے پر وہی بے نیاز سا تاثر جو زرناب کو اب کھوکھلا لگتا تھا۔

زرناب نے غور سے اسے دیکھا تھا۔ چائے کے کپ سے بھاپ کے آخری بادل اٹھ رہے تھے۔

"قیس...... کبھی کبھی شامیں بہت بولتی ہیں...... جیسے ہر چیز بتانا چاہتی ہوں۔ وہ بھی...... جو ہم سننا نہیں چاہتے۔"

قیس اس کی بات پر جھنجلا گیا تھا۔ اب وہ سامنے دیوار کے ساتھ ٹیک لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سامنے ہی عجی کے پھولوں کی کیاریوں میں کچھ پھول جیسے نیند سے بے حال نظر آتے تھے۔ شام ہوتے ہی پھولوں کو نیند آنا شروع ہو جاتی تھی۔

"تم پھر فلسفے سنانے لگی ہو زرناب؟ میں تھکا ہوا ہوں۔ دفتر سے ابھی آیا ہوں۔"

زرناب نے مسکرا کر جیسے تلخی اپنے اندر چھپائی تھی۔

"ہاں...... لیکن دل کی تھکن تمہارے چہرے سے چھلکنے لگی ہے قیس۔"

قیس نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی۔ زرناب کی نگاہیں اس پر جمی تھی مگر وہ نظریں چرائے کھڑا تھا۔ آنکھوں میں اچانک برسات شروع ہو گئی تھی۔

"تم جانتے ہو میں نے تم سے محبت کبھی نہیں کی قیس...... اور تم بھی مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ میں جانتی تھی تمہیں میری نہیں میرے باپ کی دولت سے محبت تھی۔ لیکن کیا اتنا کافی نہیں تھا کہ میں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہیں قبول کیا، اور ایک ایسا دل توڑا جسے توڑنے کا گلٹ اندر سے مجھے کھا رہا ہے۔ عجی کا دل...... ایک دوست کا دل۔"

قیس کے چہرے پر جھنجلاہٹ اور بے چینی بڑھنے لگی تھی۔ وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"زرناب...... اگر تم سب جانتی تھیں تو پھر شکایت کس بات کی؟"

زرناب نے چائے کا ٹھنڈا کپ سامنے رکھے لکڑی کے اسٹول پر رکھ دیا تھا۔

"شکایت؟ نہیں قیس...... یہ شکایت نہیں، یہ ایک سوال ہے۔ کیا محبت صرف ایک کھیل ہے تمہارے لیے؟ کیا دوستی، رشتے، سب کچھ صرف تمہارے مفاد کے لیے تھا؟"

زرناب اٹھ کر قیس کے بالکل سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دو مفاد پرست لوگ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کو الزام دیتے ہوئے۔ ہوا میں سردی بڑھ گئی تھی۔ سورج اب افق کے پیچھے چھپ چکا تھا۔ صرف نارنجی ہالہ باقی تھا۔ پرندے لوٹ رہے تھے، اور فضا میں اداسی سی چھا گئی تھی۔

"یہ کون کہہ رہا ہے......؟ تم...... جس نے اپنے مفاد کے لیے میرا استعمال کیا۔ اپنی دوست کا استعمال کیا۔ صرف اپنے باپ کی ضد میں آ کر...... تم جیسی لڑکیوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جو ساری زندگی اپنا آپ دوسرے پر ثابت کرنے کے لیے گزار دیتی ہیں۔ خود کو دھوکے میں رکھتی ہیں۔ تب ہی تم سے کہہ رہا ہوں موو آن کر لو ہر چیز سے...... اپنی دوست سے...... اپنے ڈیڈ کی دی گئی تکلیف سے...... حال میں زندگی گزارو...... میرے ساتھ۔ اپنے شوہر کے ساتھ۔ کیونکہ تمہاری زندگی میں میرے علاوہ کوئی آپشن باقی نہیں رہا۔"

کستوری محلے کے سرسوں والے گھر کا مفاد پرست مرد لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے جانے لگا تھا۔ جاتے جاتے وہ زرناب کے سامنے رکھا ہوا چائے کا ٹھنڈا کپ اٹھانا نہیں بھولا تھا۔ وہ وہیں کسی مجسمے کی صورت بیٹھی رہ گئی تھی۔ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوتی گم صم سی مہر نے حیران ہو کر زرناب کو وہاں اکیلے بیٹھے پایا تھا۔ زندگی نے عجیب چال چلی تھی۔ سب کو اکیلا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اندر جاتے جاتے پلٹ کر زرناب سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اندر آ جائیں...... درختوں پر شام اترنے والی ہے۔ اماں کہتی ہیں درختوں پر شام اتر آئے تو احتیاط کرنی چاہیے۔"

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے زرناب نے مہر کے ساتھ اندر کی طرف جاتے ہوئے جیسے دکھ سے کہا۔

"اماں سے کہہ دینا اب میں نے شام سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب انتظار رہتا ہے شام کا کہ اتر

آئے اور کسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

شال برابر کرتی ہوئی زرناب اوپر والی منزل کی طرف سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔ دیر تک زی کے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آتی رہی۔

☆......☆......☆

وہ جب گھر پہنچا تو دھوپ ڈھل چکی تھی۔ سامنے ہی صحن میں مینا اماں کے پاؤں دھلوا رہی تھی۔ ٹنکو صحن میں بکھرے دن بھر کے خشک پتے چننے میں حد درجہ مصروف و مشغول نظر آ رہا تھا۔ اطلس سامنے چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔ ٹنکو جھاڑو تھامے اس کے سرہانے آ کر کھڑا ہوا۔

"طبیعت سیٹ نہیں لگ رہی آپ کی!"

ٹنکو کی تفتیشی نظروں سے وہ ہمیشہ خائف نظر آتا تھا کہ یوں لگتا تھا جیسے کوئی خوردبین فٹ کی ہوئی ہے جو دل کی ساری حالتوں کا پل بھر میں پتا لگا لیتی ہے۔

"ارے نہیں تو...... تمہارے سامنے ہوں بالکل ٹھیک، فٹ فاٹ......"

ٹنکو جھاڑو کندھے پر رکھے چارپائی کے ایک کونے پر ٹک گیا تھا۔

"ٹھیک تو لگ رہے ہیں مگر فٹ فاٹ کہیں سے بھی نہیں لگ رہے۔"

اطلس کا منہ اتر گیا تھا۔

سامنے بیٹھے ہوئے ننھے شیطان کو سارے جنتر منتر پتا تھے اور ان کا استعمال بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ یہی سوچ کر وہ گہری سانس لیتا ہوا چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

مینا بھی ٹنکچر کی شیشی بند کر کے وہیں آ گئی تھی۔ شاید وہ اماں کے زخموں پر پھاہے رکھ رہی تھی۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو بھیا کو؟"

مینا کی ڈانٹ ڈپٹ کو تو وہ چٹکیوں میں اڑانے لگا۔

"تفتیش کر رہا ہوں۔ جوابات میں گڑبڑ کر رہے ہیں۔"

"تم کیوں کرو گے بھلا تفتیش...... یہ تو بھیا کریں گے کہ اسکول میں کیا کارنامہ کر کے آئے ہو

آج تم۔"

مینا کی سرزنش نے ٹنکو کے حواس گم کر دیے تھے۔ جھاڑو وہ دور جا پڑا تھا۔ اطلس نے اب صورت حال کو پلٹا کھاتے ہوئے دیکھا تو اطمینان سے سوالیہ نظریں ٹنکو کی طرف گاڑ دیں۔ جو بوکھلاہٹ سے مرا جا رہا تھا۔

"آپ کو تو پتا ہے کہ میرا حساب تھوڑا کمزور ہے۔ کچے پیپر تھے پکے تھوڑی تھے۔ اگر فیل ہو گیا ہوں تو اس میں کون سی بڑی بات ہے۔" مسکینی صورت اور مسکین سی نظریں اطلس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"ہاں...... ہاں...... اس میں کون سی بڑی بات ہے۔"

بھائی کی بات پر ٹنکو نے سانسیں بحال کر کے مینا کو جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کالر کھڑے کر لیے کہ آج تو ڈانٹ ڈپٹ سے بچ گیا۔

"بلکہ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔"

اطلس کے پورے جملے سے اس کی روح فنا ہو گئی تھی۔

"کیا منہ دکھاؤں گا محلے والوں کو، ساری دنیا کو کہ میں خود تو لوفر آوارہ تھا ہی مگر میرا چھوٹا بھائی بھی میرے نقش قدم پر چل پڑا ہے۔ حساب کے کچے پیپروں میں فیل ہونے والا اصل پیپروں میں کون سی پوزیشن لے لے گا۔"

اطلس کے لہجے کی سنجیدگی اور سختی نے ٹنکو کو پانی پانی کر کے رکھ دیا تھا۔

مینا کو تو آج مفت کا شو دیکھنے کو مل گیا تھا اور اب اسے خوب مزے آ رہے تھے۔

"سچ میں...... لے آؤں گا پوزیشن...... پھر فخر سے سارے محلے کو بتایئے گا کہ ٹنکو پاس ہو گیا۔"

اطلس نے جواباً پیٹھ موڑ لی تھی اور اٹھ کر اماں کے پاس چلا گیا تھا۔

مینا اور ٹنکو کے درمیان گھمسان کا رن پڑا تھا۔

ٹنکو کی طرف سے الزامات کی بوچھاڑ کی گئی تھی اور احتجاجاً وہ شام کا کھانا کھائے بغیر سر لپیٹے سو گیا تھا۔

مینا کی منت سماجت کام نہیں آئی تھی۔ اطلس کام سے کہیں چلا گیا اور واپس آیا تو مینا سے معلوم پڑا

کہ حساب میں فیل ہونے والا انسان بھوکے پیٹ سو گیا ہے۔

اماں کے بازو پر سر رکھے وہ بھوکا انسان مزے سے سو رہا تھا جب اطلس نے دھیرے سے گود میں اٹھا کر دوسری چارپائی پر ڈالا اور مینا سے کھانا لانے کو کہا۔

"جاگ جاؤ شہزادے......کھانا کھا لو۔ بھوکے پیٹ نہیں سوتے۔"

بالوں میں انگلیاں پھیری گئیں۔ گالوں پر پپی بھی کر دی گئی مگر شہزادہ ناراض بہانے خور آنکھیں بند کیے مزے سے سویا رہا۔

"یار! بس کرو۔ ناراضی چھوڑو۔ بڑا بھائی ہوں کیا ہوا جو تھوڑا سا ڈانٹ دیا تو۔"

جذباتی مکالموں کے تبادلے کے کافی دیر بعد روٹھا شہزادہ چپ چاپ کڑھی پکوڑا کھا رہا تھا۔

"آپ نے مینا کی باتوں میں آ کر مجھے ڈانٹا ہے۔ بے عزتی کر دی ہے میری۔ اب کل یہ سارا دن مجھے تنگ کرے گی۔"

بستر لگاتی مینا مسکراہٹیں چھپا رہی تھی۔ وسیع صحن کے اوپر اتری رات کے تارے بھی شرارت سے ہنس پڑے تھے۔

"مینا! خبردار جو اب سے تم نے ٹنکو کو کچھ بھی کہا تو......یقین کر لو کہ پکے پیپروں میں وہ پوزیشن ضرور لے گا۔"

مستقبل کا پوزیشن ہولڈر مزے سے رات کے کھانے کے بعد اب الائچی والا گرم دودھ نوش فرما رہا تھا۔ تب ہی کچھ خیال آنے پر پوچھ لیا۔

"مہر جی کہیں گم ہو گئی ہیں کیا؟"

اطلس کو ٹھسکا لگا۔

وہ رات کے اس پہر یاد آ گئی تھی۔

"ہاں......گم ہو گئی ہیں۔"

"جیسے......جیسے......تارے گم ہو جاتے ہیں۔"

ٹنکو غنودگی میں جا رہا تھا۔ اطلس صحن میں ٹہل رہا تھا۔

"نہیں...... جیسے چاند گم ہو جاتا ہے۔"

کستوری محلے کے اس گھر پر اتری رات کا چاند منظر سے غائب ہو گیا تھا۔

ہر طرف اندھیرا...... ہر طرف تاریکی......

☆......☆......☆

کلثوم بیگم اپنی چارپائی پر نیم دراز تھیں۔ چہرے پر عمر رسیدہ جھریاں تھیں مگر ان آنکھوں میں اک کرب چھپا بیٹھا تھا۔ کچھ وقت پہلے انہی آنکھوں میں خوشیوں کے خواب تھے...... بیٹے کی دلہن کو اپنی مرضی سے چننے کے...... مگر وہ خواب چکنا چور ہو گئے جب قیس نے زرناب سے اچانک شادی کر کے ان کا دل توڑ دیا تھا۔ اب کہیں جا کر اپنے دل کا ٹوٹنا تکلیف نہیں دے رہا تھا جتنا کہ عجی کے دل کی پریشانی لگی ہوئی تھی۔ دوسری طرف زرناب تھی۔ ایک ایسی لڑکی جو اس گھر، اس خاندانی روایت، اس اطاعت کی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔

اسی لمحے دروازہ ہولے سے کھلا۔ زرناب چپ چاپ اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ اور اسی ٹرے میں ایک کھیر کا پیالہ بھی سجا ہوا تھا۔ سفید دوپٹا سر پر جمائے آہستہ قدموں سے وہ کلثوم بیگم کے پاس پہنچی۔ اس کی آنکھوں میں جھجک تھی، مگر لہجے میں بہت سی ان کہی معذرتیں۔

کلثوم بیگم نے سلام کا جواب تو دیا، مگر چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔ زرناب کو یہ سرد مہری اب اجنبی نہیں لگتی تھی مگر ہر بار دل پر نئی خراش ضرور چھوڑتی تھی۔

"آپ کی چائے...... ہلدی بھی ڈالی ہے، جیسے آپ کو پسند ہے۔"

کلثوم نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"اب تمہیں میری پسند ناپسند کا بھی خیال آ گیا؟"

زرناب خاموش رہی۔ اس نے چپ چاپ چائے کا کپ ان کے سامنے رکھا اور پھر زمین پر ان کے قدموں کے قریب بیٹھ گئی۔

"میں جانتی ہوں جو بھی ہوا غلط ہوا۔ قیس کے حوالے سے آپ کے بہت سارے خواب ہوں گے۔ آپ کے خوابوں کی تعبیر یہ نہیں تھی۔"

کلثوم بیگم نے نظریں جمائے دروازے کی طرف دیکھا جیسے وہ زرناب کی موجودگی سے بچنا چاہتی ہوں مگر زرناب اب رکی نہیں۔

"میرا گھر یہی ہے جہاں آپ ہیں۔ میں جب بھی قیس کو مسکراتے دیکھتی ہوں دل چاہتا ہے کہ وہ ہنسی آپ کے پاس بھی لوٹ آئے۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور جی بھی مجھے معاف کر دے۔"

کلثوم بیگم کا دل جیسے لرز گیا۔

وہ سخت مزاج ضرور تھیں مگر ماں تھیں...... اور ماں کا دل آخر کب تک پتھر بنا رہتا ہے۔ اور ماں بھی وہ جنہوں نے کسی اور کی اولاد کو ماں بن کر پالا تھا۔

کلثوم بیگم نے پہلی بار زرناب کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں نمی تھی، چہرے پر وہ پرانی سختی اب ماند پڑ چکی تھی۔

"معافی ایک دن میں قبول نہیں ہوتی زرناب...... مگر کوشش سچی ہو تو دل ضرور بدل جاتا ہے۔"

زرناب نے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا جیسے برسوں کی دوری سمٹ کر لمحوں میں ختم ہو گئی ہو۔

کمرے کی فضا اب بدل چکی تھی۔ باہر آسمان پر پہلا ستارہ جھلملانے لگا تھا۔ شاید یہ ایک نئے رشتے کا پہلا چمکتا ستارہ تھا۔

"میں نے آج آپ کے لیے خود کھیر بنائی ہے وہی بادام پستے والی...... جیسے قیس بتاتے ہیں کہ آپ بچپن میں بنایا کرتی تھیں۔"

"میری کھیر میں جو مٹھاس ہوتی تھی نا، وہ محبت اور محنت سے بنتی تھی۔ بازار کی ریسیپیوں سے وہ مٹھاس نہیں آتی بیٹی۔"

زرناب کے ہونٹ لرزے تھے مگر اس نے مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"میں سیکھنا چاہتی ہوں...... محبت اور محنت سے آپ سے...... اگر آپ سکھائیں گی۔"

کمرے میں چند لمحے کے لیے خاموشی طاری ہوگئی۔ باہر اذان کی آواز گونجی تھی جس نے ماحول کو روحانیت کی چادر میں لپیٹ دیا۔ اذان کے اختتام پر کلثوم نے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کو غور سے دیکھا تھا اور جانے کیوں اس لمحے وہ انہیں اپنی بیٹیوں جیسی لگی۔

جیسے مہر...... جیسے عجی...... اور جیسے زی......

"سیکھنے کے لیے صرف نیت نہیں دل بھی کھلا ہونا چاہیے۔ اور تم نے تو دل توڑ کر اس گھر میں قدم رکھا ہے زرناب......"

زرناب زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کہتے ہیں دل توڑنے کی سزا انسان کو دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ مجھے آپ کی اور عجی کی ہر سزا منظور ہے۔"

کلثوم بیگم کا دل جیسے تھوڑا سا لرز گیا۔ وہ رخ موڑ کر زرناب کو دیکھنے لگیں۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں وہ نمی دیکھی جو شاید سچی تھی۔

"میں جانتی ہوں یہ محبت کی شادی نہیں ہے۔ کسی سمجھوتے کی ہے۔ مگر میں چاہتی ہوں قیس کو تم سے محبت ہو جائے۔ محبت کا مطلب صرف کسی کا ہاتھ تھام لینا نہیں ہوتا۔ محبت وہ ہے جو خاموشی سے سہہ لے...... برداشت کرے...... انتظار کرے...... اور پھر اسے اپنا مقام مل جائے۔ تم کر سکتی ہو یہ سب؟"

"میں کر رہی ہوں روز...... جب آپ مجھ سے بات نہیں کرتیں۔ جب آپ میری موجودگی نظر انداز کر دیتی ہیں۔ جب آپ نماز کے بعد دعا میں میرا نام نہیں لیتیں...... میں تب بھی منتظر رہتی ہوں...... کہ شاید کل آپ مجھے بیٹی کہہ کر پکاریں۔"

بلب کی زرد روشنی میں کلثوم بیگم کو زرناب زمان بالکل سونے کی گڑیا کی طرح لگی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر سونے کی گڑیا کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

پہلی بار...... پہلی بار...... دونوں کے ہاتھوں کا لمس سچا تھا۔ ٹوٹا ہوا، لیکن جڑنے کی کوشش کرتا ہوا۔

”بیٹی بننا آسان نہیں ہوتا...... بیٹی وہ ہوتی ہے جو ماں کے زخموں پر مرہم رکھے۔ جو ماں کی خاموشیوں کو سمجھے۔“

”تو پھر مجھے موقع دیں...... مجھے بیٹی بننے دیں۔“

کلثوم بیگم کی آنکھوں سے ایک آنسو چھلک گیا۔ جو پلکوں سے ہوتا ہوا رخسار تک آیا اور وہاں سے زرناب کے ہاتھ پر ٹپک گیا۔ زرناب نے وہ آنسو چپ چاپ اپنی ہتھیلی سے سمیٹ لیا۔ جیسے برسوں کی روٹھنے منانے کی کہانی ایک آنسو میں بند ہوگئی ہو۔

کمرے میں سکون سا اتر آیا تھا۔ باہر چاند نکل آیا تھا اور کھڑکی سے اس کی روشنی اندر آ کر دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ زرناب نے کھیر کی پلیٹ دوبارہ آگے کی، اور اس بار کلثوم بیگم نے پلیٹ لے لی تھی۔ زرناب نے چمچہ بھر کر انہیں کھلایا۔

”یہ کھیر...... بالکل میری کھیر جیسی بنی ہے۔“

دونوں مسلسل ہنستے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ جائے نماز پر سلام پھیرنے کے بعد عذرا ان کی آوازوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ زندگی کے اس مقام پر ہر کسی کے ساتھ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور ہو رہا تھا۔ سوائے پھولوں کی فصل اگانے والی عجی کے۔ وہ کلثوم بیگم کی بیٹی تھی۔ وہ زرناب زمان کی دوست تھی۔ سب کا بھلا چاہنے والی۔ عجی نے اس گھر کی مسکراہٹوں کے لیے دعا مانگی تھی۔ باوجود اس کے دعا مانگنے والی کی دعاؤں میں اپنے لیے کوئی حصہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

کھیر کی ٹھوٹھی میں دو چمچے ڈالے عذرا دھیرے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ رات سے موتیا کی بھینی بھینی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ جالی دار پردے وقفے وقفے سے ہوا سے لہرا رہے تھے۔ سامنے ہی فرش پر بہت سارے ساز و سامان کے ساتھ مہر بختیار سفید کاغذوں پر کوئی اسکیچ بنانے میں مصروف نظر آتی تھی۔ ہمیشہ سے جب بھی وہ کسی کشمکش میں مبتلا ہوتی تھی تو اسکیچنگ شروع کر دیتی تھی۔

عذرا بھی کھیر کی ٹھوٹھی سمیت اس کے پاس ہی فرش پر پھسکڑا مارے بیٹھ گئی۔ مہر نے یوں نظر انداز

کیا تھا کہ جیسے بالکل ہی اس سے واقف نہ ہو۔ آج شام سے وہ یہی سب کچھ کر رہی تھی۔ پتا نہیں اس کے پاس ایسے کون سے معمے جمع تھے کہ جن کا سراغ وہ کسی کو لگنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

عجی نے باہر سے آتی موتیا کی مہک کو اندر اتارا۔

''کہتے ہیں موتیا کے پودوں پر رات کو سانپ آتے ہیں۔''

مہر نے سر اٹھا کر اسے غور سے دیکھا۔

''بے فکر رہو۔ ہمارے گھر کے پودوں پر سانپ نہیں آئیں گے۔'' تلخ لہجے میں وزنی بات لپیٹ کر اس نے عجی کی پیشانی پر دے ماری تھی۔

''یہ تم اس قدر وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''وہ اس لیے کہ اب سانپوں کا زہر اس گھر کے مکینوں کی زبان میں شامل ہو گیا ہے۔ سانپوں کی بچت ہو گئی ہے۔''

سرد برف لہجے نے عجی کو کھیر بھلا دی تھی۔ اس کا مطلب واضح تھا کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ چھپا رہی تھی۔ اور اپنے اندر بہت کچھ دفن کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔

''میں سمجھی نہیں...... کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟''

مہر بختیار نے کاغذ اور گریفائٹ کی پنسلیں سنبھال کر کنارے پر رکھ دی تھیں۔ اب اس نے اپنی نظریں سامنے بیٹھی ہوئی عذرا بختیار پر گاڑ دی تھیں۔

عجی کی عدالت لگنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ بس بہت مل گئیں معافیاں...... مگر اب اور نہیں۔ وہ کمر کس کر میدان میں اتر آئی۔

''اگر تمہارے گھر کا مرد نکھٹو ہے۔ کسی دوسرے کے دیے گئے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ جو ہمارا حق کھا کھا کر جوان ہوا ہے۔ جسے بنا بنایا گھر وراثت میں ملا ہے اور دکانوں سے گزر بسر بھی ہو رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دوسرے کسی ذمہ دار مرد کو کٹہرے میں کھڑا کر کے باتیں سناؤ۔''

عجی سیاہ سفید ہو گئی تھی۔

تو اس کا مطلب یہ تھا کہ مہر کو سب پتا چل گیا تھا۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"صحیح کہہ رہی ہوں۔ تم کون ہوتی ہو کسی کو یہ کہنے والی کہ ساون کی برسات سے اس کے گھر کی چھتیں گر جائیں گی۔ اور وہ مہر بختیار کے دروازے پر سوال لے کر آئے گا تو منہ کی کھائے گا۔ منہ کی تو تم کھا چکی ہو عجی...... تمہیں انکار ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دوسروں کی راہ کھوٹی کرتی پھرو۔"

عذرا نے گہری گہری سانسیں لینی شروع کر دی تھیں۔ یوں لگنے لگا تھا موتیا کے پھولوں پر عاشق سانپ آ گئے تھے اور اب وہ زہر اگل رہے تھے۔ ہوائیں زہر زہر ہو گئی تھیں۔

"تو میں نے کیا غلط کیا مہر...... کیا ہے اس کے پاس؟ کستوری کا غنڈہ موالی ہے وہ......"

"غنڈہ مت کہو اسے......"

"تم کیوں حمایت کر رہی ہو اس کی۔ زندگی ایسوں کے ساتھ نہیں گزرتی۔" عجی نے تلخ لہجے میں کہا۔

مہر ہنسی کے دوروں میں خود کفیل تھی۔ کسی بھی قسم کی صورت حال میں پڑ جایا کرتے تھے۔

"زندگی ویسوں کے ساتھ بھی نہیں گزرتی، ویسے بھی وہ جو چند سیڑھیوں کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ جس کی قمیصوں کے کاج ٹانکتی رہی ہو، اس نے تو تمہیں سولی پر ٹانگ دیا ہے عذرا بختیار...... تم نے زندگی میں بس ایک ہی مرد دیکھا ہے اور تم اسی بنا پر سب کو دیکھتی ہو...... مطلبی...... خود غرض...... اور...... اور مفاد پرست مرد۔"

مہر کو نہیں پتا تھا کہ لفظ برچھی تھے۔ لفظ تلوار تھے۔ عجی زخمی زخمی ہو گئی۔ سب کو لگا تھا جیسے سنبھل گئی ہو مگر وہ تو دل پر کھرنڈ جماتے جماتے اور ڈھونگ رچاتے ہوئے تھک ہار سی گئی تھی۔ مہر جالی دار پردوں کے پاس کھڑی تھی۔ پیچھے خاموشی تھی۔ پھر پہلی سسکی ابھری۔ اور پھر گھٹ گھٹ کر روتی ہوئی عجی کی آواز بلند ہوتی گئی۔ ماں جائی کی کراہٹ نے مہر کو عجیب سے انداز میں جیسے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹ کر آئی۔ سامنے ہی کھیر کی ٹھوٹھی اور دو چمچے پڑے تھے۔ اس نے کھیر کا چمچہ عجی کی طرف بڑھا دیا۔

"لو...... ٹھنڈی ٹھنڈی کھیر کھاؤ، افاقہ ہو گا۔ کہتے ہیں میٹھا بوجھل دلوں کے لیے اچھا ہوتا ہے۔"

''بوجھل دلوں کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ مردہ دلوں کے لیے نہیں۔''

''اللہ نہ کرے کہ کبھی تمہارا دل مرے۔'' مہر نے دوپٹے سے اب آنسو پونچھنے شروع کردیے تھے۔

''میں سوری کرلوں تو قبول کرلوگی؟'' عجی نے آنسوؤں سے بھاری پلکیں اٹھا کر غلطی کی معافی مانگنی چاہی تھی۔

''جس کا دل دکھاتے ہیں۔ معافی اسی سے مانگتے ہیں۔''

''وہ کہاں ملا تمہیں؟''

''آج ملا تھا لائبریری سے واپسی پر۔ لہجے میں کونین گھلا ہوا تھا۔ یوں لگا جیسے ایک پل کا واقف نہیں ہے۔ تمہاری باتوں نے اس مرد کا دل دکھایا ہے عجی۔ مردوں کے دل دکھانے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔''

مہر نے بڑی بہن کو نصیحت کے ساتھ ساتھ جیسے سرزنش کی تھی۔

''ایسے مردوں کے ساتھ محبت کرنے میں بھی بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے مہر۔''

سانپوں کا زہر امرت ہوگیا۔ موتیا کی خوشبو لپک جھپک آئی اور مہر کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ بوکھلا گئی تھی۔

''یہ...... یہ...... موضوع کہاں سے کہاں نکال لے گئی ہو تم۔ محبت وحبت کہاں سے آگئی بیچ میں۔''

کھیر کی ٹھوٹھی میں چمچہ پٹخ دیا گیا۔ عذرا بختیار نے ننگے پاؤں وہاں سے اٹھ کر اسے کھڑکی کی طرف جاتے دیکھا۔

''تم نے ہی ایک بار مجھے کہا تھا ناں مہر...... کہ محبت ہو تو دکھائی دیتی ہے۔ محبت ہو تو سنائی دیتی ہے۔ جو دکھائی دے اور نہ سنائی دے وہ محبت نہیں فریب ہوتی ہے۔ تو سنو...... مجھے تمہاری اور اطلس کی محبت دکھائی دے رہی ہے۔ سنائی بھی دے رہی ہے۔ اب تم دونوں بلی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاؤ تو اور بات ہے۔''

مہر کے کندھے پر عجی کا ہاتھ ٹھہر گیا تھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ آنکھوں کی

چوڑیاں چہرے پر عیاں تھیں۔ ہوا خوشبوؤں سے مشک بار تھی۔

کستوری محلے کی گلیوں میں جگنوؤں کے قافلے اترے۔ چھت پر شاید کوئی ڈفلی بجا رہا تھا۔ یہ کمبخت محبت کب، کہاں سے اور کیوں ٹپک پڑی تھی۔

مہر کا دل موم ہو گیا۔ زور زور سے دل دھڑکا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لد پھند گئی تھیں۔

''اب کیا ہو گا عجی ...... یہ یہ ...... ایسے کیسے......'' وہ تڑپ کر عجی کے وجود سے لپٹی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

کمرے کے کونوں کھدروں سے نکل نکل کر چیونٹیوں کی بارات کھیر کی ٹھوٹھی کے مزے اڑانے جا رہی تھی۔

عجی نے ایک نصیحت بھری سرگوشی چھوٹی بہن کے حوالے کی۔

''محبت ہی سب کچھ نہیں ہوتی مہر ...... ہم لڑکیاں اندھا دھند اس کے پیچھے بھاگنے لگتی ہیں۔ دل کے فریب ہیں سارے ...... خود کو ان کے حوالے مت کرنا۔ ہم نے تو زندگی میں آگے بہت کچھ کرنا تھا ناں ...... ہمارے آئیڈیاز، ہمارا بزنس ...... ہمارے خواب ...... اور اب ...... دیکھو تو ...... خواب عذابوں میں بدل گئے ہیں۔''

وہ رات ڈھلتی رہی۔ کستوری محلے والے سرسوں کے گھر کی وہ دو بہنیں ترازو پر محبت کے ساتھ ہم وزن خواب تول تول کر وزن برابر کرتی رہیں۔

کون جانے ...... محبت کسی ترازو میں نہیں آتی ...... بے وزن ہوتی ہے ...... بے وزن کر دیتی ہے۔ کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔

موتیا کی خوشبو آوارہ پھرتی رہی۔

چیونٹیاں کھیر کی ٹھوٹھی سے کھیر کا لطف لے کر دوبارہ سے کمرے کے کونوں کھدروں میں چھپ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اماں کلثوم نے پورے گھر میں عذرا کی گمشدگی پر ڈھنڈورا پیٹ ڈالا تھا۔ پریشانی سے گھر کے اندر ٹہل ٹہل کر اپنا بلڈ پریشر کم کروا چکی تھیں۔ مہر نے دوائی کے ساتھ ساتھ انہیں تسلی بھی دی تھی کہ وہ کہیں ضروری کام سے گئی ہے اور کچھ دیر تک واپس آجائے گی۔

''ایسا کون سا ضروری کام پڑ گیا تھا جس کے بارے میں، میں بھی نہیں جانتی۔''

''میں جانتی ہوں ناں، میرا یقین کر لیں۔ مجھے بتا کر گئی ہے وہ۔''

کلثوم نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جیسے شرم دلانا مقصود ہو مگر اگلی مزے سے چائے کے سپ لینے کے ساتھ ساتھ ٹی وی پر کوئی بورنگ سی جانوروں والی ڈاکیومنٹری دیکھ رہی تھی۔

''مہر...... میں سچ کہہ رہی ہوں آج مار کھا لو گی تم میرے ہاتھوں سے......''

''اے لو...... میں کب سے بریانی کی آس لگائے بیٹھی ہوں اور آپ ہیں کہ مار کھلانے کے موڈ میں ہیں۔''

''مہر نے صوفے پر مزید ڈھیر ہوتے ہوئے مزے سے کلثوم کا ضبط آزمایا تھا۔ اتنی دیر تک عذرا کی گھر سے غیر موجودگی نے حقیقی معنوں میں کلثوم کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ جا کر مہر کے سر پر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''سچ سچ بتاؤ مجھے...... کہاں گئی ہے بجی؟''

سیڑھیوں پر قیس کے اترنے کی چاپ نمودار ہوئی تھی اور لمحوں بعد وہ خود بھی سامنے کھڑا تھا اور شاید اماں کے الفاظ بھی سن چکا تھا۔

''کہاں گئی ہے عذرا......؟''

شک بھرے لہجے اور انداز نے مہر کی ساری سستی کو ہوا کر دیا تھا۔ ایک دم سے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ کلثوم جیسے گھبرا سی گئی تھیں۔

''ارے بیٹا۔ اس نمانی نے کہاں جانا ہے۔ بس یہیں سامنے مریم کے گھر تک ہی گئی ہو گی۔ اصل میں اس کا سیپ کاڑھنے والا فریم ٹوٹ گیا تھا تو وہی لینے گئی ہو گی۔''

قیس کی نظریں مہر پر تھیں۔ اور مہر کی نظریں اماں پر...... جو گھبرائی سی لگ رہی تھیں۔

''واہ! بڑے سیر سپاٹے ہو رہے ہیں۔ بڑی آزادی مل گئی ہے۔ کبھی بھی کہیں بھی منہ اٹھا کر چل دو۔ چاہو تو کسی کو بھی گھر میں بلا لو۔ چاچی دیکھ لیں ہمارے گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔''

طنز اور شک میں لپٹے ہوئے الفاظ جیسے مہر کو آگ ہی تو لگا گئے تھے۔ وہ فٹ سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

''کس انداز میں بات کر رہے ہو۔ ہماری ماں زندہ ہے۔ اس کی اجازت کے علاوہ ہمیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھے۔''

''یہی تو...... میں کہہ رہا ہوں کہ کہاں چلی گئی ہے؟ بغیر چچی سے اجازت لیے۔''

''جہاں بھی جائے، تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تم ہمارے معاملات سے دور رہو۔''

وہ سلگ پڑی تھی۔ وہ ہنس پڑا تھا۔ پھر پلٹ کر کلثوم کو دیکھا تھا۔

''بتا دیں مہر کو اچھی طرح کہ میں کون ہوں۔ اچھی طرح سمجھا بھی دیجیے گا کہ ہم عزت دار لوگ ہیں۔ گلی کوچوں میں غیر مردوں کے ساتھ گپیں لگانے اور نامحرم لوگوں کو گھر بلانے سے میری عزت پر حرف آئے گا۔ سارے محلے والے مجھ سے پوچھیں گے۔''

''تمہاری طرح کسی موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی بھاگ کر شادی کی ہے۔ محلے والے بھی شروع سے سب دیکھ اور سن رہے ہیں۔ یہاں کوئی اندھا نہیں ہے۔ اپنی بغض بھری عینک اتار کر رشتوں کو دیکھنا سیکھو۔ اور ہاں...... مجھے بتا کر گئی ہے وہ۔ انٹرویو تھا اس کا۔ نوکری کرے گی عجی......''

اماں حیران تھیں۔ قیس جیسے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے مہر کی طرف آیا تھا۔

''نوکری اور عجی...... کس کی اجازت سے؟ یقیناً تم نے ہی اسے پڑھائی ہو گی یہ پٹی...... اور وہ کچھ جانتی ہے دنیا کے بارے میں؟ کون دے گا نوکری اسے...... باہر کی دنیا کیسی ہے میں جانتا ہوں۔ ایسے ہی نہیں مل جاتیں نوکریاں۔''

''ہاں، مل جاتی ہیں ایسے نوکریاں...... بغیر کچھ کیے۔''

مہر کے لہجے میں آگ تھی۔ تب ہی سیڑھیاں اترتی اور بیگ میں چیزیں سنبھالتی ہوئی زرناب وہاں پر آئی تھی۔

''چلیں...... بہت دیر ہو گئی ہے۔''

شاید وہ سامنے حالات کا اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔ کسی مہنگے سینٹ کی خوشبو پھیل گئی تھی۔ مہر ننگے پاؤں کھڑی تھی۔ کلثوم سر تھامے بیٹھ گئی تھیں۔

''کھیر کیسی لگی تھی مہر؟''

''اچھی تھی۔''

مختصر جواب دے کر وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔

زرناب بھی کلثوم کے گال پر پیار دیتی ہوئی باہر جا چکی تھی۔

لاؤنج میں اب صرف کلثوم اور قیس رہ گئے تھے۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھائے ان تک آیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار کلثوم کو اس کے انداز و تیور دیکھ کر خوف محسوس ہوا تھا۔

''عجی نوکری نہیں کرے گی۔ اگر اس نے میری مرضی کے بغیر گھر سے قدم بھی نکالا تو اسے کہیے گا پھر اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔''

کلثوم کو اپنے شانے پر قیس کا ہاتھ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح لگا تھا۔

وہ مجبور ماں بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

دور کسی چمکتے دمکتے ہوئے شیشوں والے دفتر میں عجی ایک میٹنگ روم میں کالی کافی کا کڑوا کپ مشکل سے ختم کرنے کے بعد مینیجر کی منتظر تھی جو اسے وہاں بٹھا کر کہیں گم ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد مینیجر نے ایک کاغذ اسے تھمایا۔

''یہ کیا ہے؟''

''جوائننگ لیٹر ہے آپ کا۔ آپ کل سے جوائن کر سکتی ہیں۔''

”عذرا بختیار ہکا بکا بیٹھی رہ گئی تھی۔ وہ تو وہاں سے بھاگنے کے طریقے سوچ رہی تھی اور یہاں کالی کافی پلانے کے ساتھ ساتھ نوکری بھی پیش کردی گئی تھی۔

”کیا مطلب...... مجھے نوکری مل گئی ہے؟ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ کہیں کوئی مذاق تو نہیں کررہے؟“

”میں بھلا کیوں مذاق کروں گا۔ ہماری ٹیکسٹائل کمپنی کو آپ جیسے ہی ذہین اور نئے آئیڈیاز کے ساتھ آنے والوں کی ضرورت ہے۔ اور ہم ایسے لوگوں کی قدر کرنا جانتے ہیں۔“

وہ سلام دعا کرتی ہوئی اور حیران ہوتی ہوئی دفتر کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس ٹیکسٹائل کمپنی کے در و دیوار بھی شیشوں سے بنے ہوئے تھے۔ ایک دروازے کے شیشے میں وہ رک کر خود کو دیکھ رہی تھی۔

کشمیری چادر اوڑھے اور لیدر بیگ کو مضبوطی سے پکڑے آنکھوں کے پھیلے ہوئے کاجل کو چادر کے ایک کونے سے صاف کرتی ہوئی وہ عذرا بختیار تھی۔ وہ لڑکی جس نے کستوری محلے سے نکل کر خاص دنیا نہیں دیکھی تھی۔ کالج اور یونیورسٹی کی عمارتیں بھی اس کے لیے محلے اور گھر جیسی ہی رہی تھیں۔

دوست بنانے میں وہ ہمیشہ سے کوری تھی۔ تب ہی اب تک زرناب زمان سے ہی دوستی تھی اور اب تو وہ بھی......!

خوشی سے نڈھال وہ شیشوں والے دفتر کے پارکنگ ایریا سے ہوتی ہوئی رکشے میں بیٹھ رہی تھی۔ فون پر مہر سے بات کرتے ہوئے وہ بہت مطمئن لگ رہی تھی۔

ٹیکسٹائل کمپنی کے چوتھے فلور کے سجے سجائے کمرے کی کھڑکی سے اس سوٹڈ بوٹڈ شخص نے عذرا بختیار کو بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

سنہری دھوپ پگھل رہی تھی۔ ہوا میں حدت تھی۔

اور اس شخص کی نظروں میں بھی......!

☆......☆......☆

تالاب والے گھر کا منظر تھا۔ جہاں کے تالاب میں بطخوں کا ایک جوڑا ڈوب کر مر گیا تھا۔ جہاں زینت زمان صرف ”زینت“ ہوگئی تھیں۔ وہ گھر جو زرناب زمان بھی چھوڑ کر جاچکی تھی، اسی گھر کے لاؤنج میں زینت بیٹھی تھیں۔ آج وہ زرناب اور بے جی سے ملنے آئی تھیں۔

گھر کی کھڑکیاں بڑی اور کھلی تھیں۔ جن کے باہر پھولوں سے ڈھکے درختوں کے درمیان ایک سرسبز تالاب پرسکون لہروں کے ساتھ چمک رہا تھا۔ تالاب کے کنارے نرم گھاس اور رنگین پھولوں کا جال تھا جو ہوا کے جھونکے سے ہلتے ہوئے اور بھی خوب صورت لگ رہے تھے۔ سورج کی نرم روشنی پانی کی سطح پر ایک قوس قزح کی طرح پھیل رہی تھی، اور یہ منظر دل کو سکون دے رہا تھا۔

زینت دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے اس گھر میں داخل ہوئی، جہاں ان کا دل کچھ عجیب سا بے چین تھا۔ وہ یہاں بے جی سے ملنے آئی تھیں لیکن دل میں ایک ایسی جذبات کی لہر تھی جس کو وہ خود بھی سمجھ نہیں پاتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ وقت کا یہ حصہ مشکل تھا۔ لیکن پھر بھی بے جی کا دل ایک ایسا ٹھکانہ تھا جہاں ان کو کچھ سکون اور محبت مل سکتی تھی۔

”یہ تالاب والا گھر، بے جی کا گھر، ہمیشہ میری یادوں کا حصہ رہے گا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں میں نے اپنے خوابوں کی حفاظت کی تھی، لیکن کچھ خواب ٹوٹ جاتے ہیں۔“

کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ بے جی کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں۔ وہ اپنی آمد کے بارے میں انہیں پہلے ہی مطلع کر چکی تھیں۔

زینت نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کچھ لمحوں بعد اندر سے ایک نرم آواز آئی تھی۔

”آؤ زینت! اندر آؤ......“

انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔ بے جی سوگوار سی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک سنجیدہ مسکراہٹ تھی۔ جو عمر کے ساتھ ساتھ مزید نرم اور محبت بھری ہو گئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں وہی شفقت تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی مگر آج ان کی آنکھوں میں ایک گہری تھکن بھی دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں گلے مل کر روتی رہی تھیں۔ زینت نے آنسو پونچھے تھے۔

”میں نے تمہارے لیے چائے بنوا رکھی ہے۔“

وہ بس سر ہلا کر رہ گئیں۔ شال اوڑھے...... سر جھکائے...... میک اپ سے عاری چہرہ۔ بے جی کے اندر کہیں تکلیف نے پنجے گاڑے تھے۔

بے جی نے چائے پیش کی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے سپ لے رہی تھیں۔ شاید ذائقہ کہیں کھو گیا تھا۔

''بے جی...... میں...... میں نہیں جانتی کہ کہاں سے شروع کروں۔''

''پہلے یہ بتاؤ...... تمہیں چائے پسند آئی؟''

زینت نے چائے کا کپ اٹھایا ہوا تھا۔ اور اس کی تیز خوشبو نے کچھ لمحوں کے لیے دل میں سکون پیدا کیا تھا۔ پھر انہوں نے بے جی کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

''بے جی...... آپ کے گھر میں آنے کے بعد ہمیشہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہاں کچھ خاص بات ہے۔ یہاں کا سکون، یہاں کی فضا...... جیسے یہاں کوئی غم نہیں ہے۔ لیکن جب سے میری زندگی میں طوفان آیا ہے اور سب بدل گیا۔ یہ گھر اور رشتے بھی پرائے ہو گئے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ سکون بھی میرے لیے نہیں رہا۔''

بے جی نے چائے کا کپ رکھا اور اپنی جھکی ہوئی نظریں زینت پر مرکوز کر دیں۔

''بیٹا! زندگی میں طوفان آتے ہیں لیکن یہ طوفان ہمیشہ ہمیں کچھ سکھانے کے لیے آتے ہیں۔ تمہاری زندگی کا طوفان تمہیں کبھی نہ کبھی سکون کی طرف ضرور لے جائے گا۔ لیکن تمہیں اپنے اندر کی طاقت کو پہچاننا ہو گا۔''

زینت کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے نمی آ گئی تھی۔ گھٹن بڑھنے لگی تھی۔ لیکن انہوں نے فوراً اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش کی۔

''کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اب میری زندگی میں کوئی حل نہیں ہے؟ زمان اور میری آپس کی لڑائیاں...... بے شمار باتیں جو ہم نے ایک دوسرے سے چھپائیں...... اور آخر کار یہ طلاق...... آپ کو نہیں لگتا کہ میں نے ہر چیز کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی تھی؟

''تم نے بہت کچھ برداشت کیا۔ لیکن زندگی میں بعض اوقات ہم اپنی کوششوں کے باوجود نتائج نہیں بدل سکتے۔ طلاق کا فیصلہ تمہارا اور اس کا تھا۔ تم دونوں کا حق تھا کہ تم اپنے راستے پر چلنے کے لیے آزاد رہو۔ لیکن یاد رکھو، ہر اختتام ایک نئے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔''

زینت کی آنکھوں میں گہرے دکھ کی لہر دوڑی اور انہوں نے آہستہ سے کہا۔

’’لیکن بے جی، میں نہیں جانتی کہ اب آگے کیا کروں؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں سب کچھ کھو دیا ہے۔ اپنا گھر، اپنے رشتے......اور......اور اپنی اولاد بھی۔‘‘

’’تم کچھ نہیں کھو رہی ہو۔ تم نے اپنے آپ کو کھونے کی کوشش کی تھی، لیکن تم اب بھی وہی ہو۔ جو تم پہلے تھیں۔ تمہاری اصل طاقت تمہارے اندر ہے اور تمہیں بس اسے پہچاننا ہے۔‘‘

زینت نے بے جی کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ان کے دل میں ایک عجیب سی سکون کی لہر دوڑی۔ شاید وہ اب تک ان کی بات کو سمجھ نہیں پائی تھیں لیکن بے جی کی باتوں میں کچھ ایسا تھا جس نے ان کے دل کے بند دریچوں کو کھول دیا تھا۔

’’شکریہ بے جی مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی باتوں میں اتنی طاقت ہے۔‘‘

زینت نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور پھر ایک لمحے کے لیے چپ رہ گئیں، جیسے وہ خود سے یہ فیصلہ کر رہی ہوں کہ وہ اپنی زندگی میں آگے کیا کریں گی۔ تالاب کے پانی کی ہلکی ہلکی لہریں ابھی بھی چمک رہی تھیں اور زینت کے دل میں بھی ایک نیا عزم جاگ رہا تھا۔

’’زری......زرناب کہاں ہے؟‘‘

زینت نے پہلی بار سر اٹھا کر پوچھا تھا۔ آنکھوں میں ممتا کی تکلیف اور تڑپ تھی۔

بے جی نے نظریں چرانے کی کوشش کی تھی۔

ابھی وہ کوئی جواب دینے ہی والی تھیں کہ کھٹ سے بے جی کے کمرے کا دروازہ کھول کر زمان اور نیلم مٹھائی کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ دونوں کے چہرے جگمگا رہے تھے۔ زینت کی پشت تھی اور شاید وہ دونوں بھی پہچان نہ پائے تھے۔

’’بے جی......بہت بہت مبارک ہو۔ آپ پھر سے دادی بننے والی ہیں۔‘‘

زینت سناٹے میں رہ گئی تھیں۔ بے جی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی اور زینت کے دل میں خالی پن نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔

تالاب والے گھر میں سارے خسارے تو انہی کے حصے میں آئے تھے۔ زمان کا گھر سلامت تھا۔ بے جی کو دوبارہ پھر سے دادی بننے کی خوشی تھی۔

وہ دھیرے سے وہاں سے اٹھی تھیں۔ شال پیروں میں تھی۔ آنکھیں زمان اور نیلم کے خوش باش چہروں پر تھیں۔

وہ دونوں دم بخود تھے۔

"زینت......! تم یہاں......؟"

نیلم نے سرعت سے زمان کا بازو پکڑ لیا تھا جیسے ڈر رہی ہو کہ کچھ چھن جائے گا۔ وہ دور کر دیں گی زمان کو۔ نیلم کی یہ حرکت زینت کی نظر میں آ گئی تھی۔

زینت نے پلٹ کر بے جی کو دیکھا۔

"اسے بتا دیجیے گا بے جی...... ہم خاندانی لوگ ہیں۔ رشتوں میں چھینا جھپٹی کے قائل نہیں ہیں۔"

اب وہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ میک اپ سے عاری چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی۔ جانے کیوں زمان کے دل کو کچھ کچھ ہوا تھا۔ پہلی بار دل ان کی طرف ہمک رہا تھا جب سب ختم ہو چکا تھا۔

دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر زینت نے خود کو سنبھالا اور پلٹ کر زمان کو دیکھا۔ آنکھیں چار ہو گئی تھیں۔

"بہت مبارک ہو...... اللہ تمہیں بیٹے کی نعمت سے نوازے۔ اللہ تمہیں دوسری بیٹی نہ دے۔ بیٹیوں کے گھر ٹوٹنے کے دکھ ماں باپ کو توڑ دیتے ہیں زمان...... دنیا اور رشتے بہت ظالم ہوتے ہیں۔ بیٹی پھر چاہے جھونپڑی والے کی ہو یا پھر جاگیرداروں کی۔ اس کا دکھ قیامت ہوتا ہے۔ اللہ تمہیں ایسی قیامت سے محفوظ رکھے۔"

آنسو ٹوٹ کر تالاب والے گھر کی دہلیز پر گرا تھا۔

زینت زمان ہوا کے جھونکے کی مانند چوکھٹ چھوڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

کستوری محلے کے درودیوار پر دوپہر کے سائے لمبے ہو رہے تھے جب اطلس نے تھکے ہارے قدموں کے ساتھ گھر میں قدم رکھا تھا۔ ایک شناسا سی ہنسی کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ کمرے کی چوکھٹ پر پہنچا تھا سامنے ہی مینا کے ساتھ گپیں لڑاتی ہوئی عذرا بختیار نظر آ گئی تھی۔ چادر سے چہرہ صاف کرتی ہوئی وہ مینا کے ساتھ بیٹھی شاید کچھ کھا رہی تھی۔ یونہی نظر سامنے اٹھی تو وہ نظر آ گیا۔

"ارے! آؤ ناں......رک کیوں گئے، تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔"

وہ سلام کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ مینا نے اسے دیکھ کر جیسے خوشی سے چہکنا شروع کر دیا۔

"بھیا دیکھیں تو عجی باجی اتنے دنوں بعد ملنے آئی ہیں۔ میرے لیے پاپڑی چاٹ اور ٹنکو کے لیے قلفہ لائی ہیں مگر اس کے اسکول سے آنے تک تو پگھل جائے گا۔"

مینا کی بات پر اطلس نے روٹھے روٹھے انداز میں اسے دیکھا جو دوپٹے سے پیشانی صاف کر رہی تھی۔ بیگ بھی پاس ہی پڑا تھا جیسے وہ کہیں سے ہو کر آ رہی تھی۔

"اس سب کی ضرورت نہیں تھی۔"

"ارے کیوں ضرورت نہیں تھی۔ ایسے کیسے بھلا۔"

عجی کو برا لگا تھا۔

اطلس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کس رشتے سے؟ کس تعلق سے؟"

عجی نے اس بار یہ تیور اور انداز خوب پہچان لیے تھے۔ ہنس کر بولی۔

"ارے بھئی۔ تم تو اول درجے کے بھلکڑ نکلے۔ اسی رشتے سے جس رشتے سے تم ٹنکو اور مینا کو ہم لوگوں کے سپرد کر کے گئے تھے۔"

وہ خاموش بیٹھا رہ گیا تھا۔ ہاتھ مسلتا رہا تھا۔

"پاپڑی چاٹ کھاؤ گے؟"

"نہیں کھاؤں گا۔"

"مہر ہوتی تو ابھی ہم سے چھین کر بھی چٹ کر جاتی۔ بے چاری اب یہاں تو آ سکتی نہیں، کیونکہ

تم نے صاف صاف اس کے منہ پر اپنے گھر کے دروازے بند کیے ہیں۔''

عجی کی بات پر چہرے کے تاثرات جمع تقسیم ہو گئے۔ مینا نے چونک کر سر اٹھایا۔

''یہ کب ہوا؟ کیا بھیا نے مہر جی سے لڑائی کی ہے؟''

''نہیں...... لڑائی میں نے کی تھی۔ بھگت یہ دونوں رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایک جگہ نوکری کے لیے انٹرویو دینے کے بعد بھاگی دوڑی آئی ہوں کہ کوئی معافی تلافی کی راہ نکل آئے۔''

عذرا بختیار نے سامنے بیٹھے سانولے سلونے شخص کو تھوڑی بہت پسندیدگی والی نظروں سے دیکھا تھا۔ سچ کہتی تھی مہر بے چارہ اتنا برا بھی نہیں تھا۔ اور جب سے گلے سے مفلر اور کان سے بالی غائب ہوئی تھی تو پرانی ہندی فلموں کا ہیرو دکھائی دیتا تھا۔

''آپ کو کسی معافی تلافی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھ بیٹھا تھا۔''

''خواب تو دیکھے ہی ایسے جاتے ہیں۔ اونچے......اور بڑے......تم نے غلط تھوڑی کیا ہے۔ بس خواب پورے کرنے کا حوصلہ ہو تو انسان کو کوشش ضرور کرنی چاہیے۔''

وہ چادر اور بیگ سنبھالتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے سیکھ لیے تھے یہ تہذیب و تمدن والے طور طریقے......

کستوری کا غنڈہ موالی اور بدمعاش شخص اندر سے واقعی کوئی بھربھری ریت یا موم کے سانچے سے بنا تھا۔

''چلتی ہوں، اور معافی چاہتی ہوں۔ دل ٹوٹ گیا ہے میرا۔ کھرنڈ جمنے میں ذرا وقت لگے گا۔ تب ہی دوسروں کے دل نشانے پر ہیں اور توڑتی پھر رہی ہوں کہ شاید خود جڑ جاؤں مگر...... مجھے ہمیشہ اپنی کہی گئی باتوں کا افسوس رہے گا۔ کاش وہ چند جملے میں واپس لے سکتی۔ ہو سکے تو میرے وہ سارے لفظ جنہوں نے تمہارے دل کو تکلیف دی مجھے واپس کر دینا۔''

آنسو چھپ چھپ بہنے لگے تھے۔ سر پر دوپٹا جماتی اور مینا کے سر کو تھپکتی ہوئی وہ گھر کے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ صحن میں بوڑھے آم کے پیڑ کے سائے کے پاس پہنچی تو اطلس نے پکارا تھا۔

''سنیں......! میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

عجی رک گئی تھی۔ آم کی چھایا تلے کھڑا وہ شخص جس کے لہجے میں احترام تھا۔

''کستوری محلے والے مجھے معاف نہیں کریں گے لڑکے...... میں مہر نہیں، عجی ہوں۔ جسے دنیا سے لڑنا بھڑنا نہیں آتا۔''

وہ دروازہ پار کر گئی تھی۔ وہ آم کے بوڑھے پیڑ کے پاس کھڑا رہا تھا۔

دوپہر ڈھل گئی تھی۔ کستوری محلے کی رونقیں تھک کر ماند پڑنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

عجی شام سے ذرا پہلے گھر لوٹی تھی اور سامنے ہی صحن میں لگے کیاریوں کے سارے پھول اپنی مالکن کی غیر موجودگی میں مرجھا چکے تھے۔ حالانکہ وہ مہر کو ساری ضروری ہدایات کر کے گئی تھی۔ مگر آج کل تو ویسے بھی مہر کی غائب دماغی عروج پر تھی۔

وہ تھکے نڈھال قدموں سے اپنے سورج مکھی کے پھولوں کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئی تھی۔ گل کاسنی بھی مرجھائے مرجھائے سے لگ رہے تھے۔

وہ پھسکڑا مارے وہیں بیٹھی تھی جب جلتا بھنتا ہوا قیس اس کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''کہاں سے آ رہی ہو تم؟''

وہ پہلے والی عجی ہوتی تو وہیں بیٹھے بیٹھے اتنے تلخ لہجے اور انداز پر مر جاتی مگر اب وجود کے اندر انقلاب آ چکا تھا۔

اس نے گلابی گلاب کے پھول کو چھوا۔

''آہستہ آواز میں بات کیا کرو مجھ سے۔ میرے کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔''

اطمینان بھرا لہجہ قیس کو طیش میں مبتلا کر گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر عجی کا بازو پکڑا۔ وہ تھرا گئی تھی۔ گھر کے اکلوتے مرد کی آنکھوں میں شعلوں کی تپش تھی۔

''جو پوچھا ہے سیدھا سیدھا جواب دو۔ کس کی اجازت سے گئی تھیں باہر اور تمہیں کب سے نوکری کی ضرورت پڑ گئی۔''

''چھوڑو میرا بازو......درد ہو رہا ہے مجھے......میں کہتی ہوں چھوڑو......''

وہ خود کو چھڑوانے کی کوششوں میں مصروف تھی کہ اندر باورچی خانے میں کلثوم کی پیاز جل گئی تھی۔ چیخ و پکار پر وہ باہر کی طرف دوڑی تھیں۔

''بتاؤ مجھے......جواب دو......بہت آزاد ہوگئی ہو تم......جو دل میں آئے گا تم وہ کرو گی۔ یاد رکھو، میری مرضی اور اجازت کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہوگا سمجھیں۔''

وہ غرا رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ وہ سسک رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔

کلثوم کے کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

''چھوڑو اسے......پاگل ہوگئے ہو کیا؟''

''ہاں......ہوگیا ہوں پاگل......اسے کہیں کہ آج کے بعد اس گھر سے قدم باہر نہ نکالے۔''

اس بار کلثوم اماں نے جھٹکے سے قیس کو پرے کیا۔

عجی کے پھول بھوکے تھے۔ وہ اپنی مالکن کو بلکتے دیکھتے رہے۔

''خبردار! جو تم نے اسے کچھ بھی کہا تو......ابھی ان کی ماں زندہ ہے۔ کسی اور کو رعب دکھاؤ۔ کہتے ہیں انسان اپنی فطرت پر پلٹتا ہے۔ میں بھی بھول گئی تھی کہ میں نے کس کی اولاد کو پال پوس کر جوان کیا ہے۔''

وہ بکتا جھکتا چلا گیا تھا۔ گھر کی غلام گردشوں میں کسی غیر اہم کام میں الجھی مہر کے نتھنوں نے کچھ غیر معمولی ہونے کی بو پالی تھی۔ وہ ننگے پاؤں باہر آئی تھی۔

اماں اور عجی اندر آرہی تھیں۔ عجی کے بازو کا کپڑا پھٹ چکا تھا۔

''یہ......یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ لرز گئی تھی۔ لفظ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے تھے۔

اماں نے ہمیشہ کی طرح نظریں چرالی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا۔ دروازے میں اٹک گئی تھی تو ہلکی سی چوٹ آگئی ہے۔ تم جاؤ بہن کے لیے کھانا لے کر آؤ۔ پتا نہیں کب سے بھوکی ہے۔''

مہر لب سیتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور آدھی رات کو قیس اور زرناب کے لڑائی

جھگڑے کا شور سنائی دیتا رہا تھا۔

"تم کیوں اس کے معاملے میں پڑ رہے ہو؟ اس کی زندگی ہے وہ جو بھی کرے۔"

"اس نے ساری زندگی مجھ سے پوچھ کر فیصلے کیے ہیں۔"

"اب وہ تمہاری زندگی میں کہیں نہیں ہے، تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اس سے باز پرس کرو۔"

قیس چیختا چلاتا رہا تھا۔ مہر مزے سے آلو کے چپس بنا کر کھاتی رہی تھی۔

"ویسے مزے کی بات ہے تمہیں اتنی آسانی سے نوکری مل گئی۔"

"حیران تو میں بھی ہوں۔ ایسے کیسے ہو گیا یہ سب...... ہاتھ میں جوائننگ لیٹر پکڑا دیا کہ کل سے آ جاؤ۔ اور ساتھ ہی ساتھ چائے کافی کا بھی پوچھا۔ اور پھر پلا بھی دی۔ کتنی حیرت کی بات ہے ناں......"

کھڑکی میں کھڑی عذرا بختیار حیران نظر آتی تھی۔ مگر اگلے روز باس کی سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

چوتھے فلور کے کمرے کی نشست سنبھالے بیٹھا ہوا سنجیدہ نظر آتا ہوا وہ رومان تھا۔

☆......☆......☆

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.Com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

کستوری محلے کی معروف و مشہور شخصیت کشمیرن بوا مہر کے گھر میں خاص پروٹوکول کے ساتھ تخت پر براجمان تھیں۔ پاندان سامنے دھرا تھا۔ بیچ میں سے کبھی کبھی کلثوم سے خاص طور پر بنوائی گئی الائچی والی چائے کے سپ بھی لینے لگتی تھیں۔ پاس ہی ٹوپی والا برقع بھی کھونٹی پر ٹانگ دیا گیا تھا۔

"بھئی! میں تو ہمیشہ سے ہی سچی اور کھری بات کرتی ہوں۔ خود بے اولاد ہوں مگر اولاد کے دکھ سکھ بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ آج تک کبھی کسی کی بیٹی کا برا نہیں چاہا۔ سب کے رشتے اچھے سے کروائے تب ہی سب کہتے ہیں کہ آسمان پر اوپر والا جوڑے بناتا ہے اور زمین پر کشمیرن...... وہ بھی اللہ کے حکم سے۔"

کشمیرن نے چکن کا کرتا پہن رکھا تھا۔ لمبا سا دوپٹا پورے وجود پر پھیلا ہوا تھا۔ سارے گھر میں عطر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ جانے کون سے عود عنبر چھڑک کر آئی تھیں۔

اب انہوں نے اپنی ڈائری اور قلم نکال کر کلثوم کو پاس بٹھایا تھا۔

"ذرا بتاؤ تو...... کیا کیا ڈیمانڈز ہیں تمہاری۔ اس نے کہلوا کر بھیجا ہے کہ لڑکی والوں کی ساری ڈیمانڈز لکھ کر لانا۔"

کلثوم اماں شرمندہ شرمندہ سی نظر آنے لگیں۔

"نہیں کشمیرن بہن...... ہم ایسے لوگ نہیں ہیں۔ ہم بیٹیوں کے رشتے اور سودے میں فرق سمجھتے ہیں۔"

کشمیرن نے سکون اور اطمینان سے مطمئن ہو کر اپنے بستے میں ڈائری اور قلم رکھنا ہی چاہا تھا کہ کھٹ سے مہر بختیار وہاں نازل ہو گئی تھی۔

چلبلی اور چلبلی ڈال جیسی لڑکی...... جس کی آنکھوں میں شرارت اور اعتماد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کشمیرن کے دل کو خوب بھائی تھی۔ مگر......؟

"ڈیمانڈز تو ہیں۔ کیا پوری کر پائے گا وہ؟"

ڈائری اور قلم کشمیرن کے ہاتھوں میں رہ گئے تھے۔

"ارے کلثوم! تمہاری بیٹی ویسے زبان کی بڑی کراری ہے۔"

کلثوم نے ہزار آنکھیں دکھائیں، مگر زبان کی کراری لڑکی نے کشمیرن کو پسپا کر دیا تھا۔

''تو پھر بتاؤ......گھر بار کیسا ہو؟''

''دو منزلہ پکا لینٹر والا مکان ہونا چاہیے۔''

''زیور سونا کتنے گرام؟''

''پندرہ تولے سونا۔''

''کپڑے لتے کتنی تعداد میں؟''

''بیس جوڑے......دس عام سے گھر والے......اور دس بھاری کام والے۔ گوٹے کناری اور موتیوں کا کام ہونا چاہیے۔''

''پھل میوہ جات......؟''

''سارے موسمی پھل اور ایک بوری خشک میوہ جات۔''

''حق مہر میں کیا ہوگا؟''

''آدھا گھر اس کے نام......آدھا گھر میرے نام اور کچھ رقم......''

کشمیرن کے حواس ضبط اور توتے ایک ساتھ اڑ پڑ گئے تھے۔

دھم کر کے تخت سے اتریں اور کھونٹی سے ٹوپی برقع جھپٹ کر اوڑھ لیا۔

الائچی والی چائے اور پاندان پڑے کے پڑے رہ گئے۔

کلثوم ہکا بکا تھیں۔ زبان کی کراری ہنس رہی تھی۔ چہک پہک رہی تھی۔

''سچ کہتی ہوں کلثوم......تمہاری یہ بیٹی اپنے بالوں میں چاند ستارے موتی لے کر یہیں گھر کی دہلیز پر بیٹھی تمہارے سینے پر مونگ دلتی رہے گی۔ کوئی راجہ مہاراجہ اسے لینے نہیں آئے گا بہن۔ غضب خدا کا۔''

کشمیرن لٹک مٹک جلتی بلتی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

کلثوم روکتی رہ گئیں۔ کلثوم نے ایک جھانپڑ اپنی لاڈلی کو بھی رسید کر دیا تھا۔

جو قہقہے لگاتی ہوئی کشمیرن بوا کی طرف لپکی تھی۔

”بوا...... اری او بوا...... بات تو سنو......“

بوا رک کر نہ دی۔ وہ پلٹ کر آئی اور کشمیرن سے لپٹ چمٹ گئی تھی۔

”جس کا رشتہ لے کر آئی ہیں اس پر اعتبار رکھیں۔ وہ گھر...... سونا...... کپڑے لتے...... میوہ...... سب پورا کر لے گا۔ آپ سے کہیں زیادہ تو میں اسے جانتی ہوں۔ ڈیمانڈز نہیں ہیں یہ...... فرمائشیں ہیں فرمائشیں...... اور محبت میں محبوب فرمائش پوری نہ کر سکے تو کا ہے کی محبت...... بس آپ پیغام پہنچا دیجیے گا۔“

کستوری محلے میں مہر کی ہنسی بازگشت کی طرح گونجتی رہی۔

کشمیرن بوا استغفار پڑھتی وہاں سے رخصت ہو گئی تھیں۔

اگلے دن وہ عجی کو خبردار کر کے اطلس کے گھر کی طرف نکل آئی تھی۔

بات بات پر ہنستی تھی۔

کلثوم نے اسے پاگل پن کے دورے کا شکار قرار دے دیا تھا۔

زرناب نے بھی کچھ کچھ ہونے کا سراغ پا لیا تھا۔

وہ اب ٹنکو مینا سے ملاقات کے لیے نکل آئی تھی۔

منزل مقصود پر پہنچ کر ٹھٹک گئی تھی۔

دروازہ کھلا تھا۔ سامنے سارا صحن خالی تھا۔ نہ کوئی بندہ، نہ کوئی ذات......

یوں لگتا کہ مسافر کہیں کوچ کر گئے ہیں۔ ہجرت ہو گئی ہے۔

سامنے گزرنے والے شخص کو اس نے روک لیا تھا۔

”یہ...... یہ لوگ کہاں گئے؟“

”یہ تو چلے گئے ہیں جی...... گھر چھوڑ دیا ہے۔ سنا ہے کسی بڑے شہر گئے ہیں۔ اب واپس نہیں آئیں گے۔“

اطلس کے گھر کے دروازے کی چوکھٹ پر وہ ڈھے گئی تھی۔

دو منزلہ لینٹر والا گھر......

پندرہ تولے سونا......

کپڑے لتے......

موسمی پھل اور میووں کی بوری......

کہیں مہر بختیار نے رشتے کی جگہ سودا تو نہیں کیا تھا؟

دنیا سنتی تو اسے سودا کہتی......

کہ اس نے خود کو بیچ دیا ہے۔

اتنے عوض!

ہائے ہائے دل......وائے وائے دل......!

قسط نمبر 9

بورڈ روم میں ہونے والی کھسر پھسر کے دوران عذرا بختیار وہیں بیٹھے بیٹھے بس اپنی انگلیاں چٹخاتی رہ گئی تھی۔

رومان سامنے میٹنگ کے پوائنٹس ڈسکس کر رہا تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ اور تیار شیار سینٹ کی خوشبو میں مہکتے ہوئے اس شخص پر عجی کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

دفتر جوائن کرنے سے پہلے اگر اسے ذرا بھی اس بات کا اندازہ ہو جاتا کہ وہ دفتر رومان کا ہے تو وہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرتی مگر اب مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ جلی بھنی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔ سامنے کھڑا رومان کبھی کبھی آنکھ اچک کر ایک نظر اسے ضرور دیکھ لیتا تھا اور یوں نظر انداز کرتا جیسے جانتا پہچانتا تک نہ ہو۔

دو گھنٹے کی بور ترین میٹنگ بھگتا کر وہ دوپہر کے کھانے کے لیے اپنا ٹفن کھولے دفتر کی کینٹین میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے ہی ٹفن کھلا تھا تو اروی گوشت کا سالن نظر آیا تھا۔ شاید اماں کو اندازہ تھا کہ اس کا دفتر میں پہلا دن ہے تو انہوں نے محنت کر کے اس کا پسندیدہ سالن ساتھ کر دیا تھا۔

یہی سوچ کر ایک بھولی بھٹکی مسکراہٹ ہونٹوں پر آن ٹھہری تھی۔

وہ لقمہ منہ میں ڈالنے کے لیے جھکی ہی تھی کہ وہ سینٹ کی مہک والا شخص سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔

"بڑا مسکرا رہی ہیں؟ کیا کھا رہی ہیں؟"

نوالہ حلق میں اٹک گیا تھا۔

سامنے والے کی خوش اخلاقی عروج پر تھی۔

"آپ سے مطلب؟ آپ ہوتے کون ہیں مجھ سے یہ پوچھنے والے؟"
"بہت دلچسپ لگتی ہیں آپ مجھے۔ ایسے ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہوئی۔"
عجی نے ٹفن پیک کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا کر وہاں سے اٹھنے کی نیت باندھی ہی تھی کہ وہ سمجھ گیا تھا۔
"پلیز! مت کریں۔ میری وجہ سے اٹھ کر مت جائیں۔ کہتے ہیں رزق کو عزت دینی چاہیے۔"
وہ سڑ کر وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ پانی کی بوتل منہ سے لگا کر غٹا غٹ پانی پینا شروع کر دیا تھا۔
"انسانوں کی بھی عزت و احترام کرنا چاہیے۔ ان کے جذبات کا...... انہیں مذاق نہیں بنانا چاہیے۔"
سلگتے ہوئے لہجے میں عجی نے کچھ جملے رومان کی طرف پھینکے تھے۔
وہ کف لنکس نکال کر میز پر رکھ رہا تھا۔ سلور اور سفید رنگ کے کف لنکس جگمگ کرنے لگے تھے۔
"میں جانتا ہوں کہ آپ خفا ہوں گی۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا دینا چاہتا تھا مگر صورت حال ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ......"
عجی نے دوپٹے سے اپنی کاجل بھری آنکھیں رگڑی تھیں۔
"کب بتاتے آپ......؟ اور کیا بتاتے آپ؟ یہی کہ آپ نے مجھ پر ترس کھایا ہے اور مجھ جیسی لڑکی کو اپنے عالی شان دفتر میں ملازم رکھ لیا ہے۔ جس کے پاس اچھی تعلیم نہیں۔ کوئی طریقہ سلیقہ نہیں۔ جو ایک تنگ و تاریک محلے سے آتی ہے۔ وہ بھی دو بسیں بدل کر۔ اور جس کے گھر کی بیٹھک میں چوہے اور چھپکلیاں رہتی ہیں۔"
کاجل آنکھیں بھیگ گئیں۔ رومان جیسے اس جل تھل میں ڈوبنے لگا تھا۔ چہرے پر آئی مسکراہٹ بمشکل اس نے روکی تھی۔
"مجھے اب چھپکلی اور چوہے سے ڈر نہیں لگتا۔ بہادر ہو گیا ہوں۔" دوستانہ انداز میں اس نے عجی کو جیسے بتایا تھا۔
سامنے والی بے یقین سی نظر آتی تھی۔
"کیا کہے گی زرناب...... وہ تو یہی سوچے گی ناں کہ میں نے دوستی کی وجہ سے فیور لی ہے۔

سفارش سے ملی ہے مجھے یہ نوکری۔"

"آپ نے بھی تو اسے کچھ نہیں کہا۔ تو وہ کیوں کہے گی آپ سے کچھ۔ کوئی سفارش سے نہیں ملی آپ کو یہ نوکری۔ مجھے پتا ہے کہ میری کمپنی کے لیے محنتی اور ماہر لوگوں کی ضرورت ہے۔ آپ کی ڈیزائننگ میں مہارت سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ آپ کسی کو بھی جواب دہ نہیں ہیں مس عذرا بختیار۔" وہ تھوڑا سا آگے ہو کر اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

کاجل آنکھوں والی عجی کی آنکھوں میں تھوڑا تھوڑا یقین جمع ہونے لگا تھا۔

"کیا کھا رہی ہیں آپ؟ مجھے آفر نہیں کریں گی کیا؟" رومان نے ہلکے پھلکے لہجے میں ہنس کر پوچھا تھا۔

عجی نے سامنے نظر ڈالی تھی۔

"اروی گوشت ہے۔ مگر ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

رومان نے ٹفن اپنی طرف کر لیا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عجی کو پہلی بار اس کا اونچا لمبا قد صحیح سے نظر آیا تھا۔

"میں ابھی کچن سے گرم کر کے لایا۔ آپ جب بھی لنچ کے لیے آئیں تو کینٹین میں اوون کی سہولت ہے تو کھانا گرم کر سکتی ہیں۔" اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے وہ کچن کی طرف چلا گیا تھا۔

کف لنکس کے موتی دھوپ میں چمکتے رہے۔

وہ دور بیٹھی اسے دیکھتی رہی کہ مرد کا یہ روپ کیسا تھا؟

ان کی زندگی میں تو ایک ہی مرد آیا تھا جو حاکم تھا، جو غاصب تھا۔

مرد نرم بھی ہوتے ہیں کیا؟ بھربھری مٹی کے جیسے؟

شاید......

شاید ہوتے ہوں گے!

☆......☆......☆

شہر جنگل...... شہر صحرا...... شہر دریا...... شہر بھوت......

انسانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا شہر اطلس کو پہلی نظر میں ڈرا گیا تھا مگر وہ ٹنکو اور مینا کے ساتھ ساتھ اماں کو وہیل چیئر پر لیے سامان سے لدے ہوئے ٹرک کے ساتھ چچا دلدار کے پاس پہنچا تھا۔

دلدار نے اسے گلے سے لگا کر خوب بھینچا تھا۔

''ارے! مجھے پکا یقین تھا کہ میرے یار کے پتر سے بھی میرے یار کی خوشبو آئے گی۔ کتنی بار تجھے بلایا کہ میرے پاس آ جاؤ، تمہارا مستقبل بن جائے گا مگر خیر...... سب چھوڑو...... دیر آئے درست آئے۔''

نوکروں سے بھرے پرے محل جیسے گھر میں دلدار نے ان لوگوں کا دل سے سواگت کیا تھا اور بار بار اطلس کے ابا کو یاد کر کے اپنی نم آنکھیں صاف کی تھیں۔

''تمہارا باپ یاروں کا یار تھا۔ جب میرے پاس شہر آتے وقت جیب میں دھیلا بھی نہیں تھا تو تیرے باپ نے میری مدد کی تھی۔ اور یہ امداد کا سلسلہ تب تک نہیں رکا جب تک میں شہر میں سیٹ نہیں ہو گیا۔''

دلدار نے مینا کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور ٹنکو کو بھی خوب اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

وہ بڑا سا گھر جو سیمنٹ سے بنا تھا اور جس کے کھلے کھلے کئی کمرے تھے۔ سامنے ایک باغ تھا جس میں پھل دار درختوں کی بہتات تھی۔ پنجروں میں ٹیں ٹیں کرتے بے تحاشا پرندے تھے۔

دلدار سے مل کر اطلس کے سارے ڈر ہوا ہو گئے تھے۔

مینا اور ٹنکو کا داخلہ بھی نئے اسکول میں کروا دیا گیا تھا۔

دلدار نے اپنے حساب کتاب کے بہت سارے رجسٹر اپنے منشی سے لے کر اطلس کے حوالے کر دیے تھے۔

وہ صحیح معنوں میں جیسے گھبرا گیا تھا۔

''یہ...... یہ سب...... میں کیا کروں گا ان کا؟''

دلدار نے حقہ پیتے ہوئے جی بھر کر قہقہہ لگایا تھا۔

''کیا کرنا ہے بھلا۔ حساب کتاب کرنا ہے اور کیا کرنا ہے۔ بس آج سے میرا حساب کتاب تو

سنبھالے گا۔"

دلدار نے جیسے اپنے سر سے وزنی پہاڑ اتار کر اطلس کے حوالے کر دیے تھے۔

اطلس نے بھی جان لگا دی تھی۔ دلدار کا کنسٹرکشن کا کاروبار تھا۔

اینٹ گارے اور سیمنٹ کی ساری خرید و فروخت اطلس کے ذمے لگا دی گئی تھی۔

اماں کا اچھے اسپتال میں علاج ہو رہا تھا۔

ٹنکو اور مینا اچھے سے یونیفارم والے اسکول میں پڑھنے جا رہے تھے۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اینٹ گارے سیمنٹ کے حساب کتاب میں ایک اور حساب بھی شامل ہونے لگا تھا۔

دو منزلہ لینٹر والا مکان۔

خشک میوہ جات کی بوری۔

اور پندرہ تولے سونا۔

کبھی کبھی کھانے کے وقت مینا اور ٹنکو کی یادداشت واپس آ جایا کرتی تو وہ دونوں اطلس کی ناک میں دم کر کے رکھ دیتے تھے۔

"ہم کستوری کب جائیں گے بھیا؟"

اطلس کے ہاتھ میں لقمہ بھاری ہو جایا کرتا تھا۔

"بہت جلد چلیں گے۔"

"وہ ہمیں یاد تو کرتے ہوں گے ناں؟ بھول تو نہیں گئے ہوں گے؟"

"کوئی کب تک یاد رکھ سکتا ہے یار۔ شاید کچھ دنوں تک بھول بھال جائیں گے۔"

مینا کو اعتراض ہوتا تھا۔

"ایسے مت کہیں۔ ہمیں پتا ہے کہ ہمیں کوئی بھی نہیں بھولے گا۔ ہم بہت جلد واپس چلے جائیں گے۔ ہمارا گھر خالی ہو گیا ہے۔ ہمارا آم اکیلا ہو گا۔"

وہ ٹھنک گیا تھا۔ ٹنکو بھی اداس نظر آتا تھا۔

''ہاں......آم اکیلا ہو گیا ہو گا۔''

وقت کی آپا دھاپی میں فرصتیں گم ہو گئیں۔

اطلس نے خود کو مشین بنا لیا تھا۔

اماں کی صحت لوٹ آئی تھی۔ اب وہ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی تھیں۔ دلدار خوش باش نظر آتا تھا۔ اماں کو دن رات دعائیں دیتا نہ تھکتا تھا۔

''آپی جی......آپ کا بیٹا ہیرا ہے ہیرا......''

اماں خوش ہوتی تھیں۔ پھر اداس ہو جاتیں۔

''ہیرے کی پرکھ صرف جوہری کو ہوتی ہے دلدار بھائی۔ کستوری میں کھرے سکے بھی کھوٹے ہو جاتے ہیں۔''

''غم نہ کریں آپی جی......ذرا دیکھیں تو اطلس نے آپ کا بڑھاپا سنوار دیا ہے۔''

دلدار نے ہنس ہنس کر اماں کو خوش ہوتے ہوئے کہا تھا۔

مینا ہوم اکنامکس کی پریکٹیکل کاپی میں خشک پتے اور دالیں چپکا رہی تھی۔ پاس ہی ٹنکو کیلکولیٹر پر کوئی فارمولا حل کر رہا تھا۔

اماں کی سسکی پر دونوں اولادیں چونک گئیں۔

''دلدار بھائی......! میرا بڑھاپا تو سنور ہی جائے گا، مگر میرے پتر کی جوانی رل جائے گی۔ لوگوں کے دلوں میں سوراخ ہوتے ہیں......اس کے دل میں روگ ہے۔ سوراخ بھر جاتے ہیں۔ روگ رہ جاتے ہیں۔''

اماں کی پہیلی دلدار نے اطلس کے سامنے رکھی تھی۔

حقے کی گڑگڑ میں اطلس کے لیے بات سمجھنا مشکل ہو گیا تھا۔

''کون ہے وہ؟ کہاں رہتی ہے؟ کوئی پتا ٹھکانا؟''

حساب کتاب برابر کرتے ہوئے وہ چوک گیا تھا۔

”دلدار چچا......! پھر سے آپ نے سب بھلا دیا مجھے۔ ہمیشہ ہی میرے حساب کتاب کے وقت آپ حقہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور مجھ سے سب غلط ہو جاتا ہے۔“

وہ افسوس کر رہا تھا۔ ماتھے پر ہلکا ہلکا پسینہ تھا۔ کاٹن کا کڑ کڑ کرتا ہوا سوٹ پہنے اور گھڑی باندھے وہ واقعی کوئی شہزادہ نظر آتا تھا۔ جوتوں کی دھمک سے گھر گونجتا تھا۔

”کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟“

”سننے میں کچھ آیا ہے۔ یہی کہ تیری جان کو کوئی روگ لگا ہے؟“

اطلس جیسے چونک گیا تھا۔ پھر ہولے سے ہنس بھی دیا تھا۔

”روگ کو میں لگ گیا ہوں۔ روگ کی اتنی جرأت کہاں کہ مجھے روگ لگے۔“

”ہنسی میں اڑا رہے ہو میری بات؟“

”روگ کو اڑایا ہے ہنسی میں۔ آپ کی باتیں تو سنبھال کر رکھتا ہوں۔“

بات آئی گئی کرنے کا ہنر بھی شاید وہ اینٹ گارے کے بھاؤ تاؤ میں سیکھ گیا تھا۔ دلدار نے مزید کریدنا فی الحال تو مناسب نہیں سمجھا تھا۔

مگر ٹنکو اور مینا کی فرمائشیں بڑھنے لگیں۔

”مہر سے ملنے کب جائیں گے؟“

وہ اماں سے لپٹ جایا کرتا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی طاری کر لیتا تھا۔

”کون مہر...... کس کی مہر...... کہاں کی مہر......؟“

ٹنکو اور مینا اماں کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھتے تھے۔

اماں کو چھن سے کوئی صورت یاد آ جایا کرتی تھی۔

”انتظار بہت بھاری ہوتا ہے پتر۔ اور اگر عورت کے نصیب میں آ جائے تو پہاڑ جتنا بھاری ہو جاتا ہے۔ وہ تو کانچ جیسی نازک سی ہے۔ کسی دن انتظار کے پہاڑ کے بوجھ تلے دب نہ جائے۔“

پہلی بار اطلس کی آنکھ میں چاند تارے اور سورج ایک ساتھ چمکے تھے۔

"آپ نہیں جانتیں اماں ابھی...... موم کے جیسی نظر آتی ہے مگر موم نہیں ہے وہ۔ پتھر پہاڑوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ میرے جیسے انسان کو توڑنا آسان نہیں تھا مگر اس نے خندق لگالی۔"

مہر کی بات کرتا تو کتنا شاداب اور خوش باش لگتا تھا۔

اماں نے بلائیں لی تھیں۔

"جانے والے پتا نشانی چھوڑ کر جاتے ہیں۔ چپ چاپ محلے چھوڑنے والے بے وفا کہلائے جائیں گے۔"

پہلی بار وہ جیسے جہاں کا تہاں بیٹھا رہ گیا تھا۔ کل کو اس نے اگر بے وفا کہہ کر لعنت اس کے منہ پر دے ماری تو وہ کیا کرے گا؟

کستوری محلے کی اپسرا کے حساب کتاب میں وہ آدھا رہ گیا تو؟

☆......☆......☆

دوپہر کا سورج نیم گرم تھا، بے خود جیسے خزاں کی پہلی سانس ہو۔ آسمان پر بادلوں کی جھلک تھی پر بارش کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا تھا۔ مہر کے قدم اطلس کے محلے کی خاک آلود گلی میں جیسے بے خود ہو کر اترے تھے۔ گلی وہی تھی پر جیسے رنگ چرا لیے گئے ہوں۔ ایک اداسی سی پھیلی تھی۔ وہی درخت جس کے نیچے بیٹھ کر ٹنکو اکثر کتاب پڑھتا دکھائی دیتا تھا آج خالی سا لگ رہا تھا۔ شاخوں پر سناٹا تھا۔

مہر نے اطلس کا دروازہ دیکھا۔ وہی پرانا لکڑی کا، جس پر اطلس کے چھوٹے بھائی نے کبھی پین سے اپنے نام کے پہلے حروف کندہ کیے تھے۔

آج وہ دروازہ بند تھا۔ مقفل...... اس پر لٹکتا ہوا بڑا سا تالا، جیسے کسی نے بس سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دیا ہو۔

مہر نے بے یقینی سے دروازے کو چھوا۔

"یہ...... یہ بند کیوں ہے؟" اس کے لبوں سے نکلا مگر آواز اتنی دھیمی تھی کہ خود اسے بھی شاید

سنائی نہ دی۔

پڑوس کی ایک ضعیف خاتون جنہیں مہر نے بچپن سے دیکھا تھا، قریب آئیں۔ سفید دوپٹا کندھوں پر تھا، ہاتھ میں پانی کی بوتل۔

''بیٹا! تم مہر ہو نا؟''

مہر نے چونک کر دیکھا۔

''جی...... خالہ بی، اطلس...... اطلس کہاں گیا؟ دروازہ کیوں بند ہے؟''

خالہ بی نے ایک گہری سانس لی۔ جیسے ان کے لفظ بھی بوجھ اٹھانے کو تیار نہ ہوں۔

''چلے گئے سب...... اطلس، اس کی ماں، بہن، بھائی...... سب سامان سمیٹ کے نکل گئے۔''

مہر کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

''کہاں؟''

''پتا نہیں...... کسی نے نہیں بتایا۔ اطلس آیا بھی نہیں خدا حافظ کہنے۔ بس اک ٹرک آیا سب کچھ بھر کے لے گئے۔ کوئی کہہ رہا تھا لاہور، کوئی کہتا ہے کہ کراچی......''

مہر کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔ زبان جیسے خشک ہو گئی تھی۔

''مگر...... مگر کیوں؟'' وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔

خالہ بی نے افسوس سے سر ہلایا۔

''جانے والے نے تو یہ نہیں بتایا۔ محلے بھر کا ساتھ تھا اسے کچھ تو بتانا چاہیے تھا مگر چپ چاپ چل دیا۔''

مہر کے اندر جیسے کچھ ٹوٹنے لگا۔ اسے یاد آیا جب کشمیرن بوا رشتہ لے کر آئی تھیں، اور جواب میں اس نے فرمائشی فہرست تھما دی تھی۔ اور وہ چلا گیا...... خاموشی سے...... دریچے ویران نظر آتے تھے۔

مہر کے دل میں بے چینی نے انگڑائی لی۔ وہ کچھ لمحے وہیں دروازے کے سامنے کھڑی رہی، جیسے اطلس کا سایہ دروازے سے نکل کر اسے دیکھنے لگا ہو۔ یا بجولاں چلتی ہوئی وہ خاموشی سے ایک بار

پھر گھر لوٹ آئی تھی۔ وہ پچھلے کچھ دنوں سے اس گھر کے چکر کاٹتی رہی تھی۔

وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہوگئی۔ ہوا میں اطلس کی خوشبو نہیں تھی، پر یادیں تھیں۔ کتنی باتیں، کتنی ملاقاتیں، کتنے ادھورے لمحے......

ایک بار جب عجی نے کہا تھا۔

''محبت میں شرطیں نہیں ہوتیں، مہر......بس دل ہوتا ہے اور ایک یقین۔''

تب مہر نے ہنس کر کہا تھا۔

''محبت میں بہت کچھ ہوتا ہے عجی......کیا میں یہ سمجھوں کہ وہ ڈر گیا؟ جو ڈر جاتا ہے کیا وہ واقعی مر جاتا ہے؟''

عجی نے شیفون کا دوپٹا استری کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تھا۔

''رشتوں کو آزماؤ گی تو خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔ رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں مہر۔''

مہر نے آنکھیں بند کیں اور اطلس کا چہرہ سامنے آیا۔ سادہ، مگر سچا......

کستوری کا اچھا والا غنڈہ......موالی......اور لوفر بھی!

''تم آج بھی گئی تھیں؟''

''ہاں......گئی تھی۔ وہ......چلے گئے۔ سب چھوڑ کر......''

''تو اب......؟''

مہر نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ آسمان پر اب بادلوں کی گہرائی بڑھ چکی تھی۔ آسمان جیسے کوئی طوفان آنکھوں میں چھپائے بیٹھا ہو۔

''اب کیا اس کے لیے تلاش گمشدگی کا اشتہار دو گی یا پھر مسجد میں اعلان کرواؤ گی؟''

مہر جیسے جوش سے اس تک آئی تھی۔ جیسے اسے عجی کا آئیڈیا بہت بھایا ہو۔

''اخبار میں اشتہار دے دوں کیا؟''

عجی نے حیرت سے بہن کو دیکھا۔

یہ وہ مہر نہیں تھی جو ہمیشہ حساب کتاب کرتی تھی، یہ وہ مہر تھی جو دل کی سنتی تھی۔

''جس دن دل سے پکاروگی تو سرپٹ دوڑا چلا آئے گا۔ دیکھ لینا۔''

''کہانیوں میں آتے ہیں شہزادے......''

''اس بار کستوری محلے کی مہر کے لیے بھی آجائے گا۔'' عجی ہنس دی تھی۔

ہنسی کی ترکیب میں کچھ نیا پن تھا۔

مہر کو بھنک پڑگئی تھی۔

شیفون کے دوپٹے والی کو اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔

''ایک بات بتاؤ ذرا...... آج اتنا چہک مہک کیوں رہی ہو؟''

عجی نے دھیرے سے ہاتھ ہٹائے تھے۔ شیفون کا دوپٹا آبنوسی الماری میں کھٹ سے رکھا اور مہر کے پاس ڈھے گئی تھی۔

''اتنی بری بھی نہیں ہوتی کالی کافی...... تھوڑی تلخ ضرور ہوتی ہے۔ پہلے پہل اچھی نہیں لگتی مگر پھر دل کو بھا جاتی ہے۔ پہلی تنخواہ ملے گی تو ضرور لے کر آؤں گی۔''

مہر نے چونک کر اور گھور کر باؤلی ہو جانے والی لڑکی کو دیکھا تھا۔

''حواس ٹھیک کام کر رہے ہیں؟ کہاں کے ٹانکے کہاں جوڑ رہی ہو؟''

عجی نے مسکراہٹ دبائی اور کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

سامنے ہی کیاریوں میں الائچی پر پھول آئے ہوئے تھے۔ الائچی کے پودے کی مہک کو اس نے اپنے اندر اتارنا شروع کر دیا تھا۔

''پتا ہے مہر، کبھی کبھی ہمیں پتا بھی نہیں چلتا اور ہماری ذات کے اندر چھوٹے چھوٹے انقلاب آ جاتے ہیں جو سب بدل کر رکھ دیتے ہیں۔''

انقلابی عذرا بختیار نے مہر بختیار کے تجسس کو ہوا دی تھی۔

''سچ سچ بتاؤ، دفتر میں ایسا کیا ہوا ہے کہ تم بدلی بدلی دکھائی دیتی ہو۔ کچھ تو ہوا ہے۔''

"ارے...... کچھ خاص نہیں۔ وہ تو بس ویسے ہی...... یوں سمجھو نیا ماحول راس آ گیا ہے۔"

مہر کو پرے کرتے ہوئے وہ وضو کے لیے چل دی تھی۔

مہر وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ کچھ تو ہوا تھا جس کی پردہ داریاں شروع ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ ایک کمرے کی عجیب وغریب سی دنیا تھی۔ جس میں شاید دو اجنبی لوگ رہتے تھے۔ ایک کا نام قیس اعجاز تھا اور دوسری زرناب زمان جو اس وقت بھی کمرے کے گیلے سیلے فرش پر پھسکڑا مارے قیس کے جوتے پالش کرنے میں مگن نظر آتی تھی۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کی بھولی بھٹکی ہوئی لکیر بھی دکھائی دے جاتی تھی۔

قیس کمرے میں داخل ہوا۔ وہ حسبِ معمول مہنگے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ بال ذرا بکھرے ہوئے اور چہرے پر وہی مصنوعی مسکراہٹ جو زرناب اب پہچاننے لگی تھی۔

زرناب نے سر اٹھا کر ٹک ٹک کرتے وال کلاک کو دیکھا تھا۔

"کہاں تھے؟ رات کے دس بج رہے ہیں؟"

وہ الماری کھول رہا تھا۔ دونوں کی ایک دوسرے کی طرف پیٹھ تھی۔

"یار، دوستوں کے ساتھ تھا کچھ بزنس میٹنگز تھیں، تمہیں پتا ہے نا ان دنوں کتنا مصروف ہوں؟"

جوتے پالش سے چمکنے لگے تھے۔ جوتوں کو ان کی جگہ پر رکھ کر وہ دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ایک کمرے کی دنیا میں ہر ایک چیز کی جگہ سیٹ تھی سوائے زرناب زمان کے۔ جو ہر جگہ مس فٹ دکھائی دیتی تھی۔

کمرے میں بھی......اور قیس کی زندگی میں بھی......!

"ہاں...... مصروف تو تم ہمیشہ سے رہے ہو۔ شروع میں سمجھتی تھی میرے لیے محنت کرتے ہو۔ اب لگتا ہے تم محنت صرف اپنی خواہشات کے لیے کرتے ہو۔"

قیس کے چہرے پر لمحے بھر کو الجھن ابھری تھی۔ جیسے کوئی پردہ ہٹا ہو۔ وہ زرناب کے پاس آ کر

بیٹھ گیا۔

’’زرناب! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم پہلے ایسی تو نہ تھیں۔ خوش رہتی تھیں، ہنستی تھیں۔‘‘

وہ ہاتھوں کی لکیروں کو گھور رہی تھی۔ آنکھیں بنجر صحرا نظر آتی تھیں۔

’’پہلے آنکھیں بند تھیں قیس...... خواب دیکھ رہی تھی۔ اب نیند ٹوٹ گئی ہے۔‘‘

’’تم کہنا کیا چاہتی ہو؟‘‘

وہ جیسے ضبط کی انتہا پر تھی...... کسی نہتے سپاہی جیسی لگ رہی تھی۔

’’سچ جاننا چاہتی ہوں قیس...... بس سچ...... کیا تم نے مجھ سے محبت کی؟ یا صرف میرے باپ کی دولت دیکھی تھی؟‘‘

قیس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے جھک گئیں۔ اس کی انگلیاں آپس میں الجھنے لگیں جیسے کوئی بچہ اپنی غلطی چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اتنے سیدھے اور صاف سوال کی توقع تو اسے بھی نہیں تھی۔

’’میں...... میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا۔ بات ایسی نہیں تھی جیسی تم سمجھ رہی ہو۔‘‘

وہ کرب سے ہنسنے لگی۔ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے بھی لگی تھی۔

’’بات بالکل ویسی ہی تھی جیسے میں اب سمجھنے لگی ہوں۔ تم نے میرے معصوم دل کو استعمال کیا۔ تم نے میری محبت کا سودا کیا۔ اب...... اب میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ ایک ماں ہو کر میں کوئی سودے بازی نہیں کروں گی۔‘‘

بارش کی آواز اب تیز ہو چکی تھی۔ جیسے قدرت بھی اس لمحے کی گواہ بننا چاہتی ہو۔

وہ حیران تھا، خوش تھا...... یا مطمئن......!

اولاد کی خوش خبری بارش کی کسی ٹھنڈی بوند کی طرح قیس کے دل پر گری تھی۔ قیس اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ اس کی پشت زرناب کی طرف تھی۔ اس نے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ شاید وہ شرمندہ تھا۔ شاید صرف کمزور...... یا شاید اب بھی خود کو بچانے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔

’’یہ...... یہ تم سچ کہہ رہی ہو ناں زری......؟ کیا واقعی ہم ماں باپ بننے والے ہیں؟‘‘

زرناب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مگر اب وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ صاف صاف بن رہی تھی۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی مگر اب یہ خاموشی پہلے جیسی نہ تھی۔ یہ ایک نئے سفر کا آغاز تھی۔

جہاں زرناب کمزور نہیں، مضبوط تھی......

اور قیس......

اب یا تو سنورنے والا تھا، یا سب کچھ گنوا بیٹھنے والا؟

''میں نے خواب دیکھا تھا، ایک گھر کا...... ایک محبت بھری زندگی کا۔ مگر تم نے وہ خواب صرف اپنے فائدے کے لیے چنا، جیسے کوئی مہنگا لباس جو پہن کر تقریب کی جائے پھر اتار کر رکھ دیا جائے۔ کسی کھونٹی سے ٹانگ دیا جائے پھر کسی اور شان دار موقع کے لیے۔''

اولاد کی خوشی کہیں دب رہی تھی۔ حقیقت پردوں کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔ وہ چڑ گیا تھا۔

''تم چاہتی کیا ہو آخر......؟ کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں ایک موقع پرست ہوں؟ ٹھیک ہے مان لو، میں نے تم سے شادی تمہارے باپ کی دولت کے لیے کی تھی۔

کیا ہوا......؟

محبت تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے نا؟''

''محبت...... تم نے محبت کا نام لیا؟ محبت وہ ہوتی ہے قیس جو انسان کو بدل دیتی ہے، تم نے تو مجھے ہی بدل دیا۔ میری ہنسی چھین لی۔ میری آنکھوں کی چمک، میرے لفظوں کی خوشبو...... مجھے لگتا ہے کہ میرا نصیب بھی میری ماں پر گیا ہے ہمارے حصے میں کچھ نہیں آیا۔''

کمرے کا ایک کردار دوسرے کے پاس آیا۔ اس کے پاس لفظوں کا جادو ہمیشہ سے رہا تھا۔ ہر بار، شاید بار بار یہ جادو کام کرتا تھا۔

''یقین رکھو مجھ پر...... ہمارے رشتے پر...... اب ہماری زندگی میں سب ٹھیک ہونے جا رہا ہے۔''

''میں ٹوٹ گئی ہوں...... لیکن بکھری نہیں ہوں۔ ماں بننے والی ہوں اور اب مجھے صرف سچائی چاہیے۔ چاہے وہ سچ تمہارے ساتھ ہو یا تمہارے بغیر...... کہ تمہاری زندگی میں میری کیا اہمیت ہے؟''

''تم جذباتی ہو رہی ہو۔ دیکھو عذرا سے مجھے محبت نہیں تھی۔ تم مجھے اچھی لگیں میں نے تمہیں چن لیا اور میں اس پر پچھتاوے کا شکار ہرگز نہیں ہوں۔''

''جذباتی ہوں، کیونکہ اب میرے اندر ایک دوسری زندگی پل رہی ہے۔ تمہارا بچہ میرے اندر سانس لے رہا ہے۔ تم ہو کہ ہر روز ایک نئے جھوٹ کی قینچی سے مجھے کاٹ رہے ہو۔''

رات کو دیر تک باہر رہنے کی عادت بڑھ گئی تھی۔ وہ انتظار کرتے کرتے سو جاتی تھی، مگر اب نہیں......

وہ جیسے اپنی پکڑ پر پھر سے ضبط کھونے لگا تھا۔

''تم چاہتی کیا ہو آخر......؟ ہر روز ایک ہی سوال، ایک ہی شکوہ...... تمہیں مجھ پر یقین کیوں نہیں آتا؟''

''یقین......؟ یقین ایک ایسا دھاگا ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے نا......تو دوبارہ جوڑنے سے بھی وہ گانٹھ رہ جاتی ہے۔ تم نے میرے یقین کو بار بار جھٹلایا ہے۔ تمہارے کپڑوں کی خوشبو، تمہارے فون کی اسکرین، تمہاری آنکھوں کا جھوٹ...... سب کچھ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ تم وہ قیس نہیں جس سے میں نے محبت کی تھی...... یا شاید وہ قیس کبھی تھا ہی نہیں۔''

محبت کے ان دو دعویداروں پر وقت کو بے طرح کی ہنسی آ گئی تھی۔ رات بھی قل قل کر کے ہنسی تھی۔

''میں غلط تھا، مانتا ہوں...... لیکن میں...... میں اب بدلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' اب وہ واقعی میں پریشان ہو گیا تھا۔

اولاد کی خبر نے زی کو شاید کچھ زیادہ ہی حساس کر دیا تھا۔

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی؟''

''محبت......؟ جو چیز مرتی ہے، اس کی قبر ہوتی ہے۔ محبت تو مر چکی ہے۔ اب صرف یادیں ہیں، اور یہ بچہ...... جس کے لیے میں خود کو زندہ رکھوں گی۔ لیکن تمہارے ساتھ نہیں قیس...... جب تک تم خود کو سچ کے آئینے میں نہ دیکھو، میری زندگی میں تمہاری جگہ نہیں۔ شاید میں نے عجی کا دل توڑ کر اپنا دل جوڑنے کی کوشش کی تھی مگر افسوس کہ میں نہیں جانتی تھی ٹوٹے ہوئے دلوں میں پیوند نہیں لگا کرتے۔''

زرناب دوبارہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ آنکھیں بند کر لی تھیں۔

قیس چپ چاپ بیڈ کے کنارے بیٹھا رہا۔ درمیان میں صرف ایک تکیہ نہیں، ایک ٹوٹی ہوئی دیوار تھی۔

باہر چاند آسمان پر تنہا تھا۔ بارش کے بعد!

☆......☆......☆

سرسوں والے گھر پر سنہری چھن چھن کرتی ہوئی دھوپ دھیرے سے اتر رہی تھی۔ گھر کے مکینوں میں بات چیت ضرورت کے مطابق ہی ہو رہی تھی۔

سب کی اپنی اپنی مصروفیات تھیں۔ عجی کو دفتر نے مصروف کر رکھا تھا اور رہی بات مہر کی تو اس نے ایم اے اردو میں داخلہ لے لیا تھا اور کبھی کبھار صحن میں ہی میر تقی میر اور ولی دکنی کی غزلیں رٹنے میں مصروف نظر آتی تھی۔ محکمہ تعلیم کو سوسو صلواتیں بھی برابر سنائے جاتی۔ اس سارے عرصے میں جیسے اس کے لہجے کی کھنک کہیں گم ہوگئی تھی اور اماں کے بار بار اصرار پر بھی وہ منہ سے ایک لفظ تک نہیں بولی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ اتنی چپ چاپ تو تم کبھی نہیں رہیں؟"

"کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے آپ کو...... میں تو ایسی ہی ہوں۔"

"ماؤں کو غلط فہمیاں نہیں ہوتیں۔ وہ اولاد کے اندر آنے والے ہر انقلاب سے واقف ہوتی ہیں۔"

کلثوم بیگم کو رتی بھر بھی اندازہ ہوتا اگر کہ وہ الفاظ خود ان پر پڑ جائیں گے تو چپ ہی رہتیں مگر سامنے بھی مہر تھی۔ لفظ پکڑتی تھی۔ پل پڑتی تھی۔ ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اماں بے چاری تو مزید شرمندہ شرمندہ سی نظر آنے لگی تھیں۔

"کیا ہوا؟ جوان لڑکیوں کو ایسی ہنسی زیب نہیں دیتی۔ کس بات پر پیٹ پکڑ کر ہنس رہی ہو؟"

عجی کی پھولوں والی کیاریوں کی حفاظت پر مامور مہر کیاریوں سے چیونٹے چن رہی تھی جو پودوں کو کھوکھلا کر رہے تھے۔

"آپ پر ہنس رہی ہوں اماں...... کیسے جھٹ سے کہہ دیا کہ مائیں اولاد کے اندر آنے والے انقلاب سے واقف ہوتی ہیں۔ تو سمجھ لیں کہ آپ بے خبر رہ گئی ہیں۔"

پالک کی گٹھیاں کاٹتے ہوئے اماں ٹھٹک گئیں۔

مرغیاں کٹاک کٹاک کرتی سامنے پڑے پانی میں چھپ چھپ کرتی گزر گئیں۔ مگر اماں کو مہر کی بات نے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟ پہیلیاں چھوڑو سچ سچ بتاؤ مجھے۔"

"آپ کی عذرا بختیار عرف عجی آج کل انقلابی ہوئی پھرتی ہے۔ دن میں تین چار بار بیٹھے بیٹھے ہنستی ہے۔ آنکھوں میں کاجل گہرا ہو گیا ہے۔ نئے نئے سوٹ سل رہے ہیں۔ کالی کافی بھی پینے لگی ہے۔"

مہر کی آنکھوں نے جو دیکھا تھا من و عن اماں کے سامنے بیان کر دیا گیا تھا۔

شام کو عجی نے اماں کو جلے پیروں والی بلی کی طرح صحن میں گھومتے ہوئے پایا تھا۔

بیگ شانوں پر سنبھالے وہ تھکی تھکی سی اندر داخل ہوئی تھی۔ اماں نے پکڑ جکڑ لیا تھا۔

"اتنا ڈھیر سارا کاجل؟ اور یہ ٹشو کا نیا سوٹ؟ دفتر ایسے سج دھج کر کون جاتا ہے اور وہ بھی تم جیسی لڑکی؟"

عجی کو سو فیصد یقین آ گیا تھا کہ یہ قیامت مہر بختیار کی بپا کی گئی تھی۔ وہ چہرے پر ایک پیاری اور نرم مسکراہٹ سجائے اماں کو تخت پر بٹھا کر خود بھی ساتھ بیٹھ گئی۔

"بری لگ رہی ہوں کیا؟ آنکھوں کو چبھ رہی ہوں کیا؟"

اماں نے اس بار ذرا غور سے نظر بھر کر دیکھا۔

کتنی پیاری لگ رہی تھی وہ...... کاجل کاجل آنکھیں...... خوشبو خوشبو سراپا...... سنہری ست رنگا دوپٹے سے سجا ہوا بالوں کا جوڑا...... صاف شفاف ہاتھ پیر......!

"ہائے میں مر گئی عذرا...... تو اتنی سوہنی...... اتنی کومل کومل اور نفیس کب سے ہو گئی؟ مجھے دیکھو باورچی خانے کے کاموں میں دھیان لگا ہوتا ہے تو تم سے دھیان ہی ہٹ گیا ہے۔"

وہ شرما گئی تھی۔ لجا گئی تھی۔

مائیں بھی ناں...... کبھی کبھی کیسے کیسے تعریف کر جاتی ہیں۔

"وہاں دفتر میں دھول مٹی نہیں ہوتی اماں...... چمکتے دمکتے شیشے ہیں۔ سیڑھیاں نہیں، لفٹیں

ہیں۔ بس کام کرنا ہوتا ہے۔ اور آج سدرہ کی سالگرہ تھی تو تھوڑا بہت تیار ہو کر گئی تھی۔ اور مہر نے ہی تو مجھے تیار کر کے بھیجا تھا اور دیکھیں تو آپ لوگوں کے لیے کیک بھی لائی ہوں۔"

فساد کی جڑ مہر اندر کہیں گم ہو گئی تھی ہمیشہ کی طرح......

اماں نے خوشی خوشی اسے کیک والا ڈبا نکالتے دیکھا تھا۔

"کیک پہلے ہی فریج میں پڑا ہے۔ تمہارا حصہ رکھا ہے۔ چائے کے ساتھ کھا لینا۔" اماں نے دھیرے سے مطلع کیا۔

ٹشو کے دوپٹے والی چونک گئی۔

"ارے واہ! کہاں سے آیا کیک؟"

"زرناب اور قیس لے کر آئے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بیگ ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

قدم اندر کی طرف بڑھائے تھے پھر کچھ سوچ کر واپس پوچھ لیا۔

"خیریت تھی؟ کیوں لائے تھے کیک؟"

اماں نے کئی پتھر پہاڑ اپنے سینے پر لدے ہوئے محسوس کیے تھے۔

"خوش خبری ہے زرناب کی طرف...... اللہ نے اولاد سے نوازا ہے انہیں۔"

اماں کو لگا تھا وہ سلیٹی ہو جائے گی۔ سیاہ سفید بھی...... مگر عذرا بختیار عرف عجی ہنستی مسکراتی گنگناتی ہوئی تیزی سے اوپر کی سیڑھیوں کی طرف بھاگ گئی تھی۔

"ارے...... سچ میں اماں......! یہ تو بہت بہت خوشی کی بات ہے۔ میں ابھی زی سے مل کر آتی ہوں۔"

اماں جہاں کی تہاں رہ گئی تھیں۔

مہر عرف فساد کی پڑیا نے سچ کہا تھا۔ اس بار اماں چوک گئی تھیں۔

عجی واقعی کسی انقلاب کی زد میں آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

روماں کو اکثر وہ کبھی پارکنگ میں رکشے سے اترتی ہوئی یا پھر لفٹ میں ٹکرا جاتی تھی اور پھر یوں انجان بن جاتی تھی جیسے دیکھا ہی نہ ہو، اور ہمیشہ روماں کو ہی سلام میں پہل کرنی پڑتی تھی۔ جانے وہ کیسی لڑکی تھی۔ روماں کو تو وہ کوئی معمہ، کوئی اسرار نظر آتی تھی۔

کام سے کام رکھتی تھی، وقت پر آتی تھی اور وقت پر ہی نکل جاتی تھی۔ دوپہر کے کھانے پر کبھی کینٹین میں اپنا ٹفن نکالے مزے سے کھانا کھانے میں بھی مگن نظر آتی تھی۔ وہ چور نظروں سے کبھی کبھار دیکھ لیا کرتا تھا اور شاید کبھی کبھار میں پکڑا بھی جاتا تھا کہ عجی کی آنکھوں میں کوئی دوربین فٹ تھی جو چوبیس گھنٹے کام کرتی رہتی تھی۔

وہ بھی ایک ایسا ہی ہلچل والا دن تھا جب وہ دونوں لفٹ میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ روماں کے سلام کا دھیرے سے جواب دے کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ خاموش رہتی تھی تو مزید باتیں کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

لفٹ کے شیشوں میں کھڑے وہ ایک دوسرے سے نظریں چراتے رہے تھے۔

''گھر میں سب کیسے ہیں؟''

روماں کو سوال کرنے میں پہل کرنا پڑی۔ وہ خیالوں کی دنیا سے واپس آئی۔

''سب اچھے ہیں۔ زرناب بھی۔''

وہ جیسے گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔

''زرناب کا ذکر خاص طور پر کرنا ضروری تھا کیا؟''

''خاص لوگوں کا ذکر بھی خاص ہوتا ہے ناں۔''

''پھر تو آپ بھی خاص ہیں۔'' وہ ہنسا۔

وہ گھور کر رہ گئی۔ بیگ کندھے پر بھاری ہو گیا تھا۔

لفٹ میں پتا نہیں کیا مسئلہ ہو گیا تھا کہ رک کر رہ گئی تھی۔ سینٹ سے مہکا ہوا انسان مزے سے بازو بھر کا فاصلہ رکھے ٹیک لگا کر مزے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

”زرناب اور قیس کے ہاں خوش خبری آنے والی ہے۔“

عذرا کو لگا تھا وہ دکھی نظر آئے گا یا پھر خاموش ضرور ہو جائے گا مگر سامنے والا بھی انقلابی تھا۔ مہر دیکھتی تو قل قل ہنستی اور کہتی کہ لفٹ میں دو انقلابی بند ہو گئے ہیں۔ عجی کو مہر کو سوچ کر ہی جھر جھری سی آ گئی۔

”ارے واہ! زبردست...... یہ تو خوشی کی خبر ہے۔ میں مبارک باد کے لیے ضرور آؤں گا۔“

رومان کے مسکراتے ہوئے لہجے اور بطور خاص مبارک باد کے لیے گھر آنے کی بات پر عذرا بختیار کی روح فنا شنا ہو گئی تھی۔

”نہیں...... نہیں۔ آپ مت آیئے گا۔“

وہ گھبرائی تھی۔ وہ غور سے اسے بس دیکھے جا رہا تھا۔

”کیوں؟ میں نہیں آسکتا کیا؟ منع کر رہی ہیں آپ؟“

وہ ”منع“ کرنے پر زور دے رہا تھا۔ جھٹکے سے لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور عجی کی سانس میں سانس آ گئی تھی۔

”اصل میں...... ڈرائنگ روم میں پھر سے چھپکلیاں اور چوہے آ گئے ہیں۔ آپ کو مسئلہ ہو گا۔“

یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف بھاگی تھی۔ پیچھے سینٹ کی خوشبو میں مہکتے ہوئے رومان کے قہقہے نے دور دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

جب وہ گھر پہنچی تھی تو پتا چلا تھا کہ مبارک باد کا کارڈ اور مٹھائی پہنچ چکی تھی۔ مزے سے گلاب جامن کھاتے ہوئے مہر اس کے آس پاس گھوم رہی تھی۔

”بلش مت کیا کرو۔ قیامت ڈھانے لگتی ہو۔“

”دفع ہو جاؤ مہر...... مجھے نظر مت آؤ تم اب۔“

”ہاں۔ اب مہر بختیار کہاں نظر آئے گی۔ اب تو نظروں پر بھی کوئی اور قابض ہو گیا ہے۔“

مہر کو ہاتھ سے پکڑ کر کمرے سے باہر کر دیا گیا تھا۔ مہر سلائی مشین تھامے چھوٹے چھوٹے کپڑے سینے میں لگ گئی تھی کیونکہ ننھے مہمان کی آمد آمد تھی۔ پچھلے چار دنوں سے اس کا یہی مشغلہ تھا۔ زرناب اسے دیکھ کر ہنستی رہتی تھی۔

”مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بے بی کی خالہ کہلاؤ گی یا پھر پھپھو؟“

سلائی مشین کی فرکی ٹھیک کرتے ہوئے وہ واقعی سوچ میں پڑ گئی۔

اماں نے تو پھپھو ہونے کے حق میں ووٹ دیا تھا۔

مگر اس نے ناشتے کی میز پر قیس کو دیکھتے ہوئے اعلان کر دیا۔

”بھئی میں نے تو سوچ لیا ہے کہ میں تو بے بی کی خالہ کہلوانا پسند کروں۔“

قیس نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

”میں اتنا برا تو نہیں ہوں مہر، کہ تم میرے بچے سے میرے حوالے سے رشتہ ہی نہ رکھو۔“

”میرے لیے تو برے بن گئے تم قیس اعجاز......میں ماضی نہیں بھول سکتی۔“

اماں کی ہزار گھوریاں بھی اس نے چٹکیوں میں اڑائی تھیں۔

”جانتا ہوں کہ تم دل کی باتیں دل میں ہی رکھتی ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم میری اولاد سے کوئی رشتہ رکھو گی۔ پھپھو نہ سہی، خالہ ہی سہی۔“

مہر سے گفتگو میں مگن قیس نے اچانک ڈبل روٹی چائے میں ڈبوتی ہوئی عجی کو گہری نظر سے دیکھا۔

”اور تم کیا کہلوانا پسند کرو گی؟“

ڈبل روٹی چائے میں ڈبوتی ہوئی لڑکی جیسے اس لمحے کے لیے مکمل طور پر خود کو تیار کر چکی تھی۔

”میں تو پھپھو بھی ہوں، اور خالہ بھی۔ مجھے دونوں رشتے پسند ہیں۔ کوئی کچھ بھی بلائے، مجھے خوشی ہی ہوگی۔“

وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی باہر نکلی تھی، قیس بھی بیگ اٹھائے ساتھ ساتھ باہر آ گیا تھا۔ اب وہ ایک عدد گاڑی کا مالک تھا۔

”سنو! آج میں تمہیں دفتر ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

سوٹڈ بوٹڈ تیار کھڑا وہ شخص کبھی عذرا کے دل کے بہت قریب تھا۔ اور آج اتنا ہی فاصلے پر نظر آتا تھا۔

بنانے والے نے بھی کیا دل بنائے ہیں؟ بدل جاتے ہیں!

وہ سر ہلاتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ سارے رستے دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ سفر کے دوران وہ اس کی دفتر کے راستے تک رہنمائی کرتی آئی تھی۔

قیس نے ایک عالی شان دفتر کی بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکی تھی۔ سامنے ہی وہ شاندار بلڈنگ شان سے کھڑی تھی۔ قیس کو اچنبھا سا ہوا تھا۔

عجی گاڑی سے دوپٹا سمیٹتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔

''تم یہاں کام کرتی ہو؟'' قیس اعجاز کو سر اٹھا کر وہ بلڈنگ دیکھنا پڑ رہی تھی۔

ہاتھ کا چھجا بنائے وہ کھڑکی کے شیشے کی طرف جھکی تھی۔

''ہاں......یہیں کام کرتی ہوں۔''

تب ہی سامنے پارکنگ کی طرف قیس کی نظر اٹھی تھی جہاں سے رومان اپنی گاڑی سے نکل کر اندر جا رہا تھا۔

''یہ......یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟''

قیس کو چبھن ہوئی تھی۔ قیس کو جلن بھی ہوئی تھی۔

عذرا نے قیس کی نظروں کے تعاقب میں گارڈز کے ساتھ پروٹوکول کے ساتھ رومان کو اندر جاتے ہوئے دیکھا۔

''باس ہیں وہ میرے......''

عام سے لہجے میں خاص بات کر کے عذرا بختیار مطمئن اور پر اعتماد قدموں سے خود بھی آگے بڑھ گئی تھی۔

وہ لہجہ، وہ انداز، وہ چال ڈھال......جیسے قیس اعجاز کو اندر کہیں سے کاٹ گئی تھی۔

عذرا کمرے میں پہنچی تو گیلری میں اپنا کافی کپ تھامے وہ اسے ٹکرا گیا تھا۔

''آج آپ رکشے پر نہیں آئیں۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"جی...... لفٹ لے کر آئی ہوں آج۔"

جانے کیوں وہ جل بھن سا گیا تھا۔ آفٹر شیو کی مہک عجی کو گھیرے میں لے رہی تھی۔

"اگر آفس آپ کو پک اینڈ ڈراپ دے تو؟"

رومان کے بے تاب انداز پر وہ سنجیدہ ہوگئی۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔

"مسٹر رومان...... اگر ایسا ہوا تو میں استعفیٰ دے دوں گی۔" وزنی پتھر جیسی بات لپیٹ کر رومان کی طرف پھینکتی ہوئی وہ نکل گئی تھی۔

کافی ہاتھ میں پکڑے پکڑے ٹھنڈی ہوگئی۔ مگر اس نے غصے میں غٹا غٹ پی لی۔

وہ مزے سے رومان کا آرام وسکون تہ و بالا کر کے اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے وقت وہ اسے فش ایکویریم کے پاس نظر آئی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"مچھلیوں کا گھر دیکھ رہی تھی۔ دفتر میں مجھے یہ جگہ سب سے زیادہ پسند ہے۔"

نارنجی پیلی اور نیلی مچھلیاں شیشے کے ڈبے میں بند تھیں۔ پانی کی لہروں میں بھاگ دوڑ رہی تھیں۔ وہ دلچسپی سے شیشے پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بچوں کی طرح خوش لگ رہی تھی۔

"جانتا ہوں کہ آپ کی فش ایکویریم کی مچھلیوں سے بہت اچھی دوستی ہے۔ شاید اب تو یہ آپ کو پہچاننے بھی لگی ہوں گی۔"

"آپ کو کیسے پتا؟"

"روز دیکھتا ہوں آپ کو یہاں۔ اکثر آپ ان کے آس پاس پائی جاتی ہیں۔" وہ ہنسا۔

وہ جیسے شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

"وہ تو بس...... ایسے ہی......"

وہ وہاں سے جانے لگی تھی۔ لمبا دوپٹا کندھوں سے بار بار سرکتا جا رہا تھا۔ رومان نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"بات سنیں......"

وہ حیران ہو کر واپس مڑی۔ رومان کی پکار میں کوئی خاص بات تھی۔

''جی......؟''

وہ بالکل پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہی خوشبو...... وہی اونچا لمبا چوڑا انسان۔ وہ جیسے کہیں چھپ کر رہ گئی تھی۔ مچھلیوں کے گھر میں مچھلیاں شیشے سے لگ کر وہ منظر دیکھتی رہیں۔

''کہتے ہیں دو ٹوٹے ہوئے لوگ...... دو ٹوٹے ہوئے دل۔ کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ ہوا کے جھونکے کی طرح نکل گیا۔

سے انقلاب تھا۔ سے جادوگر تھا!

چار منزلہ عمارت برف کا گلیشیر بن گئی تھی۔ عذرا بختیار جم کر رہ گئی تھی۔

وہ کیا کہہ کر گیا تھا؟ کیونکہ کہہ کر گیا تھا؟

ایسے کیسے......؟

☆......☆......☆

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے
نہ چھوڑے محبت دم مرگ تک
جسے یار جانی سوں یاری لگے
نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے
ہر اک وقت مجھ عاشق پاک کوں
پیارے تری بات پیاری لگے
ولی کوں کہے تو اگر یک بچن
رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

کستوری محلے کی ویران اور سنسان گلیوں میں لائبریری سے ولی دکنی کی شاعری کی کتاب ایشو کرواکر وہ معمول کی طرح اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ سمیت غزل پڑھتی ہوئی جارہی تھی۔

راستے میں ہی ٹوپی والا سفید برقع پہنے کشمیرن بوا اسے ٹکرا گئی تھیں۔سہیلیوں کو چھوڑ کر وہ تیزی سے ان کی طرف لپکی تھی۔

''کشمیرن بوا...... بوا۔''

اتنی بے تابانہ آواز پر کشمیرن نے گھوم کر دیکھا تھا اور آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں کہ یہ تو وہی لڑکی تھی جو رشتوں کو فرمائشوں میں تولتی تھی۔

''کون ہو تم بی بی۔اور میرا راستہ کیوں روک کر کھڑی ہوگئی ہو؟''

''بوا......ایسا تو مت کریں۔میں مہر ہوں۔''

کشمیرن نے نخوت سے بالکل اسے کنارے پر کر کے قدم آگے بڑھائے تھے۔

''ہٹو بھئی۔میں کسی مہر قہر کو نہیں جانتی۔''

یہ کہہ کر وہ لپک جھپک آگے بڑھنے لگی تھیں اور مہر نے انہیں موقع سے فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو سامنے آکر پھیل گئی تھی۔چہرے پر مسکینیت طاری کرلی۔

''آپ کو پتا ہے وہ کہاں چلا گیا ہے؟''

''ارے کون؟ کس کی بات کرتی ہو لڑکی......؟''

مہر نے چاروں طرف دیکھا تھا۔کستوری کی دیواروں کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔

''وہی......اطلس......اطلس کہاں ہے؟ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے اپنی اماں اور بہن بھائی سمیت......''

کشمیرن نے صفاچٹ انکار کر کے مہر کو مزید تاؤ دلا دیا تھا۔

''میں کسی اطلس وطلس کو نہیں جانتی۔اور تم کیوں دوسروں کے رستے روک روک کر لڑکوں کے پتے پوچھتی پھرتی ہو۔''

وہ روہانسی ہوگئی تھی۔وہ ڈھے جانے کو تھی۔

"بس کر دیں بوا۔ مت کریں ایسا۔"

"کیا تو تم نے ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے تم نے تو تنکے بھی چھین لیے اس سے۔ محبت میں فرمائشیں ہوتی ہیں جانتی ہوں۔ مگر محبوب کو آزمائش کے حوالے کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ گز بھر لمبی زبان ہے تمہاری۔ کاش اسے قابو میں رکھا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھ رہی ہوتیں۔"

کستوری کی دیواروں نے سب دیکھا۔ کستوری کے در و دیوار نے سب سنا۔ وہ جو مہر قہر تھی۔ وہ زار زار تھی۔

وہ خاموشی کی قبا اوڑھے اب واپس مڑ رہی تھی۔ لٹے پٹے قافلے کی آخری فرد کے جیسی۔

کشمیرن کے دل پر ہاتھ پڑ گیا تھا۔

گستاخ لڑکی کی اداسی نے کشمیرن بوا کے دل کو چھو لیا تھا۔

"سنو......! کاپی کا صفحہ پھاڑو۔ اور لکھو اس کا فون نمبر۔"

وہ پلٹی۔ وہ خوش باش ہو گئی۔

"نہیں...... نہیں...... ایسے ہی بتا دیں۔ میں زبانی یاد کر لوں گی۔"

کشمیرن نے فون نمبر دہرایا تھا اور ولی دکنی کی شاعری پڑھنے والی نے وہ نمبر حفظ کر لیا۔ اب وہ کستوری کی گلیوں میں بھاگتی ہوئی گھر جا رہی تھی۔ گھر پہنچ کر سانس درست کیے بغیر اس نے فون نمبر ملایا تھا۔

جنگل نما شہر میں دوسری طرف بلا کا شور تھا۔ اینٹ گارے سیمنٹ کی آوازیں تھیں۔ شہر کا اطلس دوسری طرف ہیلو ہیلو کرتا رہا گیا تھا۔

کستوری محلے کی مہر ہائے ہائے کرتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

کستوری محلے کی تنگ و تاریک گلیوں سے وہ شاندار گاڑی بہت مشکل سے گزر کر اس گھر تک پہنچی تھی جو دیکھنے میں بہت عام سا ہی نظر آتا تھا۔ قیمتی شال اوڑھے پر وقار شخصیت والی زینت زمان نے اس گھر کے سامنے اپنی گاڑی سے قدم باہر نکالا۔

یہ وہ گھر تھا جہاں آنے سے اور اس گھر کے مکینوں سے دور رہنے کے لیے ہمیشہ انہوں نے اپنی بیٹی کو سرزنش کیا تھا اور آج اس گھر میں ان کی بیٹی بہو بن کر رہ رہی تھی۔

آنکھوں میں بہت سارا نمک جمع ہو گیا تھا۔ بہت سارے تحائف گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑے تھے جس کے بارے میں انہوں نے ڈرائیور کو ہدایات دی تھیں۔

گھر کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اور سارے میں کسی پرفیوم کی مہک پھیلی ہوئی تھی جیسے ابھی ابھی کوئی اندر گیا تھا۔ وہ بھی سنبھل کر اس آنگن میں قدم دھر چکی تھیں۔

کھلا صاف شفاف صحن گواہ تھا کہ وہاں روزانہ کی بنیاد پر صفائی کی جاتی ہو گی۔ سامنے ہی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی کیاریوں پر رنگ برنگے پھولوں کی بہار نظر آتی تھی۔

الائچی کی خوشبو حواسوں پر طاری ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ سورج مکھی کے پودے پر بیج آ گئے تھے۔ مولسری بھی ایک طرف سر جھکائے کھڑے تھے۔

گلابی آتشیں گلاب بھی اپنی چھب دکھلا رہے تھے۔

لمحوں کی بات تھی کہ زینت اس چھوٹے سے گھر کے ماحول کی زد میں آ گئی تھیں۔ کچھ تو تھا اس در و دیوار میں جو آپ کے دل میں سکون اتار دیتا تھا۔

لکڑی کی ایک میز پر ولی دکنی کی شاعری والی کتاب اپنی نشانی سمیت ادھ کھلی پڑی ہوئی تھی۔

چائے کے خالی کپ میں چائے کی پتی جم گئی تھی۔

اندر کہیں سے کوئی قہقہہ یا ہنسی کی کھنک باہر تک سنائی دے جاتی تھی۔

کچھ دیر تک وہیں کھڑے کھڑے زینت کان لگائے وہ آوازیں سنتی رہیں کہ تب ہی انہوں نے زرناب کے قہقہے کی آواز سنی تھی۔ آج مدت بعد انہیں اپنی بیٹی کا بھرپور اور خوشی سے معمور قہقہہ سنائی دیا تھا۔

شال اوڑھے وہ پر وقار عورت کرسی پر ڈھے گئی تھیں اور ہلکی ہلکی سسکیاں لینے لگی تھیں۔

تبھی سیڑھیوں پر شور ہوا تھا اور چاپ ابھری تھی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ گھر کا دروازہ بند رکھا کرو، مگر میری اس گھر میں سنتا ہی کون ہے؟"

بڑبڑاتے ہوئے کلثوم دروازہ واپس بند کرنے جا رہی تھیں اور سامنے ہی گاڑی اور تحائف سے لدا پھندا ڈرائیور دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں۔

''میاں......کون ہو تم؟ راستہ بھٹک گئے ہو کیا؟''

ڈرائیور گھبرا ہی گیا تھا۔ کلثوم کا لہجہ کڑک اور انداز قدرے سخت تھا۔

''جی......ٹھیک پتے پر آیا ہوں زینت صاحبہ کے ساتھ۔ وہ اندر گئی ہیں۔''

ڈرائیور کی بات پر کلثوم نے پلٹ کر آنگن میں نظر ڈالی تھی۔ بیس قدم کے فاصلے پر لکڑی کی کرسی پر بیٹھی روتی وہ عورت زینت ہی تھیں۔ وہ تیزی سے ان کی طرف آئی تھیں۔

''ارے......آپ......سب ٹھیک ہے ناں......آپ رو کیوں رہی ہیں؟'' کلثوم نے آگے بڑھ کر گلے سے لگایا تھا اور زینت کو لگا تھا زخم مرہم پا گئے ہوں۔

''وہ بس......ایسے ہی دل بھر آیا تھا۔''

کلثوم نے پیار دلار سے اس ٹوٹی ہوئی پروقار عورت کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھے تھے۔

''دل بھر بھی آئے تو اکیلے رونے سے مزا نہیں آتا۔ میرے ساتھ اندر چلیں۔ وہ تینوں اندر ہیں۔ دھما چوکڑی بنا کر بیٹھی ہیں۔ آپ کو رونا بھول جائے گا۔''

کلثوم انہیں گلے سے لگائے اندر داخل ہوئیں۔

لاؤنج میں چاروں طرف کپڑوں کی کترنیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ تینوں سر جوڑے بیٹھی کسی اہم معاملے پر میٹنگ کر رہی تھیں۔

''اگر لڑکا ہوا تو......؟ لڑکی بھی تو ہو سکتی ہے؟ چلو کوئی بات نہیں۔ چھوٹا بچہ تو کچھ بھی پہن لے گا۔''

وہ تینوں ہم جولیاں پھر سے ہنس دی تھیں۔

کلثوم نے انہیں متوجہ کیا۔

''دیکھو تو کون آیا ہے؟''

وہ حیران ہو کر مڑیں۔ زرناب پتھر کی ہو گئی تھی۔

زینت دوڑ کر بیٹی سے جا کر لپٹ گئیں۔

"زرناب......میری بچی......!" دونوں پھپھک پھپھک کر رو دی تھیں۔

"ماں کا ذرا خیال نہیں آیا تمہیں......ہائے......تم نے کیوں پلٹ کر خبر نہ لی۔"

زرناب زمان رو رہی تھی۔

"آپ نے خود ہی کہا تھا کہ آپ اپنے باپ کے پاس رہیں گی اور میں اپنے باپ کے پاس رہوں۔ میں نے تو آپ کی بات مانی تھی۔"

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی میری بچی۔ اپنی ماں کو معاف کر دینا۔"

دونوں ماں بیٹی ڈھیروں باتیں کرتی رہیں۔ اور روتی ہنستی رہیں۔ تب ہی زرناب نے جب انہیں نانی بننے کی خوش خبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ ڈرائیور سے ڈھیر سارے تحفے منگوا لیے گئے تھے۔

کلثوم نے خاطر تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ زینت نے عذرا کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"میری بیٹی کو دل سے معاف کر دینا عجی۔ میں جانتی ہوں کہ زرناب کو جلد بازی میں یوں قیس سے......"

عذرا نے ان کے جڑے ہوئے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے......؟" عجی کے لہجے میں کچھ تھا۔

مہر اور زرناب کچن میں کلثوم کے پاس کھڑی تھیں۔ وہ دونوں لاؤنج میں تنہا تھیں۔

"ہاں بیٹا پوچھو......"

"کیا زرناب کا ظرف بھی اتنا بڑا ہے کہ وہ اپنی سہیلی کو معاف کر دے؟"

زینت چونک گئی تھیں۔ قیمتی شال کے دھاگے ادھڑنے لگے تھے۔

"رومان نے مجھے پروپوز کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دو ٹوٹے ہوئے دلوں کو ایک ساتھ جڑ جانا چاہیے۔ آپ بتائیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کل کو میں دغا باز تو نہیں کہلاؤں گی؟ کیا میں ساری زندگی رشتوں کے لیے......دوستوں کے لیے قربانیاں دیتی رہوں گی؟"

زینت بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

عذرا بختیار کی آنکھوں میں آنسو چمکتے تھے۔ زینت نے ہاتھ بڑھا کر وہ ستارے اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لیے۔

''کبھی خود کو اذیت مت دینا عذرا......! رشتوں میں قربانیاں دے کر بھی کچھ لوگ خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ نئے رشتوں کو خوش آمدید کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خود پر وزن ڈال کر کبھی دوسروں کو ہلکا مت کرنا۔ خود دب کر مر جاؤ گی میری طرح...... محبت میں قدر شامل ہو تو انکار مت کرنا۔''

زینت نے سرگوشی میں عذرا بختیار کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

مہر پکوڑوں کی پلیٹ تھامے سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

زرناب نے بھی لاعلمی سے کندھے اچکائے تھے۔

''پتا نہیں کون سی گہری باتیں ہو رہی ہیں۔''

عذرا بختیار ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ روئی کے گالوں کی طرح......!

مہر نے کھوجنے کی ہزار کوششیں کی تھیں تب کہیں جا کر عجی نے بم پھوڑا تھا۔

''بیٹھک میں نئی بیڈ شیٹ بچھاؤ...... فصیلیں بھی صاف کر دینا۔ برتن وغیرہ بھی گرد سے پاک ہونے چاہئیں۔ جاپانی وال کلاک کے سیل بھی ڈال دینا کب سے وقت رکا ہوا ہے اس پر۔''

مہر بازو باندھ کر عجی کے بستر کی طرف کود پڑی۔ عجی مزے سے کریم ہاتھوں پر مل رہی تھی۔

''اتنی خصوصی ہدایات......؟ کوئی آ رہا ہے کیا؟''

''ہاں...... آئے گا۔''

مہر کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا تھا۔

''کون آئے گا عجی؟''

''آئے گا تو دیکھ لینا...... سمجھو تو اعتبار...... دیکھو تو انقلاب......''

دو ہفتے بعد کستوری محلے والوں نے سیاہ ساڑھی میں ملبوس ایک اور پروقار عورت کو بڑی سی گاڑی میں سرسوں والے گھر کے دروازے پر دیکھا تھا۔ زائرہ بیگم اپنے بیٹے رومان کا رشتہ لینے کلثوم کے

دروازے پر آ گئی تھیں۔ بیٹھک لشک رہی تھی۔ فصیل کے برتن چمک رہے تھے۔ جاپانی وال کلاک کی ٹک ٹک وقت کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ سامنے چاندی کے کٹورے میں گلاب اور موتیا کے پھول پانی میں تیر رہے تھے۔

رومان کی ہنسی کا سبب بن جانے والی کستوری محلے کی اس عام سی خاص لڑکی نے زائرہ بیگم کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

شہر والے فون نمبر سے مہر کو کال موصول ہوئی تھی۔

شام کا پہر تھا اور وہ ریڈیو پر کوئی شاعری کا پروگرام سنتے ہوئے سر دھن رہی تھی۔ دوسری طرف سے ٹنکو کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

''مہر باجی......! یہ میں ہوں، ٹنکو......''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ گلوں میں واقعی رنگ بھر گئے تھے۔

''ٹنکو......! تم......کیسے ہو؟ کہاں ہو؟ مل کر کیوں نہیں گئے مجھ سے۔ میں سخت ناراض ہوں۔''

وہ بولتی چلی گئی تھی۔ دوسری طرف ٹنکو بھی جیسے خوشی سے مرا جا رہا تھا۔

''ہم شہر آ گئے ہیں مہر باجی۔ بھیا ہم سب کو یہاں لے آئے ہیں۔ نئے اسکول میں داخلہ ہو گیا ہے۔''

وہ تفصیل بتا رہا تھا۔ وہ ننگے پاؤں فرش پر ٹہلتے ہوئے سنتی رہی تھی۔

مینا نے بھی بات کی تھی اور اماں کی طبیعت کی بہتری سے بھی آگاہ کیا تھا۔ تبھی مہر نے دل تھام کر اس کا پوچھ لیا۔

''وہ کیسا ہے؟''

مینا شاید سمجھی نہیں تھی، تو حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ کون......؟''

پاس کھڑے ٹنکو نے جیسے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

''ارے بے وقوف! اطلس بھیا کا پوچھ رہی ہیں۔ ان کے بارے میں پوچھنا ہو تو ''وہ'' کہہ کر بات کرتی ہیں مہر۔''

اماں نے ان سے فون لے لیا تھا اور مہر سے گفتگو شروع کر دی تھی۔

''وہ بھی ٹھیک ہے مہر۔ لینٹر والے مکان کے پیسے پورے ہو گئے ہیں۔ پندرہ تولے سونے جتنی محنت ابھی درکار ہے۔ دن رات اسی میں لگا رہتا ہے۔ بہت جلد میں تمہاری ساری فرمائشیں پوری کرنے تمہارے دروازے پر آؤں گی مگر میں انکار نہیں سنوں گی۔''

مہر بیر بہوٹی ہو گئی تھی۔ بہت دیر تک بات ہوتی رہی تھی یہاں تک کہ وہ منتظر رہی تھی کہ ''وہ'' بھی بات کرے گا مگر شاید وہ بات کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ عہد پورے کرنے والوں میں سے تھا۔

چائے کے بھاپ اڑاتے ہوئے کپ لیے جب عجی نے قدم رکھا تھا تو کمرے کا ماحول بالکل ہی بدلا بدلا سا دکھائی دیتا تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں عجی...... وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ایک دن رومان کی طرح وہ بھی ہمارے دروازے پر ضرور آئے گا۔''

عجی بس چائے کی چسکیاں لیتی ہوئی مسکراتی رہی تھی۔

قیس نے رومان کے رشتے پر خوب ہنگامہ کیا تھا۔

''مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ گھر سے قدم باہر نکلیں گے تو کوئی چاند ضرور چڑھے گا۔''

اماں اس بار جی جان سے میدان میں اتری تھیں۔

''خبردار! جو اور کچھ کہا بھی تو...... مردوں کو یہ زبان زیب نہیں دیتی۔''

''عورتوں کو بھی اپنے رشتے ڈھونڈنا زیب نہیں دیتا چچی...... آپ ان لوگوں کو انکار کر دیں۔ اور کل سے یہ دفتر بھی نہیں جائے گی۔''

وہ بکتا جھکتا رہا تھا۔

زرناب اپنی شوگر اور بلڈ پریشر سنبھالنے پر کافی توجہ دے رہی تھی تو وہ اس سارے معاملے سے

دور رہی تھی۔

عجی اگلے دن سے دفتر نہیں گئی تھی مگر کلثوم بیگم نے زائرہ بیگم کو انکار نہیں کیا تھا۔

قیس شعلوں پر تھا۔ مہر شگوفوں پر تھی۔ اور عذرا بختیار بس گھر کے کونوں کھدروں میں اپنی جنگ دوسروں کے حوالے کر کے بس فقط مسکاتی رہتی تھی۔

وقت کا کام گزرنا تھا اور وقت یونہی گزرتا گیا تھا یہاں تک کہ زرناب کی ڈیلیوری کا وقت قریب آن پہنچا تھا۔

اسپتال کے کوریڈور میں عجیب اتفاق ہو گیا تھا۔

زمان صاحب اور بے جی بھی نیلم کو لے کر وہیں ڈیلیوری کے لیے آئے ہوئے تھے۔

درد سے نڈھال اور بے حال زرناب زمان عرف زی عجیب مقام پر حوصلے ہاری تھی۔

اسپتال کا ٹھنڈا فرش...... بے چینی سے بھاگتے دوڑتے ہوئے چند قدم...... مہر اور عجی تسبیح تھامے خوف سے بنچ پر بیٹھی تھیں۔

کلثوم وحشت کے عالم میں قیس کو سنبھال رہی تھیں۔

رات کالی تھی۔ رات گہری تھی۔ رات چپ تھی۔

زمان صاحب اور بے جی کے وارث کی آواز نے رات کا سناٹا توڑا تھا۔ اور ادھر لیبر روم سے باہر آ کر ڈاکٹر نے پریشانی کے عالم میں قیس کو کونے میں بلایا۔ وہ ڈاکٹر سے بحث کرتے ہوئے سر پکڑے کھڑا تھا۔

عجی اور مہر کو آنے والے وقت کا خوف ستا رہا تھا۔

''اور کتنا وقت لگے گا بے بی کے آنے میں؟'' مہر پریشانی سے بار بار عجی سے پوچھتی تھی اور عجی اماں کا چہرہ دیکھتی تھی۔

''ابھی وقت ہے۔ اللہ کرے سب ٹھیک ہو۔ زرناب کی زندگی میں اب کوئی دکھ نہ آئے۔''

کونے میں ڈاکٹر سے بات کرتے ہوئے قیس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔

اسپتال کے لیبر روم میں ایک اور نئی زندگی کی چیخ گونجی تھی۔

عجی ......مہر......اماں اور قیس دوڑ کر گئے تھے۔

ڈاکٹر جیتے جاگتے ہوئے لوتھڑے کے ساتھ باہر آئی تھیں۔ روتا چیختا ہوا گل گوتھنا سا سفید بچہ قیس نے دل سے لگالیا تھا۔

وہ اس کی اولاد تھی۔ وہ اس کا خون تھا۔

قیس اعجاز رو رہا تھا۔

شاید خوشی سے......

نہیں نہیں......شاید احساس جرم سے......

کون سا جرم؟ کیسا جرم؟

ڈاکٹر نے ان کی خوشی کو بار بار دیکھا تھا۔

"آپ کو بچے کی پیدائش مبارک ہو۔ مگر......افسوس......ہم بچے کی ماں کو نہیں بچا سکے۔"

بے جی اور زمان ملک نے عجی اور مہر کے کرلانے کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ دوڑ کر آئے تھے۔ زرناب زمان نہیں رہی تھی۔

زمان ملک ڈھے گیا تھا۔

وارث ہاتھ میں تھا۔ بیٹی کو موت نے جالیا تھا۔

وقت ظالم تھا۔ وقت جابر تھا۔

کاغذی کارروائی کے بعد میت وصول کرنے کے بعد اسپتال کے کوریڈور میں مہر، عجی اور اماں نے ڈاکٹر کو اسٹاف سے بات کرتے ہوئے سنا تھا۔

"ایسا لگتا ہے کہ شوہر کو بیوی سے محبت نہیں تھی۔ کیس بہت مشکل تھا۔ بچے یا ماں کی جان بچائی جاسکتی تھی مگر شوہر نے کہا کہ بچے کی ہی جان بچائی جائے۔ اس کے لیے اپنی اولاد ہی قیمتی ہے۔ کتنے برے ہوتے ہیں کچھ مرد۔ اولاد تو پھر بھی مل جائے گی مگر بیوی......

اور ہم عورتیں انہی مردوں کے لیے اپنی زندگی تک قربان کردیتی ہیں۔"

اماں کلثوم پر قیامت بیت گئی تھی۔ مہر نے دیوار کو تھام لیا تھا۔

عجی شاک میں تھی۔

قیس اعجاز نے زرناب زمان کی قربانی دے دی تھی۔

وہ جو اپنی اولاد کے لیے پر جوش تھی، اور زندگی کا سفر نئے سرے سے جینے کا ارادہ رکھتی تھی۔ وہ نہیں رہی تھی۔

مفاد پرست مرد نے زی کا بھی سودا کر دیا تھا۔

کستوری محلے کے سرسوں والے گھر میں ایک اور وارث جنم لے چکا تھا۔

ہائے ہائے زندگی......وائے وائے زندگی!

❁ ❁

آخری قسط نمبر 10

کستوری محلے پر حزن وملال امڈ آیا تھا۔ گلی کوچوں میں دم گھونٹنے والا سناٹا تھا۔ ڈیک بند تھے۔ سارا محلّہ سرسوں والے گھر کے صحن میں جمع تھا جہاں زرناب زمان کی میت رکھی تھی۔ وہ عجیب سکون سے سو رہی تھی چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ زندگی کی ساری جنگوں سے آزاد ہو چکی تھی۔

زمان نے قیس کو مخاطب کیا تھا۔

"میری خواہش ہے کہ میری بیٹی کا جنازہ میرے گھر سے اٹھے۔"

قیس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اس شخص کو دیکھا تھا۔ جو اپنی جوان بیٹی کی موت پر بڑھاپے کو پہنچ گیا تھا۔

"جیسے آپ کو بہتر لگے۔"

قیس کا لہجہ سرد اور سپاٹ سا تھا کہ جیسے مرنے والی کے ساتھ سارے رشتے بھی مر گئے تھے۔

وہ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے صحن میں گھوم رہا تھا۔ کتنی فکر تھی اسے اپنے خون کی۔ دور بیٹھی مہر اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

دل تو کیا تھا کہ پاس جا کر اس کا گریبان زور زور سے جھنجھوڑ کر رکھ دے اور سارے کستوری کے سامنے پوچھے۔

"یہ کیا کیا ہے تم نے خود غرض انسان۔ زی کی قربانی دے دی۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

عجی بھی کسی دیوار کے کونے سے لگی بیٹھی تھی۔

آنکھوں میں وحشت تھی۔

تب ہی اماں کلثوم نے کچھ لوگوں کو میت کے پاس جاتے ہوئے دیکھا جن میں زمان صاحب بھی موجود تھے۔ وہ دوڑ کر ان تک پہنچیں۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"میں نے قیس سے اجازت لے لی ہے۔"

وہ حیران نظر آتی تھیں۔ رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ دوپٹے کے پلو سے وہ بار بار آنسو پونچھتی تھیں۔

"کس بات کی اجازت......؟"

"یہی کہ میں اپنی بیٹی کی آخری رسومات اپنے گھر سے کروں گا۔"

وہ زمان کو وہیں روک کر قیس کی طرف بڑھیں۔ محلے کے لوگوں کی نظریں ادھر ہی تھیں۔

"حواسوں میں تو ہو تم؟ کیا کہا ہے تم نے زمان سے کہ زرناب کا جنازہ ان کے گھر سے اٹھے گا؟"

وہ لاپروائی سے سامنے کھڑا تھا۔

کلثوم کا جی چاہا تھا ایک زوردار تھپڑ سے اسے ہوش میں لائیں مگر بہت مشکل سے وہ اپنا غصہ پی گئی تھیں۔

"بے شرم انسان...... کچھ تو لحاظ رکھا ہوتا۔ بیٹیاں باپ کے گھر میں جنم لیتی ہیں مگر ان کے جنازے شوہروں کے گھروں سے اٹھتے ہیں۔ وہ ہمارے گھر کی عزت ہے۔ خبردار جو تم نے کچھ اور کہا بھی تو......"

قیس کو جھڑک کر وہ زمان کو روکنے پہنچ گئی تھیں۔

لٹی پٹی حالت میں زینت بھی وہیں پہنچ گئی تھیں۔ ایک ماں کے بین عرش ہلا گئے تھے۔

قیس کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ مسلسل روتا ہوا ننھا وجود سنبھالنے کو عجی آگے بڑھی تھی مگر دور چاندنیوں پر بیٹھی ہوئی مہر دوڑ کر ان کی طرف آئی تھی اور زرناب کے بیٹے کو قیس کی گود سے لے لیا تھا۔

عجی خالی ہاتھ لے کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

"تم انتظامات سنبھالو۔ ہم بچے کو دیکھ لیں گے۔"

وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

عجی کی نظریں بچے پر تھیں۔ وہی زرناب جیسی آنکھیں۔ زرناب جیسی رنگت...... اور وہی اداسی......

روتا بلکتا ہوا وہ ننھا وجود جیسے مہر سے راحت پا گیا تھا۔ مہر راحت تھی۔

''آج کے بعد تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔ سمجھیں۔''

مہر کی سرگوشی نے عجی کو عجیب سے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ مہر کی پہیلیاں پھر سے اس کی جان کو آ گئی تھیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم مہر؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا......؟''

''میرا دماغ ٹھیک ہے۔ تم بھی اپنا دماغ حاضر رکھو۔ جو اپنی بیوی کا سودا کر سکتا ہے وہ کسی کا بھی کر سکتا ہے۔ ایک بار تم نے بچے کو گود میں لے لیا تو پھر ساری زندگی یہی ذمہ داری نبھاتی رہ جاؤ گی۔ فیصلہ تم پر ہے۔''

عجی سیاہ پڑ گئی تھی۔

دور رومان اور زمان کے پاس کھڑے قیس کی طرف نظریں اٹھی تھیں۔

وہ لمحہ عجیب تھا۔ آگاہی کے کئی در وا کرتا ہوا سا۔

آنگن کے سرسوں پر خزاں تھی۔ الائچی کے پودے مرجھائے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے قدم پیچھے ہٹا رہی تھی۔ وہ مہر اور عجی سے الٹے پاؤں دور ہو گئی تھی۔

مہر بچے کے دودھ کا انتظام کرنے کے لیے اندر کہیں گم ہو گئی تھی۔ بہت سارے آنسوؤں اور اداسی کے ساتھ زرناب زمان عرف زی کو سپرد خاک کر دیا تھا۔ زمان واپس آ کر زینت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''مجھے معاف کر دینا زینت......''

زینت روتی رہی تھیں۔ بس روتی رہی تھیں۔ رونا عمر بھر کا تھا۔

"چلے جاؤ زمان۔ اب تم میرے لیے نامحرم ہو چکے ہو۔ اب میں غم بھلانے کے لیے تمہارے گلے بھی نہیں لگ سکتی۔" وہ واپس مڑ گئی تھیں۔

زمان کے ہاتھ جڑے رہ گئے تھے۔

بے جی بچے کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ انگوٹھا چوستا ہوا وہ ننھا سا وجود انہیں زرناب کی یاد دلا رہا تھا۔ زینت نے کلثوم کو دیکھا۔

"میں کبھی کبھی اپنے نواسے کو دیکھنے آسکتی ہوں نا؟"

کلثوم نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔

"آپ جب چاہیں آسکتی ہیں۔ زرناب کے جانے سے سارے رشتے ختم نہیں ہو گئے۔ آپ کبھی بھی آسکتی ہیں۔ اس گھر کے اور یہاں کے مکینوں کے دلوں کے دروازے ہمیشہ کھلے ملیں گے۔"

زینت بلکتی ہوئی لوٹ گئی تھیں۔

شام سے جب صحن میں اندھیرا اتر رہا تھا تو رومان نے قدم رکھا تھا۔ وہ اندر لاؤنج میں تخت پر پیر پسارے شال اوڑھے بیٹھی شام جیسی ہی لگ رہی تھی۔ اداس اداس...... وہ سامنے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ چپ چاپ...... دونوں کے مابین کچھ دیر خاموشی باتیں کرتی رہی تھی یہاں تک کہ شال اوڑھے بیٹھی عجی کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

"وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ کتنی خوش تھی وہ اپنی اولاد کے لیے۔"

رومان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ جوتے کی نوک سے وہ بس فرش کھرو نچتا رہ گیا تھا۔

"وہ بہت اچھی دوست تھی۔ زندگی کے بہت سارے پرابلمز سے اکیلے ہی لڑتی رہی۔ سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتی رہی سیشن ہوتے رہے۔ وہ کسی ڈپریشن میں تھی۔ خاص طور پر قیس سے شادی کے بعد۔ اس رشتے کے علاوہ بھی ہم اچھے دوست تھے۔"

عذرا بختیار سر ہلاتی رہی تھی۔ خالی ہتھیلیوں کو گھورتی رہی تھی۔

لاؤنج کی کھڑکیوں کے پار صحن کے زرد بلب روشن تھے۔

''تمہاری دوست تھی وہ۔ میں تب ہی تم سے تعزیت کرنے آیا ہوں۔ آج اتنا رش تھا کہ وقت نہیں مل سکا۔ اللہ اسے اگلے جہان میں خوش رکھے۔ آمین۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عجی کے ضبط ٹوٹ پھوٹ گئے۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ رومان کے دل پر جانے کیوں ہاتھ سا پڑا تھا۔ بہت کم وقت میں وہ عام سی لڑکی خاص ہوئی تھی۔ عجی کا رونا رومان کا دل نرم کر رہا تھا۔

''پلیز ڈونٹ...... میں جانتا ہوں کہ یہ غم بہت بڑا ہے مگر پھر بھی میں چاہوں گا کہ تم اپنا خیال رکھو۔ جانے والوں کو ہم روک نہیں سکتے۔ ہم صرف خود کو سنبھال سکتے ہیں بس۔''

عجی کے زور زور سے رونے پر مہر ننگے پاؤں دوڑ کر آئی تھی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر جیسے ٹھٹک گئی تھی۔

''آپ...... کب آئے؟''

''بس ابھی ابھی......''

کچھ لمحے پھر سے خاموشی کی نذر ہونے لگے۔ رومان نے سسکیاں بھرتی عجی کو دیکھ کر مہر کو اشارہ کیا تھا اور مہر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی تھی۔

''چلتا ہوں، رات ہو رہی ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔''

عجی نے آنسو دونوں ہاتھوں سے پونچھے تھے اور خود کو سنبھال لیا تھا۔

وہ تخت سے اتری۔ دوپٹا برابر کیا تھا۔

''چائے بناؤں؟''

''نہیں، چائے نہیں پیوں گا۔''

''سارا دن آپ بھی انتظام میں لگے رہے ہیں، تھک گئے ہوں گے۔ آپ کا بہت شکریہ۔''

تھکی تھکی وہ خود لگ رہی تھی۔ بھاری آنکھوں نے چہرے پر کئی رنگ بکھیرے ہوئے تھے۔

''شکریہ کی ضرورت نہیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکل گیا تھا۔

عجی پھر سے تخت پر گری تھی۔

''کہتی تھی وہ اپنے بیٹے کا نام ہادی رکھے گی۔ نام رکھ کر خود چلی گئی۔'' دونوں بہنیں گلے لگ کر روتی رہی تھیں۔

شام رات میں ڈھل گئی۔ رات نے کئی دن دیکھے۔

وقت کا کلاک چلتا رہا۔ وقت گزرتا رہا۔

کستوری محلے کی رونقیں جانے والوں کے سوگ میں کچھ دنوں تک خاموش رہی تھیں۔ اب پھر سے وہی ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ چھتوں پر کبوتروں کی ٹولیاں اترتیں۔ ڈیک اونچی آواز میں بجتا رہتا۔ عجی نے صحن میں گلاب کی قلمیں بونا شروع کر دی تھیں۔ گھر بھر میں ہادی کی آوازیں گونجتی تھیں۔ عجی بس دور سے ترستی نظروں سے اسے دیکھا کرتی تھی۔ اور وہ ہادی تو جیسے مہر بختیار کا دیوانہ تھا۔ مہر ذرا بھی ادھر ادھر ہوتی تو وہ قیامت اٹھا دیتا تھا۔ زمانے بھر کے لیے قہر ہو جانے والی مہر زرناب کے بیٹے ہادی کے لیے مہر تھی۔

مہر......یعنی محبت......!

☆......☆......☆

وہ ایک ٹھنڈی ٹھنڈی سی صبح تھی جب وہ اپنا بیگ سنبھالے دفتر کے لیے گھر سے نکل رہی تھی اور سیڑھیوں پر اسے قیس کے روکنے پر رکنا پڑا تھا۔

''سنو......!''

وہ سننے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے تھم سی گئی تھی کہ یہ وہ شخص تھا جو اسے اسٹیچو میں ڈھال کر بھول جاتا تھا۔

''بولو......کیا کوئی خاص بات ہے کیا؟''

ٹائی سیٹ کرتے ہوئے نک سک سا تیار شاید وہ بھی دفتر کے لیے ہی نکل رہا تھا۔ آسمان گدلا گدلا سا تھا۔ کافی دنوں سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ بہت ساری کثافتیں کستوری محلے کی فضاؤں میں بھی جمع ہو گئی تھیں۔

''خاص باتیں تم ہم سے کہاں کرتی ہو۔ وہ تو خاص لوگوں سے کرتی ہو اور ہم شاید اب تمہارے لیے خاص نہیں رہے۔''

کالے لباس میں ملبوس شال اوڑھے وہ پہلے والی عذرا بختیار سے کتنی مختلف سی نظر آتی تھی۔ قیس مشکل سے اپنی نظریں اس کی طرف اٹھنے سے روک رہا تھا۔

''تمہارے دل کو غلط فہمیاں بہت جلد گھیر لیتی ہیں قیس اعجاز۔ اور ہاں اس بار تم سچے ہو کہ اب میرے لیے خاص لوگوں کی تعریف بدل گئی ہے۔ وہ تم جیسے نہیں ہوتے۔ مطلبی، خودغرض...... جو کبھی جان لے لیتے ہیں۔''

وہ ترش ترش لہجہ جیسے قیس کو کاٹ گیا تھا۔ وہ انداز وہ الفاظ جیسے جلتے تندور سے نکلے تھے۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟''

وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ باہر دروازے پر دفتر کا ڈرائیور مسلسل ہارن بجا رہا تھا۔

''جس دن ہم نے کہنا شروع کر دیا ناں تو یاد رکھنا، تم کہیں کے نہیں رہو گے۔ ہم چپ ہیں تو شکر کرو کہ چپ رہیں ورنہ......''

شال برابر کرتی ہوئی وہ دروازہ پار کر گئی تھی۔ پیچھے کوئی بھینی بھینی سی خوشبو چھوڑ گئی تھی۔ وہ گہری سانسیں لیتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

دفتر پہنچ کر کام کی مصروفیت میں وہ لنچ کرنا ہی بھول گئی تھی اور جب بھوک کا احساس ہوا تو وہ ٹفن لے کر لفٹ کی طرف آ گئی تھی کہ کیفے پہنچ کر کھانا کھا سکے۔ اور جیسے ہی وہ لفٹ میں داخل ہوئی تھی ہمیشہ کی طرح وہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ ہشاش بشاش اور اپنی ازلی مسکراہٹ سمیت!

''کہاں کی تیاری ہے؟''

''آخری فلور......''

''کیوں......؟''

وہ صبح سے ہی چڑی ہوئی تھی، اوپر سے قیس سے ہونے والے ٹاکرے نے دماغ خراب کر کے

رکھ دیا تھا۔

''خودکشی کرنے جارہی ہوں۔''

وہ ٹھٹک گیا تھا۔ لفٹ کے شیشوں میں اس کے زچ ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ ہنسا۔

''بالکل نہیں...... بری بات ہوتی ہے۔''

آخری فلور پر وہ تپ کر باہر نکلی تھی تو وہ بھی پیچھے پیچھے آگیا تھا۔ اس کے سامنے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ بے چاری بار بار شال برابر کرتی رہ گئی تھی۔ پھر الجھ کر کینٹین کی طرف کھانا گرم کرنے چلی گئی تھی۔

وہ دور بیٹھا مسلسل اسے دیکھتے ہوئے اس کے ضبط کو آزماتا رہا تھا۔ جب تک وہ کھانا گرم کر کے لائی تھی، وہ دوبارہ سے شریف مؤدب بن کر بیٹھ گیا تھا۔

اشتہا انگیز مٹر پلاؤ کی خوشبو دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے آگے بڑھ کر دیکھنے لگا۔

''آج کھانے میں کیا ہے؟'' معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔

''کیا نظر آرہا ہے؟'' وہ اسے گھورنے پر مجبور ہوئی تھی۔ دفتر کا آس پاس بیٹھا ہوا اسٹاف شاید اب اس بات کی بھنک پا چکا تھا کہ ان کے درمیان باس ملازم کے علاوہ بھی کوئی شگفتہ سا رشتہ ضرور تھا۔

''دیکھنے میں تو لذیذ سا مٹر پلاؤ دکھائی دے رہا ہے۔'' معصوم انسان نے بہت زیادہ شریف ہو کر اور مسکراہٹ دبا کر معلومات پہنچائی تھیں۔

وہ اب جل بھن کر رائتے اور سلاد نکال رہی تھی۔ وہ بس دلچسپی سے اسے یہ سب کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کالے سیاہ لباس میں کاجل آنکھوں کے ساتھ وہ بار بار اپنی شال برابر کر رہی تھی۔

عجی نے چمچہ رومان کی طرف خاموشی سے بڑھا دیا تھا۔ وہ مزے سے مٹر پلاؤ سے لطف اندوز ہونے لگا تھا اور وہ سلاد کتر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ ایک چمچہ اسے دے کر خود ہاتھ سے مزے سے مٹر پلاؤ کھا رہی تھی۔ جیسے وہ گھر میں کھایا کرتی تھی۔ بغیر اردگرد کے لوگوں کی پروا کیے۔

رومان کستوری محلے کی اس عام سی لڑکی کی ان خاص عادات کی وجہ سے اسیر ہوا تھا۔ وہ آنکھوں میں جگنو لیے بس دیکھتا رہ گیا۔

''تم نے جواب نہیں دیا اور نہ ہی تمہارے گھر والوں نے؟''

وہ میز سے اپنی اتاری ہوئی انگوٹھیاں دوبارہ پہن رہی تھی۔

کھانا وہ کھا چکی تھی۔

کینٹین کا اسٹاف بھاپ اڑاتی ہوئی چائے ابھی رکھ کر گیا تھا۔

رومان بھی کرسی پر ٹیک لگائے پیچھے ہو کر آرام سے بیٹھ گیا تھا۔ اونچا لمبا قد...... پیشانی پر گرے ہوئے بال...... اور گھور سیاہ آنکھیں۔ عذرا بختیار بس نظریں چار ہونے سے بچا کرتی تھی۔

''کس سوال کا جواب......؟''

وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے جیسے ٹھٹکی تھی۔

''میرے پروپوزل کے بارے میں......''

دوسری طرف سے مکمل اطمینان وسکون کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔

عذرا گڑ بڑا گئی۔

''مجھے کیا پتا۔ اماں کو پتا ہو گا۔ اور ویسے بھی مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔''

گڑبڑاہٹ میں گرم چائے کا سپ منہ جلا گیا تھا۔ دل کیا سامنے والے کو کھری کھری سنا دے جو ہر بار ایک نئی الف لیلیٰ کے ساتھ حاضر ہو جایا کرتا تھا۔

''کبھی تو کرو گی ناں...... جب بھی کرنا بس مجھ سے ہی کرنا۔''

جگر جگر کرتی آنکھوں کے سامنے وہ ٹک نہیں پائی تھی۔ جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پیچھے پیچھے آیا تھا مگر تب تک لفٹ میں سوار عذرا بختیار نے اس کے منہ پر لفٹ کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

''بدتمیز......''

جان جلاتے ہوئے وہ باقی کا وقت دفتر میں مشکل سے گزار پائی تھی۔ جب وہ شام سے ذرا پہلے گھر پہنچی تھی تو سرسوں والے گھر میں دور دور تک سناٹے کا راج تھا۔ اماں بھی جانے کہاں تھیں۔ مہر کی تخریب کاریوں کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

وہ صحن کے بیچوں بیچ گہری سانس لیتی اندر کی طرف بڑھی تھی تو اسے جیسے ہادی کے رونے کی آواز آئی تھی۔ وہ آواز کے تعاقب میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی۔ سامنے ہی قیس کا کمرا تھا۔ کمرے میں زرناب کا خریدا ہوا سامان بکھرا پڑا تھا۔ جانے والی جا چکی تھی مگر اس کی نشانیاں جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔

سامنے بیڈ پر ہادی رو رہا تھا۔ شاید وہ ابھی نیند سے جاگا تھا۔

وہ ہولے ہولے چلتے ہوئے اس تک آئی تھی۔ عجی کو دیکھ کر ہادی جیسے تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوا تھا اور پھر رونے لگ گیا تھا۔

مہر کی غیر موجودگی میں عجی کو موقع مل گیا تھا اور اس نے آگے بڑھ کر ہادی کو خود سے لپٹا لیا تھا۔ عجیب سا سکون جسم و جان میں اتر گیا تھا۔ ہادی حیران حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ شدت سے اسے چومنے لگ جاتی تھی۔

ہادی کے ساتھ مصروف عذرا بختیار کو پتا بھی نہیں چلا تھا کہ کب قیس اعجاز دہلیز پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ عجی کی پیٹھ تھی۔ وہ عجی کو ہادی کو دیوانہ وار چومتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ دھیرے سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ نیچے صحن میں لگائی جانے والی گلاب کی قلموں پر گلاب آ گئے تھے تبھی ان کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے فضائیں مشک بار تھیں۔

”مجھ سے شادی کرو گی؟“

گلابوں کی خوشبو کافور ہو گئی۔ ہادی کو تھپکتی ہوئی عذرا عرف عجی پھر سے اسٹیچو بن گئی تھی۔

مہر کا خدشہ سچ ثابت ہو گیا تھا کہ جس دن وہ ہادی کو گلے لگائے گی یہ ذمہ داری اس کے گلے پڑ جائے گی۔ عجی کو شدت سے دفتر کے آخری فلور کی کینٹین پر بیٹھا ہوا شخص یاد آیا تھا۔

”میرے پروپوزل کے بارے میں کیا جواب ہے تمہارا؟“

آس پاس جیسے سوال خودرو جھاڑیوں کی طرح اگنے لگے تھے۔ دھیرے سے ہادی کو بیڈ پر لٹا کر وہ کمرے سے نکلنے لگی تھی۔

”میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کرو گی کیونکہ تم آج بھی

مجھ سے محبت کرتی ہو۔"

قیس اعجاز خوش فہم تھا۔ عذرا بختیار ڈول گئی تھی۔

پرانی محبتیں بھی پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ پچھل پائی کی طرح......

☆......☆......☆

بڑے شہر نے مصروفیات کی کئی بیڑیوں سے باندھ دیا تھا۔ وہ دن رات دلدار چچا کے ساتھ کام میں لگا رہتا تھا۔ حساب کتاب اتنا آسان بھی نہیں ہوتا تھا مگر وہ دن رات اپنا آپ بھلائے بس کسی دھن میں لگا رہتا تھا۔

مینا اور ٹنکو کبھی کبھی کستوری محلے کی کسی لڑکی مہر کا ذکر چھیڑ بیٹھتے تھے اور وہ مکمل نظر انداز کیے اماں کی گود میں سر رکھے لیٹا رہتا تھا جیسے وہ تو کسی مہر سے واقف ہی نہیں ہے۔

"آپ سچ میں مہر جی کو نہیں جانتے؟"

ٹنکو کے لیے بھائی کی یادداشت چلے جانے کا صدمہ بہت بڑا تھا۔

"ہاں بالکل......کون مہر......کہاں کی مہر......کیسی مہر......؟"

مینا اپنے اسکول کا یونیفارم استری کرتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا کرتی تھی۔

"افسوس......انھیں پتا چلے گا تو بہت ناراض ہوں گی۔"

ٹنکو کی سوئی اٹک جاتی تھی......

اماں بس ان تینوں کی یہ بحث دیکھ کر مسکرائے جاتی تھیں۔

"لیکن انھیں بتائے گا کون؟"

"کوئی تو بتا ہی دے گا کہ ہم نے انھیں بھلا دیا ہے۔"

"وہ نہیں ہوں گی کوئی ناراض شاراض......ویسے بھی وہ اتنی اچھی ہیں۔"

مینا پٹی کی کریزیں بنا رہی تھی......کافی مصروف سی دکھائی دیتی تھی۔

"اچھے لوگ بھی ناراض ہو جاتے ہیں ٹنکو......کبھی کبھی......"

بہن بھائی کی بحث ادھوری چھوڑ کر وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ دل میں بار بار ایک ہی بات چبھ رہی تھی کہ اگر اچھے لوگ بھی ناراض ہو جائیں تو؟

کچھ سوچ کر اس نے ایک فون نمبر ڈائل کیا تھا۔

دور کستوری محلے میں ہادی کے لیے دودھ ابالتی ہوئی مہر بختیار نے ان گنت سانسوں کے شور پر مشتمل وہ فون کال ریسیو کی تھی۔

"ارے بھائی بات کرنی ہے تو کرو...... ورنہ یہ گہری گہری سانسیں لے کر خوفزدہ مت کرو۔"

ابھی بات منہ میں تھی کہ ابلتا ہوا دودھ سنبھالتے ہوئے ہاتھ پر گرا تھا...... سسکی اور چیخ کی آواز صوتی لہروں کے سنگ اطلس تک پہنچی۔

"مہر جی! ٹھیک تو ہیں آپ؟"

سانس لفظوں میں ڈھلا...... جلتے دودھ کی تکلیف ٹھنڈی ہوتی گئی تھی۔

"نہیں ہوں ٹھیک......"

آنسو بے آواز گالوں پر بہنے لگے تھے...... وہ وہیں باورچی خانے کے فرش پر بیٹھ گئی تھی......

عجیب وغریب سا تعلق تھا...... درمیان میں آنے والی ساری باتیں ہوا میں تحلیل ہو گئیں...... کہ ایک کی تکلیف نے دوسرے کے دل کو جا لیا تھا۔

"کیا ہوا ہے...... کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"

"یہی دکھ ہے...... تمام دکھ ہے کہ کوئی کچھ کہہ کر نہیں گیا۔"

وہ رو رہی تھی...... وہیں فرش پر بیٹھے بیٹھے...... ہاتھ پر پھپھولا بن گیا تھا۔

دروازے سے چھن چھن کر زرد بلبوں کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

بڑے شہر کے آسمان تلے وہ شخص دھیرے سے مدت بعد مسکرایا تھا۔

"آپ تو خاموشیاں بھی پڑھ لیتی ہوں گی...... سوچا کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"گونگے جذبے پڑھنے کی ماہر نہیں ہوں میں...... غلط لگا تمہیں......"

''معاف کردیں گی؟''

وہ سرخ اینٹوں والے آنگن میں قدم رکھ رہا تھا...... کچھ فاصلے پر دلدار چچا اپنے حقّے کی گڑگڑ کے ساتھ بیٹھے تھے۔

''ایسے نہیں مل جاتیں معافیاں......'' وہ آنسو پونچھ رہی تھی۔

گیلے گیلے لفظ بڑے شہر تک پہنچ گئے تھے۔

''رو رہی ہیں آپ؟''

رونے والی نے مکرنے کی کوشش کی تھی۔

''رو نہیں رہی......بس رونا آتا جا رہا ہے۔''

دور بیٹھے دلدار چچا نے پہلی بار اطلس کے چہرے پر روشنیاں اترتے ہوئے دیکھی تھی...... چہرے کے ہر مسام سے جیسے خوشیاں پھوٹ رہی تھیں۔

''پھر بھی......مت روئیں مہر جی...... میرے دل کو کچھ کچھ ہو رہا ہے۔''

باورچی خانے کے فرش پر بیٹھی ہوئی وہ کستوری کی اپسرا اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی...... روشنی کے ذرات بکھر گئے تھے۔

''کب واپس آؤ گے؟''

وہ ہنسا تھا......وہ ہنستا گیا یہاں تک کہ آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

''ہنستے کیوں ہو؟''

''اس لیے ہنستا ہوں کہ دنیا بھر کی نظروں میں یہ سوال کتنا چھوٹا ہوگا اور میرے لیے یہ سوال کائنات جتنا بڑا ہو گیا ہے۔''

اب مہر بختیار کے ہنسنے کی باری تھی......وہ بھی دوسری طرف ہنستی رہی۔

''جب آپ بلائیں گی تو دوڑتا ہوا حاضر ہو جاؤں گا۔''

کمرے سے مینا اور ٹنکو باہر آئے تھے...... بھائی کی نقل و حرکت کو مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔

''یاد رکھنا...... بلاؤں گی ایک دن تمہیں...... اور اس دن تم نہ آئے تو سمجھ لینا کہ پھر مر گئے تم مہر کے لیے...... اور مہر تمہارے لیے......''

وہ دہل گیا...... وہ ڈر گیا...... ساتھ ساتھ پیلا بھی پڑ گیا۔

''اللہ نہ کرے......!''

فون کال ختم ہوئی تو سامنے مشکوک نظروں سے واسطہ پڑ گیا۔

''کس سے بات کر رہے تھے آپ؟''

ٹنکو تفتیشی افسر بن گیا تھا...... اور مینا جواب کی منتظر نظر آتی تھی۔

''ٹھیکے دار سے بات کر رہا تھا۔''

''اتنا ہنس ہنس کر اور مزے سے باتیں...... اور وہ بھی ٹھیکے دار سے...... اماں ٹھیک کہتی ہیں آپ جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کی پیشانی پر بل پڑتے ہیں۔''

اور وہ ان دونوں تفتیشی افسران سے پیشانی چھپا کر دلدار چچا کی طرف بھاگ گیا تھا۔ جو دھوئیں کے مرغولے اڑاتے خطرناک حد تک سنجیدہ نظر آتے تھے۔

''صلح صفائی ہوگئی پھر؟''

وہ ٹھٹک گیا تھا۔

''کس سے؟''

''ارے یار...... اسی سے...... جسے پیچھے چھوڑ کر آئے تھے۔''

اس بار واضح الفاظ پر وہ جھینپ کر رہ گیا تھا۔

''وہ مینا اور ٹنکو تو ایسے ہی آپ کو گمراہ کرتے رہتے ہیں...... ورنہ ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔'' اطلس نے صاف صاف مکرنے کی ٹھان لی تھی......

دلدار نے کش کھینچ کر خوب ہنسی اڑائی تھی۔

''ان دو معصوم انسانوں پر الزام مت لگاؤ...... تمہارے جسم کا ایک ایک پرزہ اس وقت چغلی کھا رہا ہے۔''

وہ جل بھن کر وہاں سے ناراض ناراض سا اٹھ گیا تھا۔
بڑے شہر کی بڑی سی رات اطلس کی حالت پر ہنستی رہی تھی۔

☆......☆......☆

سرسوں والے گھر میں اترنے والی وہ صبح ہرگز ہرگز بھی خوش گوار نہیں تھی۔
عجی اپنے دفتر کی تیاری کرنے میں مصروف نظر آتی تھی ساتھ ہی ساتھ وہ کئی دنوں سے گمشدہ ایک فائل بھی تلاش کر رہی تھی۔ مہر، ہادی کے ساتھ مصروف تھی اور دونوں کے قہقہے کبھی کبھی گھر میں گونج اٹھتے تھے۔ اماں کلثوم قیس کے سامنے بھاپ اٹھاتی چائے کا کپ اور پراٹھا رکھ رہی تھیں۔ جب قیس نے سنجیدگی سے سر اٹھا کر کلثوم کو مخاطب کیا تھا۔
"چچی......! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"
وہ سنبھل سنبھل کر بول رہا تھا۔ چائے کا کپ ہاتھ میں تھا۔ کلثوم منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"ہاں بولو......کیا بات ہے؟"
"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ ہادی کو ماں کی ضرورت ہے۔"
اندھیرے کمرے میں فائل ڈھونڈنے والی کی تلاش ختم ہوگئی تھی۔ وہ باہر کی طرف آ رہی تھی۔ مہر ہادی کو گدگدی کر رہی تھی۔
قیس کی بات پر کلثوم پہلے پہل حیران ہوئی تھیں پھر گہری سانس لے کر انہوں نے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔ جنہیں انہوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر مشقت سے پالا تھا۔
"ہاں......کرلو......جیسے تمہیں مناسب لگے۔ ویسے بھی اچھا کماتے ہو۔ گھر بار والے ہو۔ اور اب اتنے بڑے ہوگئے ہو کہ اپنے لیے فیصلے بھی کر سکتے ہو۔"
کلثوم یہ کہہ کر وہاں سے اٹھنے ہی لگی تھیں کہ مہر بھی ہادی کو لیے عجی کے ساتھ ساتھ باہر آئی تھی۔
"میں عذرا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
عذرا جیسے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اب وہ پھر سے کوئی مذاق

شروع کرنے والا ہے۔ ساری زندگی وہ اس گھر کے ساتھ مذاق مذاق ہی کھیلتا رہا ہے۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا اپنی ازلی سرشت سمیت......

اماں کلثوم کی نظریں عجی پر تھیں۔ اور اس کی ڈبڈبائی آنکھیں اماں کی طرف...... مہر نے گہری سانس لی۔ فٹ سے آگے بڑھی۔

"دیر کر دی ہے آپ نے۔ عجی کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ اگلے ماہ شادی ہے۔"

مہر کے لفظوں میں پتھر کوڑے تھے۔ نشانے پر لگے تھے۔ وہ تیزی سے اٹھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ کیا بکواس کر رہی ہو؟"

مہر بختیار نے یہ جنگ ہر صورت جیتنی تھی۔ اب اور نہیں۔ کبھی نہیں۔

"ٹھیک بکواس کر رہی ہوں۔ ہم نے عذرا کا رشتہ رومان سے طے کر دیا ہے۔ اگلے ماہ شادی ہے دونوں کی۔"

وہ شاک میں تھا۔ تیزی سے غراتا ہوا عجی کی طرف آیا۔

"کیا کہہ رہی ہے یہ۔ اوہ اچھا...... میں اب سمجھا۔ تو اسی لیے تم بھاگ بھاگ کر دفتر جاتی ہو۔ چکر چل رہا ہے ماں تمہارا اس امیر زادے کے ساتھ۔"

ہادی رونے لگا تھا۔ قیس چیخ رہا تھا۔ دھاڑ رہا تھا۔

"اب تو تمہارے لیے میدان صاف ہے۔ زرناب بھی نہیں رہی۔ جو تمہارا دل کرے گا کرتی پھرو گی۔ تمہیں گھر کے مرد کا ڈر جو نہیں ہے۔"

اماں خاموش کھڑی تھیں۔ کچھ دنوں سے وہ بہت ہلکی پڑ گئی تھیں۔ بات بات پر ان کا بلڈ پریشر اوپر نیچے ہو جایا کرتا تھا۔

شاید مائیں بوڑھی بھی ہو جاتی ہیں، بیمار بھی ہو جاتی ہیں مگر گھروں کی رونقیں برقرار رکھتی ہیں۔ اندر سے وہ خالی خالی ہو جاتی ہیں۔ تب ہی مہر بختیار کو بھنک لگ گئی تھی تبھی وہ میدان میں اتری تھی۔

"کون سا مرد...... جو اپنی بیوی کا سودا کرتا ہے۔ قربان کر دیتا ہے۔ صرف اپنی اولاد کے لیے۔

ہماری ماں نے بھی ساری زندگی یہی کیا ہے۔ تمہارے لیے ہماری خواہشوں کی قربانیاں دی ہیں۔ مگر اب اور نہیں۔ سمجھے...... اور تمہیں ہماری زندگی کے فیصلے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بہت ہواؤں میں اڑ رہی ہو تم ناں...... یاد رکھنا۔ یہ امیر زادے گھر نہیں بساتے۔ صرف رونق لگاتے ہیں۔ دیکھنا ایک دن ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دے گا۔''

یہ الفاظ اور آتش آتش لہجہ عذرا بختیار کے اندر کہیں دھواں بھر گیا تھا۔ وہ تیزی سے ان کی کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ سے باہر آئی تھی اور جیسے اڑتے ہوئے دفتر پہنچی تھی۔ ریسپشن کے پاس فش ایکوریم کے پاس وہ جلے پیر کی بلی کی طرح ٹہلتی رہی تھی۔ رومان ابھی تک دفتر نہیں پہنچا تھا۔ آنکھوں سے بس آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔ ٹشو پیپر...... استعمال...... کتنے گندے لفظ تھے۔

جب رومان نے دفتر میں قدم رکھا تھا وہ اسے سامنے ہی پریشان سی فش ایکوریم کے پاس نظر آئی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔ کاجل آنکھوں میں جانے کتنے سمندر روک کر کھڑی تھی۔

''از ایوری تھنگ او کے؟''

وہ بس سر ہلا سکی تھی۔ آنکھوں میں جمع سمندر بہہ گئے وہ اتنا سرو قد تھا کہ عجی کو سر اٹھا کر اسے دیکھنا پڑا تھا۔

''آپ نے...... آپ نے کہا تھا ناں کہ میں آپ کو اپنا اور اپنے گھر والوں کا جواب دوں۔''

''ہاں...... کہا تھا۔'' وہ غور سے...... توجہ سے...... حاضر ہو کر اسے سن رہا تھا۔

جیسے پوری کائنات میں اس کے لیے اس وقت صرف یہی اہم ہو۔

''آپ...... آپ اگلے ماہ مجھ سے شادی کر سکتے ہیں؟''

وہ کانپ رہی تھی۔ وہ لرز رہی تھی۔ فش ایکوریم میں بھاگتی دوڑتی مچھلیوں کی حرکت رک گئی تھی۔

وہ رومان کا جواب سننا چاہتی تھیں۔

''جب آپ کہیں گی...... جس وقت آپ چاہیں گی، رومان حاضر ہو جائے گا۔''

وہ ہنس دی۔ وہ روتے روتے ہنس دی۔

ایکوریم کی مچھلیاں بھاگنے دوڑنے لگی تھیں۔

عذرا بختیار کے دل نے غلط شخص پر بازی نہیں لگائی تھی۔

☆......☆......☆

کشمیرن بوا ہمیشہ کی طرح خراماں خراماں کستوری محلے کی گلیوں میں سے گزرتی ہوئی مہر بختیار کے گھر کی طرف رواں دواں تھیں۔ ٹوپی والا برقع پہنے اور پان کا لطف اٹھاتے ہوئے ان کے چہرے پر آج کروفر تھا۔ مہر کے گھر سے کچھ دوری پر تھیں جب انہوں نے سرسوں کے پھول والے گھر کو برقی قمقموں سے سجا ہوا دیکھا تو سمجھو ان کی روح ہی فنا ہو گئی تھی۔ وہ ہانپتی کانپتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھی تھیں۔ سامنے ہی کچھ ننگ دھڑنگ بچے اپنی رقص کی تیاری میں مصروف تھے تو انہی میں سے انہوں نے بڑے لڑکے کو جالیا جو ان کا سرغنہ دکھائی دیتا تھا۔

''یہ کلثوم کے گھر آج سج دھج کیوں نظر آ رہی ہے؟''

لڑکے نے کشمیرن سے بڑی مشکل سے اپنا کان چھڑوایا تھا۔

''ارے بوا۔ میرا کان چھوڑو۔ ابھی ٹوٹ کر گر جائے گا۔''

کھسیانی ہو کر وہ کان چھوڑنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ ایک تو کستوری کے ان شیطانوں سے کوئی بھی راز کی بات اگلوانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

''تو پھر بتاؤ ذرا......''

''آپ بھی ہر وقت سن گن لیتی رہتی ہیں۔ ارے بھئی۔ کلثوم چچی کی بیٹی کی شادی ہے۔'' بچے نے کشمیرن پر قیامت توڑی اور اپنے گینگ کے ساتھ رقص کرتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ کشمیرن مہر کے گھر کے صحن میں پہنچیں جہاں قناتیں لگی تھیں۔ کہیں پراتیں ڈھل رہی تھیں۔ ہنگامہ سا نظر آتا تھا۔ سارے میں غل غپاڑہ مچا ہوا تھا۔ گردن گھما کر انہوں نے کلثوم کو بمشکل ڈھونڈا تھا جو مصروف سی نظر آتی تھیں۔

''ارے بھئی کلثوم...... یہ تم نے کیا ناانصافی کر دی ہے۔ میں نے تو تمہاری اس نک چڑھی اور بد دماغ بیٹی کی ساری فرمائشیں بھی منوالی ہیں۔''

کلثوم نے سنبھل کر انہیں دیکھا تھا، جو آتے ہی تیز گام کی طرح شروع ہو گئی تھیں۔

''ارے ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ اصل میں میری بڑی بیٹی عذرا کی شادی ہے۔''

کلثوم کو نہیں پتا تھا کہ انہوں نے بہت سارے وزنی پہاڑ کشمیرن کے سینے سے سرکائے تھے۔

''بہت بہت مبارک ہو۔ ارے بھئی، منہ میٹھا کرواؤ میرا۔ میں بھی تمہارے لیے خوش خبری لائی ہوں۔''

گھاگھرا سنبھالے نک سک سے تیار مہر بختیار تک وہ خوش خبری کسی امرت کے رس کی طرح پہنچی تھی۔

''لڑکے نے لینٹر والا گھر بنالیا ہے۔ پندرہ تولہ سونا بھی جمع ہو گیا ہے۔ کپڑا لتا بھی پورا ہے۔ اور تو اور خشک میوے کی دو بوریاں بھی اسے منظور ہیں۔''

کلثوم حیران پریشان تھیں۔ کشمیرن خوش باش تھیں۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے چلو بعد میں بات ہو گی اس بارے میں۔ فی الحال جو سر پر ہے اس سے تو نمٹ لوں۔''

مہر گل بہار تھی۔ مہر باغ باغ تھی۔ وہ ہنستی گنگناتی ہوئی کمرے میں پہنچی تھی جہاں پارلر سے تیار ہو کر آئی عذرا بختیار بیٹھی ہوئی تھی۔ ہادی اس کی گود میں تھا اور اس کی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔

''اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم ہادی سے پیار کر سکتی ہو۔''

مہر نے اعلان کیا تھا کہ مل گئی آزادی...... اب چاہے جو کرو۔

عجی نے ہادی کی پیشانی اور آنکھیں چوم لی تھیں۔ دل بھر بھر آ رہا تھا۔ مہر سامنے بیٹھ گئی تھی۔ دونوں بہنیں آمنے سامنے تھیں۔

''رونا تو بند کر دو۔ سارا میک اپ بہہ جائے گا۔''

''میں کیا کروں مہر...... میرا دل بند ہو رہا ہے۔ بہت کچھ یاد آ رہا ہے۔ زرناب کی غیر موجودگی۔ قیس کا غصہ...... اماں کی بے بسی۔'' وہ لرز رہی تھی۔ جھمکا کہیں بالوں میں اٹک گیا تھا۔

مہر پیار سے جھمکے آزاد کرنے لگی۔

”کتنی بار کہا ہے تمہیں کہ تم جیسے لوگ بیماری سے نہیں، مروت سے مرتے ہیں۔ اپنی خوشی اور دل کی آواز کو پس پشت ڈال کر فیصلے کرو گی تو زندگی میں کبھی خوش نہیں رہو گی عجی...... اپنے دل کو اپنی آواز دو۔ کبھی کبھی ہمارے مقدر میں چاند ہوتا ہے تو چاند حاصل کرنے کے لیے کوشش کر لینی چاہیے۔“

ہادی عجی کے ہاتھوں پر سجی مہندی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ پھر کبھی کبھی عرق کی مہک سونگھنے لگ جاتا تھا۔

”اور دیکھو تو...... امیر زادہ بارات لے کر آ رہا ہے۔ اس کی محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ رشتے آسمانوں پر جڑتے ہیں لیکن زمین والے کوشش کریں تو مل جاتے ہیں۔ یہ نصیب کا کھیل ہے کہ کس کے ساتھ کون جڑ جائے۔ قیس زرناب کے نصیب میں تھا، اسی کے حصے میں آیا۔ اور تم رومان کے حصے میں۔“

عجی آنکھیں جھپک جھپک کر اپنی چھوٹی بہن کو تکتی رہی تھی۔ وہ عمر میں اس سے ضرور چھوٹی تھی مگر سمجھ سوچ میں شاید کہیں بہت آگے تھی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

دروازے کی دہلیز پر قیس کھڑا تھا۔ کسی ہارے سپاہی کی طرح۔ مہر کچھ سوچ کر ہادی کو لے کر وہاں سے کھسک گئی تھی۔ عذرا نے ٹشو سے آنکھیں صاف کرنی شروع کر دی تھیں۔ وہ ہولے ہولے چلتے ہوئے پاس آیا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ نظریں عجی پر اٹک گئی تھیں۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“

وہ چپ بیٹھی رہی تھی۔ ہتھیلیوں پر مہندی کے بیل بوٹے دیکھتی رہی تھی۔

”میرے دل کو بھی۔“

صحن میں کستوری محلے کی دوشیزائیں ماہیے ٹپے گا رہی تھیں۔ باہر بارات آنے کا شور اٹھ رہا تھا۔ پٹاخے اور انار جلنے لگے تھے۔ عجی کی ڈبڈبائی نظریں اٹھی تھیں۔

”برے لگ رہے ہو۔ مجھے بھی۔ میرے دل کو بھی۔“

”کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اس گھر کے صحن میں پھول اگانے والی کسی اور گھر کے باغ سجائے

گی۔ تمہیں دلہن بنا دیکھ رہا ہوں تو دل پر چوٹ پڑ رہی ہے۔ سانس رک رہی ہے۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ دیوار سے سر مارنے کو دل کر رہا ہے۔"

وہ جیسے سر پکڑے کھڑا تھا۔ میلے کپڑوں میں ملبوس وہ قابل رحم نظر آتا تھا۔

"کیسی محبت تھی تمہاری عذرا بختیار۔ دو دنوں میں ختم ہوگئی اور تم کسی اور کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی ہو۔" غصے بھری آواز میں آنسوؤں کا گیلا پن تھا۔ عذرا بختیار نے ان پچیس سالوں میں پہلی بار قیس اعجاز کو روتے دیکھا تھا۔

"بہت پہلے ایک نظم پڑھی تھی کہ محبت مر بھی سکتی ہے۔ تب وہ نظم پڑھ کر میں بہت ہنسی تھی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محبت مر جائے۔ محبت کو کہاں موت آسکتی ہے۔ موت تو انسانوں کے لیے ہوتی ہے۔ جیسے زی مر گئی۔ مگر پتا ہے اصل میں کیا بات ہے قیس؟"

وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ دلہن کے قیمتی بنارسی جوڑے میں وہ کستوری کی حسین ترین دلہن تھی۔ قیس کو سامنے کھڑی دلہن کے وجود سے اٹھتی خوشبو نے عجیب احساس زیاں سے نوازا تھا۔

"محبت مر جاتی ہے، جب یکطرفہ ہو تو...... عزت پر پھلتی پھولتی ہے محبت۔ محبت کے بھی سرسوں کی طرح کھیت ہوتے ہیں۔ جنہیں زمانے کے سرد و گرم سے بچانا پڑتا ہے۔ جہاں محبت کو مٹی راس نہ آئے تو مر جاتی ہے محبت۔ میں نے پھول اگائے ہیں قیس اعجاز۔ محبت اور پھولوں کی بڑھوتری اور نشو و نما کے لیے مٹی اور آب و ہوا بہت ضروری ہوتی ہے۔ تم سے محبت کی فصل میں صرف غرض کی مٹی اور بے عزتی کی آب و ہوا ہی شامل رہی ہے تو کیسے پھلتی پھولتی محبت۔ مرنا پڑا محبت کو...... اور...... اور پھر مر گئی محبت۔"

دلہن کی آواز ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئی۔ آنکھوں کا کاجل بہہ نکلا تھا۔

قیس کی گردن جھک گئی تھی۔ وہ فرش پر گرا تھا۔ قیس نے دونوں ہاتھ عجی کے پیروں پر رکھ دیے تھے۔

"میرے لیے...... میرے لیے...... خدا کے واسطے...... یہ بارات واپس بھیج دو۔ کر لو مجھ سے شادی۔ میں تمہیں خوش رکھوں گا۔ بہت خوش رکھوں گا۔"

بارات آ چکی تھی۔ کستوری محلہ اناروں سے روشن تھا۔ کیاریوں کے گلابوں کی قلمیں ٹوٹ گئی تھیں۔ کیاریوں کے سارے گلاب مہر بختیار نے توڑ کر گجروں کی صورت دلہن پر سجا دیے تھے۔

محبت پرانے مرض کی طرح چپکے سے لوٹ آتی ہے۔ بن بلائے۔ خاموشی سے۔ عذرا بختیار کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

تب ہی کلثوم کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

انہوں نے دلہن کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔

''نکاح خواں آ چکے ہیں۔ چلو میرے ساتھ۔''

قیس جھٹکے سے فرش سے کھڑا ہوا تھا۔ چہرے پر پاگل پن اور وحشت تھی۔

''چچی......عذرا کو یہ شادی منظور نہیں ہے۔ آپ بارات واپس بھیج دیں۔''

کلثوم نے بیٹی کے چہرے پر زلزلہ دیکھا تو......انہوں نے چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے عجی کو آگے بڑھایا۔

''بارات واپس نہیں جائے گی۔ افسوس......میں نے ایک سانپ کی پرورش کی ہے جو آخری لمحے میں بھی مجھے ڈسنے سے باز نہیں آیا۔ کاش تم بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی اسی حادثے میں مر جاتے۔''

دلہن دروازہ پار کر گئی تھی۔

باہر قبول ہے کی آواز کے ساتھ خوش گوار قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔

امیر زادہ اپنے وعدے کا پکا سچا اور کھرا نکلا تھا۔ وہ محبت کی فصل اگانے میں ماہر تھا۔

☆......☆......☆

کستوری محلے کے سرسوں والے گھر کے صحن میں ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، مگر آج اس ہوا میں بھی کوئی اجنبیت تھی۔ جیسے وہ بھی عذرا کے جانے کے غم میں بوجھل ہو۔ ویسا ہی بوجھل پن جو بیٹیوں کی رخصتی کے بعد فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

کلثوم برآمدے کی محراب کے ساتھ لگی چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ آنکھوں میں نمی تھی مگر ضبط کی دبیز تہہ

نے انہیں چمک میں بدل رکھا تھا۔ سامنے رکھی تپائی پر وہی کپ رکھا تھا جس میں عذرا ہمیشہ ان کے لیے قہوہ بناتی تھی...... کنارے پر ہلکی سی دراڑ...... اور اسی دراڑ میں جیسے پوری ماں کی تنہائی سمٹ آئی تھی۔

مہر خاموشی سے آنگن میں بیٹھی عذرا کی چیزیں لے کر بیٹھی تھی۔

"اماں......!" مہر نے آہستہ سے پکارا۔ "آپ چائے پی لیجیے نا...... تب سے رکھی ہے۔ ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

کلثوم بیگم نے نظر اٹھا کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

"عذرا کہتی تھی نا...... اماں، چائے ٹھنڈی ہو بھی جائے تو آپ کو پسند ہی آئے گی...... بس شرط یہ ہے کہ عذرا کے ہاتھ سے بنی ہوئی چائے ہونی چاہیے۔"

مہر کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"آپ نے دیکھا تھا جاتے جاتے بھی مجھے کتنی نصیحتیں کر کے گئی ہے۔ خاص طور پر اپنے پودوں کے بارے میں۔ ہم سے زیادہ تو انہیں اپنے گلاب، الائچی اور سورج مکھی عزیز ہیں۔"

کلثوم بیگم نے ایک لمبا سانس لیا اور آسمان کی طرف دیکھا جیسے وہاں کہیں عذرا کی پرچھائی ہو۔

"بڑی بیٹیاں بھی عجیب ہوتی ہیں مہر...... اپنے جانے کے بعد گھر کے ہر کونے میں اپنا آپ چھوڑ جاتی ہیں۔ دیکھو تو...... یہ آنگن...... یہ کمرا...... یہ چائے کا کپ...... سب میں عذرا ہی عذرا ہے۔"

ایک دم سے ان کی نظر دروازے کے پاس رکھے عذرا کے پرانے ٹرنک پر پڑی۔ وہی سبز رنگ کا لوہے کا صندوق جس میں وہ بچپن سے اپنی چیزیں سمیٹتی رہی تھی۔ اس پر ابھی تک اس کا ہاتھ سے چسپاں کیا ہوا کاغذ لگا تھا۔

کلثوم بیگم کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"دیکھو مہر...... وہ ٹرنک بھی ایسے رکھا ہے جیسے ابھی آ کر کہے گی امی، میری چیزوں کو ہاتھ نہ لگایئے گا۔"

مہر اٹھ کر ٹرنک کے پاس گئی۔ اس کو آہستہ سے چھوا۔

''کیا ہم اسے کھول کر دیکھیں؟ شاید کچھ...... کچھ اس کی خوشبو مل جائے۔''

کلثوم نے سر جھکا لیا۔

''ہاں...... دیکھ لو۔ شاید دل کو ذرا سہارا مل جائے۔''

مہر نے احتیاط سے ٹرنک کھولا۔ اوپر ہی عذرا کا نیلا دوپٹا رکھا تھا۔ وہی جسے پہن کر وہ پورے گھر میں اڑتی پھرتی تھی۔ دوپٹے سے اب بھی اس کے پسندیدہ صابن کی خوشبو آ رہی تھی۔ مہر نے اسے آنکھوں سے لگایا تھا۔

''لگتا ہے جیسے عجی ابھی بول پڑے گی...... میرا دوپٹا واپس کرو بدتمیز......''

کلثوم بیگم یہ منظر دیکھ نہ سکیں۔ انہوں نے رخ موڑ کر آنچل سے آنکھیں پونچھ لیں۔

''مہر...... بیٹیاں جب رخصت ہوتی ہیں نا...... تو ماں کا دل بھی ان کے ساتھ ہی رخصت ہو جاتا ہے۔''

برآمدے میں کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ وہ خاموشی جو گھروں میں پہلی بیٹی کے جانے کے بعد اترتی ہے۔ بھاری، گہری، اور ٹوٹتی نہ ہو......

آخر کار مہر نے پوچھا۔

''اماں...... کیا عجی وہاں خوش ہو گی؟''

کلثوم بیگم نے سر آہستگی سے ہلایا۔

''ہاں...... خوش ہو گی۔ وہ تو دوسروں کے لیے جینے والی بچی ہے۔ مگر......'' وہ رک گئیں۔

''مگر......؟'' مہر نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مگر اس کی ماں...... اور اس کا یہ گھر...... اس کے بغیر کیسے خوش رہیں گے؟'' ان کی آواز نم تھی، مگر لہجے میں ماں کی بے بسی چھپی تھی۔

مہر نے ٹرنک بند کر دیا اور آ کر اپنی ماں کے پاس بیٹھ گئی۔

''ہم دونوں مل کر یہ اداسی کاٹ لیں گے۔ عجی کہہ کر تو گئی تھی...... اماں کو اکیلا نہ چھوڑنا۔''

کلثوم بیگم نے بیٹی کا ہاتھ تھام لیا۔
''ہاں بیٹا...... مگر مجھے یوں لگتا ہے جیسے گھر میں رونق نہیں رہی۔''
دور کہیں محلے کی مسجد سے عشا کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔ دونوں ماں بیٹی نے چپ چاپ سنا۔ دلوں میں وہی ایک دعا لیے کہ جہاں بھی ہو، عذرا خوش رہے۔ اور یہ خالی گھر، اس کی یادوں سے کبھی خالی نہ ہو۔
سرسوں والے گھر کی فضا بھاری تھی۔ مگر اس میں عذرا کی ہنسی، اس کی خوشبو، اور اس کے قدموں کی پرچھائیں اب بھی ٹھہری ہوئی تھیں۔
محبت کی طرح......
جو رخصت ہونے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتی......
بس شکل بدل لیتی ہے۔
کچھ سیڑھیوں کے فاصلے پر قیس سر تھامے بیٹھا تھا۔
آج کی رات اس پر بھاری تھی۔ وقفے وقفے سے نیچے سے ہادی اور مہر کے ہنسنے کی آواز گونجتی تھی۔

☆......☆......☆

کمرے میں ہلکی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگے مدھم لیمپوں کے باعث ماحول میں ایک نرم سی جھجک، ایک عجیب سی مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔ وہ ایک شاندار ذوق رکھنے والے انسان کا کمرا تھا۔ عجی گھنٹے بھر سے یہی جائزہ لینے میں مصروف نظر آتی تھی۔ تب ہی باہر جیسے کھٹکا ہوا تھا تو اس نے جھٹ سے گردن جھکا لی تھی۔ دروازہ آہستہ سے کھلا۔ رومان ٹرے تھامے اندر آیا، بالکل ایسے جیسے سرجن آپریشن تھیٹر میں داخل ہوتا ہے۔ اتنے احتیاط سے کہ ذرا سا ہاتھ ہلا تو کپ چھلک جائے گا۔
''پہلی رات کی رسمی چائے حاضر ہے۔'' وہ بولا تھا لیکن کوشش کے باوجود سنجیدہ نہ رہ سکا۔
عذرا جو ابھی تک گھونگٹ سنبھالے بیٹھی تھی ہونٹ دبا کر ہنس دی۔
''اتنی احتیاط؟ چائے ہے؟ کوئی تاریخی دستاویز نہیں۔''

رومان قریب آ کر مزے سے بیٹھ گیا تھا۔ جیسے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آ رہا ہو۔

''یہ پہلی چائے ہے جو میں اپنی بیوی کے لیے بنا کر لایا ہوں۔ جذباتی اہمیت کچھ بھی ہو ٹڑے تو سیدھی پکڑنی ہی پڑے گی۔ ایک بات پوچھوں؟'' رومان نے چائے کا کپ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہمم......؟''

''یہ جیولری واقعی میں ایسی ہی ہوتی ہے۔ مطلب کہ اتنی زیادہ اور ہیوی......؟''

عذرا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر بے ساختہ ہنس دی۔

''کیوں......؟ بھاری لگ رہی ہے؟''

''لگ رہی ہے؟'' رومان نے دکھی چہرہ بنایا۔

عذرا نے ناراضی کا ناٹک کیا۔

''تو کیا اب آپ میری جیولری اتارنے میں مدد کریں گے یا مذاق ہی کرتے رہیں گے۔''

''جیولری......دونوں کام ایک ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔'' رومان نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ سے اس کے قریب ہوا۔ عذرا کی سانس لمحے بھر کو رک گئی مگر اگلے ہی لمحے رومان نے اس کے کان کے قریب آ کر سرگوشی کی۔

''لیکن خبردار......اگر کہیں پن چبھ گئی تو ذمہ داری آپ کی ہو گی......میری نہیں۔''

عذرا نے ہنستے ہوئے سر جھٹک دیا۔

''جی ہاں......بالکل......''

رومان نے آہستہ سے اس کے کان کی بالی پکڑی......اتنی احتیاط سے جیسے کوئی بم ناکارہ کر رہا ہو۔

''یہ بالی اتارنا آسان ہے......'' اس نے کہا تھا۔ ''لیکن یہ جو آپ نے آدھا کلومیٹر لمبا ہار پہنا ہوا ہے......اس کی ہدایات کہاں ہیں؟ یہ کیسے اترے گا؟''

''رومان......!'' عذرا نے اس کی کلائی پر ہلکا سا ہاتھ مارا۔ ''یہ شادی کا سیٹ ہے کسی مشین کا پرزہ نہیں......''

''پرزہ ہی لگ رہا ہے۔ اتنا کچھ......''

سامنے بیٹھا ہوا شخص بھی کیا چیز تھا۔ وہ بالکل ہی بھول بیٹھی تھی کہ وہ کسی نئی جگہ پر موجود ہے۔''

''اچھا بس...... میں خود اتار لیتی ہوں۔''

''ہرگز نہیں......!'' رومان نے نخرے سے کہا۔

''آج ڈیوٹی میری ہے۔ آپ آرام کریں، میں جیولری اتارنے کا اسپیشلسٹ بننے جا رہا ہوں۔''

وہ آہستہ آہستہ ایک ایک کڑی کھولنے لگا۔ عذرا کبھی ہنستی، کبھی گھبراتی...... کبھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہتی۔ جب ہار آدھا کھل چکا تو اچانک پن رومان کی انگلی میں چبھ گئی۔

''آہ......!'' وہ اچھل پڑا۔

عذرا نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''دکھائیں...... خون تو نہیں نکلا؟''

رومان نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''یہ زیورات خطرناک ہیں۔ اگلی شادی میں کہوں گا ہلکے پہننا۔''

عذرا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''اگلی شادی؟''

رومان نے فوراً ہاتھ اٹھا دیا۔

''ارے نہیں! میری اور آپ کی سلور جوبلی کی بات کر رہا تھا۔ خدا گواہ ہے غلط ارادہ نہیں تھا۔''

''آپ اتنے ڈرامائی کیوں ہیں؟''

رومان نے کندھے اچکائے۔

''کیونکہ آپ اتنی سنجیدہ ہیں کہ مجھے بیلنس رکھنا پڑتا ہے۔''

دونوں کے درمیان ہلکی سی خاموشی چھا گئی مگر یہ خاموشی بے تکلفی کی تھی...... وہ والی نہیں جس میں جھجک ہو، بلکہ وہ جس میں دل قریب آتے ہیں۔

رومان نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

عذرا نے کپ تھاما اور ایک گھونٹ لیا۔

''بالکل ٹھیک ہے۔''

''بالکل ٹھیک؟'' رومان خوش ہو گیا۔ ''تو مطلب میں چائے بنانے میں کامیاب؟''

''ہاں......'' عذرا نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے کہا تھا۔ ''چائے بنانا کون سا مشکل کام ہے؟''

''مشکل کام بھی سیکھ لوں گا۔ آج تو پہلا دن ہے ناں......''

وہ دونوں ڈھیروں باتیں کرتے رہے۔ ادھر ادھر کی، دنیا جہاں کی۔

رومان گردیزی کو پہلی بار پتا چلا تھا کہ وہ کسی کے سامنے اتنا زیادہ بھی بول سکتا ہے۔ اور کسی کو اتنا زیادہ بغیر ٹوکے سن بھی سکتا ہے۔

دونوں کی ہنسی کی آوازیں فضا میں گونج کر جلترنگ بجاتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

یخ بستہ جاڑے کے ٹھٹھرتے ہوئے دنوں میں کشمیرن پہلی بار کوئی خوشی کی خبر لائی تھیں کہ جس کے سنتے ہی مہر بختیار گیندے کے پھول کی طرح کھل گئی تھی۔ پردیسی اپنے دیس کو لوٹ آیا تھا۔ وہ بھی اپنی فرمائشیں پوری کرنے کے وعدے کے ساتھ...... اس کے گھر کی تعمیر بھی شروع ہو گئی تھی۔ کہنے والوں نے کہا تھا کہ اینٹیں ڈھونے والوں کے ساتھ وہ خود بھی دن رات کام میں لگا رہتا ہے۔

اماں تو یہ سن کر حیران ہوئی تھیں۔

''ارے بھئی...... جب مزدور محنت کرنے والے موجود ہیں تو خود کیوں ساتھ لگا رہتا ہے؟''

کشمیرن پاندان قبضے میں کیے سپاریاں ڈھونڈ رہی تھیں۔

''تم نہیں سمجھو گی کلثوم...... کچھ مرد مکان بناتے ہیں...... کچھ مرد گھر بناتے ہیں...... اور اطلس گھر بنانے والوں میں سے ہے۔''

مہر چراغ کے جن کی طرح چائے کے ساتھ بہت سارے لوازمات کے ساتھ حاضر ہوگئی تھی۔

کشمیرن نے قدرے پسندیدگی سے یہ اہتمام دیکھا تھا۔

''لگتا ہے کافی سدھر گئی ہے تمہاری لڑکی......''

کلثوم دھیرے سے ہنسی تھیں اور پیار سے سدھری ہوئی لڑکی کو دیکھا تھا۔

''ہاں کشمیرن......اللہ نے لڑکی ذات بنائی ہی ایسی ہے کہ وقت کے ساتھ حالات جدھر موڑیں مڑ جاتی ہیں......عجی کے بعد سارا گھر مہر نے ہی سنبھالا ہوا ہے۔''

گھر سنبھالنے والی کے قہقہے گھر میں گونجتے رہتے تھے۔

ہادی کے ساتھ مل کر اسے گدگدی کرتے ہوئے وہ قل قل ہنستی تھی۔

دفتر کی فائلوں میں الجھا ہوا قیس چونک سا جاتا تھا۔

پچھلے کچھ دنوں سے وہ کتنی اچھی سی ہوگئی تھی۔

بغیر کہے ادرک والی چائے بنا دیتی تھی......کپڑے استری کر کے الماری بھر دیتی تھی......بھرے ہوئے کریلے پکاتی تھی......کیاریوں میں گیندے کے پھول اگاتی تھی۔ایک دو بار قیس کے ساتھ بازار جا کر ہادی کی خریداری بھی کر آئی تھی۔اور تین چار بار تو پاپڑی چاٹ بھی فرمائشیں کر کے اس سے منگوا چکی تھی۔

ہادی کی ایک پکار پر ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے بھی قیس نے اسے دیکھا تھا۔اپنی اولاد کا خیال رکھتے ہوئے قیس اعجاز نے مہر بختیار کو دیکھا تھا اور دل خوش فہم نے پتا نہیں کیا کیا سوچ لیا تھا۔

دل کا کیا ہے؟ کبھی بھی......کچھ بھی سوچنے لگتا ہے......کہانیاں گھڑنے لگتا ہے......بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے......

دل کے اسی بہانے کو لے کر اتوار کے دن جب گھر میں عجی اور رومان کی دعوت رکھی گئی تھی تو قیس اماں کی خدمت میں حاضر ہوگیا تھا۔

اماں ڈھیر سارا سامان پھیلائے مصروف مصروف سی نظر آتی تھیں۔

اندر کہیں سے مینا اور ٹنکو کی وقفے وقفے سے آوازیں آتی تھیں جہاں وہ ہادی سے ملنے آئے ہوئے تھے اور اب اکثر و بیشتر وہ صرف ہادی سے ملاقات میں لالچ میں چکر لگاتے تھے۔

"اپنا دوپٹا مجھے دو...... ہادی کی ناک بہہ رہی ہے۔"

وہ دونوں مینا کے دوپٹے سے ہادی کی ناک صاف کرنے میں لگے تھے۔ دور بیٹھی مہر بس مسکراتی رہی تھی۔ وہ فون پر عجی سے گفتگو میں مصروف نظر آتی تھی۔

"کچھ بھی پہن لو مسز رومان...... اب تم پہلے والی غریب عجی نہیں رہیں کہ کنٹراسٹ ملانے کے لیے تمہیں کھپنا پڑے۔"

"دفع دور...... بہت بدتمیز ہوگئی ہو تم...... ایسی باتیں کیوں سوچتی رہتی ہو تم؟"

"اچھا کب آؤ گی؟ ہر بار تم دونوں یہی کرتے ہو عین کھانے کے وقت نازل ہوتے ہو...... مجھے اتنی باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

"رومان بہت مصروف ہوتے ہیں...... بس ان کی وجہ سے میں بھی گھن چکر بنی رہتی ہوں...... کوشش کروں گی آج جلدی آ جاؤں۔"

وہ دونوں کافی دیر باتیں کرتی رہی تھیں...... ہادی مینا کی گود میں سو گیا تھا۔ ٹنکو اسے تھپک رہا تھا...... فون بند کر کے اس نے ہادی کو گود میں لے لیا۔

"ہمارا گھر بن گیا ہے مہر جی......" ٹنکو نے اسے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"آپ دیکھنے کب آئیں گی؟"

مینا کو جواب جاننے کی جلدی تھی...... ٹنکو بھی منتظر سا بے تاب کھڑا تھا۔

"بہت جلد آؤں گی۔"

وہ تینوں سر جوڑے باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

ادھر اماں اور قیس چھوٹی چھوٹی باتوں میں مصروف تھے۔ اسی دوران یو دینے اور دھنیے کا ڈھیر وہ

صاف کر چکا تھا۔

تبھی اس نے سر اٹھایا تھا۔

”چچی! آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“

چاول چنتی ہوئی کلثوم نے سر اٹھایا تھا......دوپہر کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔

”آپ نے مہر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“

پرات میں چلتا ہوا ان کا ہاتھ تھوڑی دیر کے لیے تھم سا گیا تھا۔

”کیا مطلب؟ کیا سوچا ہے......میں سمجھی نہیں۔“

وہ ایک پل کے لیے جیسے گڑبڑایا تھا......جیسے سوال کرنے کا مناسب وقت تھا بھی یا نہیں مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

”میرا مطلب ہے مہر کی شادی کا......عجی کی ذمہ داری تو ادا ہو چکی ہے۔“

کلثوم نے گہری سانس لے کر پرات میں دوبارہ ہاتھ چلاتے ہوئے کنکر ڈھونڈنا شروع کر دیے تھے۔

”ایک دو اچھے رشتے نظر میں ہیں......جیسے ہی کوئی سبب بنتا ہے تو اس کا فرض بھی ادا ہو جائے گا۔“

قیس ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا......چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”آپ کو اس بارے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں......آپ چاہیں تو گھر کی بات گھر میں ہی نمٹ جائے گی......مہر آپ کی آنکھوں کے سامنے ہی رہے گی......مہر کے لیے......اس گھر کے لیے......ہادی کے لیے......یہ ایک بہترین فیصلہ ہوگا......آپ مہر سے بات کریں......میں اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ امید ہے اس بار آپ مجھے انکار نہیں کریں گی۔“

چاولوں میں ہی کنکر نہیں ہوتے......رشتوں میں بھی ہوتے ہیں۔

قیس سرسوں والے گھر کے مکینوں کے لیے کنکر تھا۔

پیشانی پر لگنے والا......زخمی کر دینے والا......

کلثوم کی زندگی میں گھاٹے کے سودے ہی آئے تھے۔

وہ ایک دم اکیلی پڑ گئی تھیں......

جاڑے کی ٹھٹھرتی ہوئی یخ بستگی نے سیدھا کلثوم پر وار کیا تھا......

جنم دینے والی......

پالنے والی......

کون سا فرض پورا تھا......

کون سی ذمہ داریاں ادھوری تھیں؟

☆......☆......☆

''قیس مہر سے شادی کرنا چاہتا ہے۔اس گھر کو مہر کی ضرورت ہے۔قیس کی زندگی کا خلا بھی پر ہو جائے گا۔اور ہادی کے لیے بھی ماں کی کمی نہیں ہوگی۔''

دعوت کے بعد رومان عجی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اماں اب عجی کو گھیرے میں لے کر بیٹھ گئی تھیں کہ وہ مہر کو سمجھائے۔

عجی نے اماں کو اچنبھے سے دیکھا۔

''اماں......وہ نہیں مانے گی۔اور ویسے بھی ہم جانتے ہیں کہ مہر کا دل کہاں پر اٹکا ہے۔اور اطلس میں بھی خامی نہیں ہے۔''

کلثوم نے عجی کا ہاتھ پرے ہٹایا تھا۔

''ارے چھوڑو اسے......سارا محلہ واقف ہے کہ وہ لوفر آوارہ کس مزاج کا ہے۔قیس تو اپنا بچہ ہے۔دیکھا بھالا ہے۔میں نے پالا ہے اسے۔''

عجی نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا تھا۔

''کون سی تربیت......؟ کیسی تربیت اماں؟ اس نے اب تک جو کیا ہے ناں، وہ ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔''

"ارے چھوڑو وہ سب باتیں۔ ابھی تم مہر سے بات کرو۔ اسے یہ بات ماننی ہی ہوگی ورنہ...... حالات کی ذمہ دار وہ خود ہوگی۔"

بہت دور سے لڑتے جھگڑتے ہوئے آوارہ کتوں کے جھنڈ کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ سستی سے اکتائے ہوئے جھینگروں کے راگ بھی موسیقی کا کوئی انوکھا سر ایجاد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسے میں کڑ کڑ کرتا ہوا وہ پرانا لوہے کا ٹرنک کھٹ سے کھلا تھا۔ مہر نے ذرا کی ذرا آنکھ بھر کر عجی کی طرف دیکھا جو بے یقینی کے عالم میں اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

ٹرنک کیا تھا کوئی قدیم بوسیدہ ماضی کا باب تھا جو کھلا تھا تو چاروں طرف گرد کا غبار پھیل گیا تھا۔ مہر نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور عجی نے ناک کی چونچ پر اپنا دوپٹا ڈال کر خود کو بمشکل دمہ ہونے سے بچایا تھا۔

"اماں! کیا ضرورت ہے بھلا یوں اس ٹرنک نما شے کو کھولنے کی......! دیکھیں تو لوہے کے اتنے کڑاکے نکل رہے ہیں کہ جھینگر بھی ڈر کے مارے چپ ہو گئے ہیں۔"

عجی نے اکتا کر جیسے اماں کو روکنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے کتے بھی خوف زدہ ہو گئے ہیں، آواز دبا کر بیٹھ گئے ہیں۔"

مہر نے بھی زبان کو ہلایا تھا کہ شاید اس طرح اماں اپنا ارادہ ترک کر کے باز آ جائیں۔ مگر وہ کلثوم اماں تھیں۔ مہر اور عذرا کی ماں......! صرف ان دونوں کی بھی نہیں......وہ تو......وہ تو!

خیر......خیر......یہ ذکر پھر سہی......!

ٹرنک کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اب ایک ایک کر کے اماں چیزیں نکال نکال کر اپنے کرنکل جارجٹ کے دوپٹے سے صاف کرتی جا رہی تھیں۔ چوہوں کا ادھ کھایا ہوا وہ ریشمی رومال، گھسے اور مٹے ہوئے ربڑ کے چند ٹکڑے، گریفائٹ کی پنسل کے ٹوٹے، سوکھی ہوئی دوات کی چند پچکی ہوئی ڈبیاں، ڈالر کے پین کی نبیں، پرکار کے ٹوٹے ہوئے دندانے اور بھی بہت کچھ......

مہر اور عجی کی آنکھیں پھر سے چار ہو گئی تھیں۔

سرسوں کے پھولوں والے اس گھر کی بڑی بیٹی کا چہرہ پہلی بار زرد نہیں ہوا تھا۔

مہر نے پلکیں جھپکائی تھیں۔

"ٹھیک تو ہو تم عجی؟"

"ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ چاہو تو نبض دیکھ لو میری۔" اگلی نے بازو آگے کر دیا۔

سامنے بیٹھی ہوئی مہر کا ماضی بھی کڑ کڑ کرتے ہوئے ٹرنک کی طرح ابل پڑا تھا۔

"نبض ٹھیک ہے۔ درست رفتار سے چل رہی ہے۔"

آنکھوں کے چھپر بھیگنے لگے تھے۔ باہر جھینگر راگ دھیمے سروں سے بجنے لگا تھا۔

کلثوم اماں نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا۔ منت اور ترلے کے آٹے سے گوندھی ہوئی نظر تھی۔ اور روٹی پکانے والیاں دونوں سامنے بیٹھی تھیں۔

"تم دونوں کی گڑیا اور پٹولے میں نے کبھی سینت سینت کر نہیں رکھے۔ سنبھال کر نہیں رکھے۔ مگر ادھر دیکھو اس کی ایک ایک چیز میں نے رکھی ہوئی ہے۔ دنیا منہ پھٹ ہے جو بھی کہتی رہے مگر تم دونوں اسے کچھ نہ کہا کرو۔ میرے دل پر چوٹ پڑتی ہے۔ وہ اس گھر کا اکلوتا مرد ہے۔" کلثوم اماں کرنکل کا دوپٹا منہ پر ڈال کر پھپک پھپک کر رو دی تھیں۔

دنیا میں سچ کی علمبردار مہر نے اماں کی تصحیح ضروری سمجھی تھی۔

"بے فکر ہو جائیں اماں، اب وہ اس گھر کا اکلوتا مرد نہیں رہا۔"

عجی نے سسکی لی تھی۔ اماں خالی خالی آنکھوں کے ساتھ دیکھے گئیں۔ مہر نے قہر بن کر وہ رات ان کے وجود پر دے ماری تھی۔

"ہمیشہ آپ کو یہی کہتی رہی اماں کہ آپ کے نصیب میں صرف بیٹیوں کے سکھ ہیں۔ جس پر جان نچھاور کرتی رہتی ہیں وہ آپ کے لیے کبھی سکھ نہیں بنے گا۔ مگر نہیں یہ اختلافی نقطہ ہمیشہ میرے اور آپ کے تعلق کو ہی زنگ لگا گیا جیسے اس ٹرنک کو لگ چکا ہے۔"

اماں عجی کی طرف لپکی تھیں۔ جو دیوار سے لگی تھی۔

"صبح کب ہوگی اماں...... میں دن نکلتے ہی چلی جاؤں گی۔"

مہر کو زور سے ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ وہیں ٹھنڈے فرش پر لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔

''اے لو...... ایسے حالوں میں کون چھوڑ کر جاتا ہے بھلا اپنے محبوب کو۔ دنیا گواہ ہے تمہارے دل کے جذبات کی۔ سب جانتے ہیں تمہارے دل کی پیتا...... سب کو خبر ہے کہ عذرا عرف عجی قیس سے عشق کرتی تھی۔ اور وہ بدتمیز عاشق سب پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ مفاد پرست، خودغرض......''

''ہائے ہائے......!'' اماں دہل گئی تھیں۔

عذرا نے مہر کی چوٹی پکڑ لی۔

''خبردار، خبردار جو دوبارہ اپنے منہ سے یہ بات نکالی تو، ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟''

''چٹیا کاٹ کر نہر میں ڈال دوں گی تمہاری۔''

''کون سی نہر......؟ وہ گندا نالہ......؟ ہائے ہائے وہ تو بہت ہی برا ہے، بدبودار......''

اماں نے سارا معاملہ ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھا تو عجی کو دھر لیا۔ بازو سے پکڑ لیا تھا۔

''تو کہہ ناں مہر سے میری بات مان لے۔''

مہر کی آنکھیں جیسے خون رنگ ہو گئی تھیں۔

''تمہاری بات مانوں یا اس کی بات مانوں...... پہلے یہ تو بتاؤ کہ آخر بات کس کی ہے۔ سچ کہوں تو اماں، مجھ سے امید نہ رکھنا، میں کسی وعدے کی زنجیر میں ہوں۔''

عجی کو اچنبھا ہوا تھا۔ رات گدلی کھڑکیوں سے چھپ کر سننے آگئی تھی۔

مہر کو جی بھر کر لاج نے جھنجھوڑ ڈالا۔

''کون سا وعدہ...... کس کا وعدہ......؟''

چھپن چھپائی کا کھیل تھا کیا؟

اماں کو لگا وہ آج جی جان سے شکست کھا گئی ہیں۔ اصل میں تو یہ ہار کسی اور کی تھی۔ ہاں ہاں...... یہ ہار تو کڑ کڑ کرتے ٹرنک میں لپسے انسان کی تھی۔ جوان تین عورتوں سے بارہ سیڑھیوں کے فاصلے پر تھا۔

بارہ مطلب درجن بھر سیڑھیاں...... وہ تینوں عورتیں ان سیڑھیوں سے نظر چرا رہی تھیں۔ کبھی کبھار نظر ادھر کو پلٹ جاتی تھی۔

اماں نے ہاتھ جوڑ کر مہر کے آگے کر دیے تھے۔

''مان لے میری بات...... ورنہ دودھ معاف نہیں کروں گی تجھے۔''

اماں کا روٹھا روٹھا انداز اور عجی کی سوالیہ نظریں سمجھو تو مہر پارہ پارہ ہوگئی تھی۔

''تم سے کہا تھا نا عجی ...... یاد کرو۔ ذرا یاد تو کرو، وہ جب ایک دوپہر میں نے تم سے کہا تھا کہ مائیں جذباتی ہوں تو اولاد کو ایموشنل نہیں ہونا چاہیے ورنہ...... ورنہ مائیں بلیک میل کرنے لگتی ہیں۔''

سناٹا گہرا اور گہرا ہوتا گیا۔ تب ہی درجن بھر سیڑھیوں سے ایک ننھے بچے کی آواز سنائی دینے لگی۔

آہستہ آہستہ...... پھر تیز...... اور تیز......

مہر نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ عذرا نے دیوار سنبھال لی تھی اور اماں نے کرنکل کا دوپٹا کانوں کے پیچھے اڑسا تھا۔

''سمجھاؤ ناں عجی اسے...... دیکھو تو ذرا، بچہ رو رہا ہے۔ کیسے سنبھال رہا ہوگا وہ اسے۔ یہ غصے میں ہادی کو اوپر ہی چھوڑ آئی ہے۔''

مہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھاگرے کی چنٹیں ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ بجلی شام سے ہی غائب تھی۔ پورے کمرے میں جلتی ہوئی اکیلی موم بتی پگھلنے کو تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی وہ کلثوم کے پاس آکر رک سی گئی تھی۔

''اماں......! کیوں ہو ایسی تم...... مٹی کے مادھو جیسی...... دیوی جیسی کہ سب کچھ دان عام کر دو۔ تم نے بھی تو پالی ہے ناں پرائی اولاد، پرایا خون۔ یہ بچہ تو اس کا اپنا ہے، وہ کیوں نہیں پال سکتا اسے۔ باپ ہے اس کا۔ یاد کر لے ناں لوری اور جب جب بچہ روئے تمہاری طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر لوریاں کانوں میں انڈیلتا رہے۔''

اب عجی کے بت میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ بھی کھسک کر پاس آئی۔

"یادداشت کمزور ہے اس کی مہر، بھول جانے کی بیماری ہے اسے۔ جو میرا عشق بھول سکتا ہے، وہ کیا لوری یاد کرے گا۔ دو کا پہاڑا تھوڑی ہے کہ رٹا لگائے گا۔ لوریاں تو محبت سے یاد ہوتی ہیں مہر...... دل سے نکلتی ہیں۔"

رات گم صم تھی۔ لمحے دم بخود تھے۔ اور وہ تینوں ساکت...... فضا میں ایک لوری کی آواز گونجنے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے...... سرعت سے۔

لوری سے شام ہوتی تھی۔ لوری سے رات گزر جاتی تھی۔ آج لوری کی آواز سے مشرق سے دن نکل رہا تھا۔ سورج نے کرنیں پھینکنا شروع کر دی تھیں۔

الھڑ بلھڑ باوے دا
باوا کنک لے آوے گا
بی بی بہہ کے چھٹے گی
سو روپیہ وٹے گی
اک روپیہ کھوٹا
اوہدا لیاندا لوٹا
لوٹے وچ پانی
ماں میری رانی
پیو میرا راجا
سونے دا دروازہ
چاندی دیاں توڑیاں
ستے بھیناں گوریاں
اک بھین کالی
اوہی کرماں والی

اماں کلثوم کی لوری کی آواز بارہ سیڑھیوں کو پار کر کے پہنچ گئی تھی۔ بچے کی آواز گم ہو گئی تھی۔ عجی اور مہر لکڑی کے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ اماں ٹرنک بند کرنے میں لگی تھیں۔ کڑ کڑ کرتا ہوا ٹرنک اس بار خاموشی سے بند ہوا تھا۔ مہر حیرت میں تھی۔

''یہ ٹرنک کی آواز کیسے......؟''

عذرا نے ہنس کر کہا تھا۔

''اماں کی لوری کا اثر ہو گیا ہے۔''

اماں سکون سے ٹرنک جگہ پر کھسکا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''افسوس میری اپنی سگی اولاد پر میری لوریاں فیل ہو گئیں۔'' کلثوم جارجٹ لہراتی نکل گئی تھیں۔

مہر ششدر رہ گئی تھی۔

''فیل بول کر گئی ہیں ناں......؟ میں نے غلط تو نہیں سنا۔''

عجی نے اپنی چادر کو سر پر جمایا جیسے کہیں ضروری کام سے جانا ہو۔

''ہاں...... تمہیں فیل کر کے گئی ہیں۔''

عذرا بھی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مطلب دونوں امیدوار مقابلے سے باہر تھے۔ سب کی آنکھیں مہر پر تھیں۔ جو مہر تھی مگر قیس کے بقول ''قہر'' تھی۔

کون جانے...... کس کو خبر......!

گھر کے آنگن میں لگی سرسوں کے پیلے پھولوں والی کیاریوں کو یہ راز پتا تھا کہ وہ...... یعنی کہ وہ...... ہاں...... وہی وہی...... مہر تھی۔ محبت تھی، برکھا تھی۔ پورے کا پورا ساون تھی۔

سب نے قیس کا رونا رویا تھا کہ ''قیس جنگل میں اکیلا ہے۔''

کسی نے مہر بختیار کو دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ اماں کلثوم نے بھی نہیں...... عذرا بختیار نے بھی نہیں......!

☆......☆......☆

ہر طرف ہلچل اور گہما گہمی تھی۔ کلثوم کے ہزار بار کہنے کے باوجود بھی مہر اپنی بات سے ایک انچ بھی نہیں ہٹی تھی۔ اس نے اماں کی وکیل بن کر آنے والی عجی کو بھی خوب کھری کھری سنائی تھیں۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم بھی اماں اور قیس کی باتوں میں آ جاؤ گی۔ تم چاہتی ہو میں اس شخص سے شادی کرلوں جو ساری زندگی ہماری خوشیاں چھینتا ہوا آیا ہے اور اس کے لیے رشتوں کی کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ وہ تو بس نفع اور نقصان کا ترازو لے کر گھوم رہا ہے۔“

جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

آنکھوں میں ایک نمی ٹھہر گئی تھی۔

”ذرا دیکھو تو...... بچپن میں ہم اس کا نک نیم سوچا کرتے تھے مگر کبھی کامیابی نہیں ملی۔ مگر آج دیکھ لو۔ قیس عرف ترازو کیسا رہے گا۔ سچ کہہ رہی ہوں ہمیشہ اس نے اپنا نفع دیکھا ہے۔ پہلے زرناب کی صورت میں۔ پھر تمہیں گھیرنے کی کوشش کی اور اب میرے پیچھے پڑا ہے۔ ذرا دیکھو تو یہ جرأت اس کی۔ دل چاہ رہا ہے بتیس میں سے سولہ دانت توڑ کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دوں۔“

مہر کے خطرناک ارادوں پر عجی گھبرا گئی تھی۔

”آواز نیچی رکھو۔ گھر میں مہمان جمع ہیں کوئی کیا کہے گا۔ اور ویسے بھی تمہیں کیا خوشی مل رہی ہے۔ اس اطلس سے رشتہ جوڑنے میں۔ زمین آسمان کا فرق ہے اس میں اور قیس میں۔“

مہر بہن کے پاس آئی تھی۔ عجی کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

”فرق تو ہے۔ زمین آسمان کا۔ جا کر ذرا دیکھو اس کے ہاتھ کے چھالے۔ مرد محنت کرتا ہوا، قربانیاں دیتا ہوا اچھا لگتا ہے عجی...... اور عورت کو چاہیے ہی کیا ہوتا ہے۔ جس نے میرے لیے اپنے دن رات مشقت میں کاٹے ہیں، تم چاہتی ہو میں اسے خالی ہاتھ لوٹا دوں...... ناں عذرا بختیار ناں......!“

دھیرے سے کہہ کر مہر اب اپنی شادی کا جوڑا نکال رہی تھی۔ وہ پارلر کے لیے لیٹ ہو رہی تھی۔ دونوں اس بات سے لاعلم تھیں کہ کمرے کے اس پار قیس یہ ساری گفتگو سن چکا تھا اور یہ سب سننے کے بعد وہ کیا کرنے والا تھا یہ تو کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔

عذرا نے بہن کو آگے بڑھ کر گلے لگایا تھا اور آنکھوں میں نمی لے کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

”کس مٹی سے بنی ہو تم مہر...... میں کبھی بھی تمہارے جیسی نہیں بن سکتی۔ شاید میں کبھی بھی اپنے لیے کوئی فیصلہ نہ لے پاؤں۔ بہترین طرزِ زندگی گزارنے کا ہنر شاید تم جیسے لوگوں کو ہی آتا ہے۔“

وہ دونوں پارلر جانے کے لیے سامان پیک کرنے میں لگ گئی تھیں۔ آسمان بادلوں سے اٹا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے فضا میں ڈھول تاشوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کستوری محلے میں خوب رونق تھی۔

قیس تلملاتا ہوا اطلس کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں کسی کام میں مصروف اطلس کو اس نے گریبان سے پکڑ لیا تھا۔ قیس کے چہرے پر غضب تھا۔

”کیا سمجھتے ہو تم؟ اتنا آسان ہوگا تمہارے لیے مہر سے شادی کرنا۔ دو کوڑی کے انسان ہو تم۔ اپنی اوقات بھول بیٹھے ہو۔ کستوری کے غنڈے ہو۔ غنڈے بن کر رہو، مجنوں بننے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ تم جانتے ہو ماضی میں مجنوں کا کیا حال ہوا تھا۔

میں جانتا ہوں مہر بے وقوف ہے۔ تم نے اسے اپنے جال میں پھنسایا ہے۔ مگر اب اور نہیں۔ آج یہ بارات ہمارے گھر کی دہلیز پر نہیں آنی چاہیے۔ یاد رکھنا تم آج بھی وہی کستوری کے آوارہ، لوفر انسان ہو۔ اور میں تم جیسے لوگوں کو خوب جانتا ہوں جو بڑے شہروں میں جا کر چوری چکاری کر کے یہ دولت اکٹھی کر لیتے ہیں۔“

کتنی عجیب دنیا ہوتی ہے انسانوں کی۔ دنیا کے کم ظرف لوگوں میں سچے دل کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوتی۔ ماضی پلٹ کر بار بار آپ کے منہ پر دے مارتے ہیں۔ قیس نے بھی یہی کیا تھا۔ اطلس کا ماضی اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ وہ اطلس کے چہرے سے خوشی نوچنے آیا تھا۔

قیس نے آگے بڑھ کر اطلس کے سینے پر گھونسا مارا۔

”خبردار...... جو تم نے ہمارے گھر کی دہلیز پر قدم بھی رکھا۔ مہر میری ہونے والی بیوی ہے۔ میرے بچے کی ماں...... اگر اپنی عزت چاہتے ہو تو بارات لے کر مت آنا، ورنہ تمہاری سبکی ہو جائے گی خالی ہاتھ لوٹا دیے جاؤ گے۔ جانتا ہوں بھیک مانگ کر کمائی ہے تم نے زمانے سے یہ عزت...... اسے اتنی آسانی سے گنواؤ گے تو نہیں۔“

اطلس دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ جیسے ڈھے گیا تھا۔

کہتے ہیں محبت کرنے والے ایک دن موم کا گھر بن جاتے ہیں۔ ٹوٹتے رہتے ہیں، جڑتے رہتے ہیں۔

ٹنکو اور مینا خوف زدہ ہو کر اپنے بھائی کے پاس بیٹھے تھے۔ ٹنکو اور مینا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اطلس گھٹنوں میں سر دیے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ عجیب احساس کمتری امڈ کر آیا تھا۔ عزت نفس پر کاری چوٹ پڑی تھی۔ باہر موسم خوف ناک ہو چکا تھا۔ کستوری کی گلیوں میں محبت کا ماتم تھا۔

☆......☆......☆

پنڈال میں چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ بنارسی لباس میں زرتار دوپٹا اوڑھے مہر بختیار اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ کستوری محلہ بارات آنے کے انتظار میں تھا۔ اڑتی ہوئی باتیں مہر تک پہنچنے لگیں۔

''ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کلثوم سے کہ دیکھ بھال کر رشتہ کرے۔ ارے بھئی، لاابالی سا اور بے وقوف سا لڑکا ہے۔ دے گیا ہے ناں عین موقع پر دغا......''

پاس کھڑی ہوئی عجی پریشانی کے عالم میں مہر کی طرف جھک کر پوچھ رہی تھی۔

''ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔ بارات ابھی تک نہیں آئی۔ کہیں سب لوگوں کی باتیں سچ تو نہیں۔''

قیس وہیں کسی کونے میں چپکے چپکے مسکرا رہا تھا۔ ہادی گود میں اٹھائے دلہن بنی ہوئی مہر کے پاس آیا تھا۔

''ہادی کو دیکھو تمہارے بغیر رو رہا ہے۔ لگتا ہے ابھی سے تمہیں مس کرنے لگا ہے۔ ابھی بھی یہی کہوں گا کہ سوچ لو۔''

دور کھڑی اماں پریشانی کے عالم میں کشمیرن سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ کستوری کے مکینوں کی زبانیں آہستہ آہستہ زہر اگلنے لگی تھیں۔

''سنا ہے پسند کی شادی ہے۔ اور دیکھو بارات ابھی تک نہیں پہنچی۔ موسم بھی خطرناک ہو رہا ہے۔''

''کلثوم کو چاہیے تھا گھر کا معاملہ گھر میں ہی نمٹا لیتیں۔ قیس سے ہی شادی کر دیتیں مہر کی۔ دونوں گھر کے ہی بچے ہیں۔''

کہنے والوں نے سو طرح کی باتیں کی۔ آہستہ آہستہ پنڈال خالی ہونے لگا۔ عجی، اماں اور قیس

سر جوڑے کسی کونے میں مذاکرات کرنے کے مصروف نظر آئے۔ آخر کار اماں ایک فیصلہ کن انداز میں دلہن کی طرف بڑھی تھیں۔

"دیکھ لیا...... محبت کا انجام...... راستہ روکنے والے کبھی گھر نہیں بساتے مہر۔ تم تو بہت عقل مند ہوا کرتی تھیں۔ تمہارے ساتھ ساتھ ہم سب نے منہ کی کھائی ہے۔ ذرا دیکھو تو سارا محلہ ہم پر تھوتھو کر رہا ہے۔ اب بتاؤ ہے کوئی راستہ......؟"

مہر بختیار کی آنکھوں کا کاجل پھیل گیا۔ اس کی گود میں بیٹھا ہوا ہادی کنگن سے کھیل رہا تھا۔

مہر نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"اماں...... یہ مت کہیں میرا دل دکھ رہا ہے۔ جو پندرہ تولے سونا بھیج سکتا ہے۔ خشک میوے کی دو بوریاں بھی اسٹور میں رکھی ہیں اور بیس جوڑے میرے کمرے میں۔ مت بھولیں کہ آپ کی بیٹی کی فرمائش پوری کرنے کے لیے پردیس کاٹ کر آیا ہے وہ۔ وہ اپنے وعدوں سے مکرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔ ایک بار مجھے اس سے بات کر لینے دیں۔ پھر جو آپ کہیں گی مجھے منظور......"

ہادی کو اماں کو تھما کر مہر کو کستوری محلے نے دلہن کے بھاری لباس میں گلیوں میں سے گزرتے دیکھا۔

در و دیوار حیران تھے۔ وہ ایسی ہی تھی سب کو حیران کرنے والی۔ چاہے خود کتنی ہی پریشانی میں رہے۔

گرد و باراں کا ایک طوفان اٹھا تھا۔ آنکھوں میں ہی نہیں، شاید دلوں میں بھی مٹی پڑ گئی تھی۔ عذرا بختیار مہر بختیار کے پیچھے بھاگی تھی۔

سامنے ہی ایک شادی والا گھر تھا جس کا صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہر طرف مرجانے والی رونق تھی۔ وہ دھیرے سے اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھی۔ سارے گھر میں تازہ پینٹ کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ برقی قمقمے لہرا رہے تھے۔ سامنے ہی ٹنکو اور مینا برآمدے سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ وہ تیزی سے ان کی طرف آئی تھی۔

"کیوں نہیں آئے تم لوگ...... بے وفائی کی ہے تم لوگوں نے مجھ سے۔ حساب کتاب لینے آئی ہوں میں۔ سب مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ بارات کیوں نہیں آئی۔ اب تم لوگ ہی مجھے بتاؤ کہ بارات کیوں نہیں آئی؟"

ٹنکو آگے بڑھ کر روتے ہوئے مہر سے لپٹ گیا تھا۔ مینا بھی برستی آنکھیں لیے کھڑی تھی۔

"کیونکہ وہ آگئے تھے۔ انہوں نے بہت غصہ کیا۔ بھیا کو گھونسا بھی مارا۔"

مہر ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گئی تھی۔ باہر طوفان تھمنے لگا تھا۔ عذرا بختیار بھی شاید کسی برف کے مجسمے میں ڈھل گئی تھی۔

"کون...... کس کی بات کر رہے ہو تم؟"

"مینا اور ٹنکو نے جھجک کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"وہ...... وہ...... قیس بھیا۔"

مہر نے قہر بن کر عجی کو دیکھا تھا۔

پہلی بار مہر سسکی تھی۔

"ذرا دیکھو تو عذرا بختیار...... کیا کر کے گیا ہے تمہارا اور اماں کا لاڈلا...... اب بتاؤ کیا سزا بنتی ہے اس کی۔ اللہ کی قسم سچ کہتی ہوں آج اطلس بارات نہ بھی لائے ناں تب بھی قیس کی بارات کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

وہ تیزی سے سامنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ کمرے میں گیندے اور گلاب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے شیروانی میں ملبوس دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے سہما ہوا اطلس بیٹھا تھا، جس کی آنکھوں میں ریت اور ویرانی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا محبت نے اسے موم کا گھر بنا دیا ہے۔ توڑ دیا ہے۔

گھر جوڑنے والی ہولے ہولے چلتے ہوئے اس تک آئی تھی۔ شاید وہ روتا رہا ہوگا۔ گالوں پر نمکین آنسوؤں کے نشان تھے۔

"اچھے لگ رہے ہو۔ سوٹ کر رہا ہے تم پہ یہ شیروانی کا رنگ۔ مجھے دیکھو ذرا...... کیسی لگ رہی ہوں؟"

باہر طوفان تھم چکا تھا۔

عجی اس گھر سے نکل گئی تھی۔ کیونکہ اسے پچھلے گھر کی تیاریاں دیکھنی تھیں کہ بارات آنے والی تھی۔

اطلس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

کوئی اتنا خوب صورت کیسے لگ سکتا ہے۔ وہ نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہیں آپ...... ہمیشہ سے کچھ زیادہ۔''

گہری سانس لے کر دلہن نے دیوار سے ٹیک لگائی تھی۔ ہتھیلیوں سے حنا کی خوشبو اڑ کر چاروں اطراف میں بکھر گئی تھی۔

''بارات لے کر آؤ گے کیا؟''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ چہرے سے شرمندہ سا نظر آتا تھا۔

''بارات میں بس ہم تین لوگ ہیں۔ میں، ٹنکو اور مینا۔ اماں تھوڑی بیمار ہیں۔ آرام کر رہی ہیں۔''

مہر عرف دلہن منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تھی۔ کنگن، چوڑیاں شور کرنے لگی تھیں۔

''پسند آئے گی مجھے یہ چھوٹی سی بارات۔ لیکن چار لوگ کر لو، تین سے کام نہیں چلے گا۔''

''چوتھا کون؟''

''نکاح خواں......''

وہ اپنی ہنسی کا جلترنگ بجاتے ہوئے مینا اور ٹنکو کے ساتھ دروازہ پار کر گئی تھی۔ کستوری محلے کی چھتوں سے لوگوں نے شان سے دلہن کو گزرتے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

وہی سرسوں والے گھر کا منظر تھا۔ جہاں کیاریوں میں گیندے گلاب اور چنبیلی اپنی چھب دکھلا رہے تھے۔ شام سہانی سی تھی۔ چھوٹی سی بارات لے کر وہ پہنچ گیا تھا۔

سب گھر والے مہر سے نظریں چرا رہے تھے، مگر وہ فراخ دل تھی۔ جو بھی کرتی تھی دل سے کرتی تھی۔

اماں کو خالی آنگن سے ہول اٹھ رہے تھے۔ چڑیاں آشیانہ چھوڑ گئی تھیں۔ اماں نے مہر کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''سچ کہتے ہیں مہر۔ ماں بڑی مجبور ہوتی ہے۔ چاہے جنم دینے والی ہو یا پھر پالنے والی۔ اولاد اس کے لیے آزمائش سے کم نہیں ہوتی۔ قیس میرے لیے میری آزمائش بن گیا ہے۔ ساری زندگی میں نے اس کی ضدیں پوری کی ہیں۔ کبھی چاند بھی مانگ لیتا تو میں ڈھونڈنے نکل جاتی۔''

عجیب سکتے کی کیفیت میں سیڑھیوں پر بیٹھی رہ گئی تھی۔ سارے قصور ان کے نکلے تھے۔ مہر بختیار

سے آنکھیں تک نہیں ملا سکتے تھے۔

کتنی خوش تھی وہ چھوٹی سی بارات...... بار بار ہاتھوں پر ہاتھ مار کر ہنستے تھے۔ مہر کا زیور ٹھیک کرتے تھے۔ دوپٹے کا پلو پکڑ لیتے تھے۔ بارات میں پانچواں باراتی کشمیرن بوا بھی پہنچ چکی تھیں۔

ہادی کو گود میں لیے قیس دور کھڑا تھا۔ ہادی مسلسل مہر کی طرف دیکھ کر بار بار رو رہا تھا۔ وہ شاید حرارت محسوس کر رہا تھا۔ بخار تھا اسے اور اسی وجہ سے چڑچڑا ہو رہا تھا۔ بخار میں اسے مہر ہی سنبھالتی تھی۔ وہ مہر کا عادی تھا۔ مہر نے اسے کھلایا، پلایا اور سلایا تھا۔ وہ ہنسنے میں بھی فیاض نہیں تھا کہ سب کو مسکراہٹیں بانٹتا، وہ صرف مہر کے ساتھ ہی ہنستا تھا۔

وہ دور بیٹھی ہادی کی بے چینیاں دیکھ رہی تھی۔ اور قیس کا سیاہ پڑتا ہوا چہرہ بھی۔

کتنے عجیب ہوتے ہیں رشتے...... اچھے...... برے...... بہت اچھے اور کبھی کبھی بہت برے بھی...... تب ہی تو آزمائش بن جاتے ہیں کہ ہم انہیں خود سے الگ نہیں کر سکتے۔

اطلس کشمیرن کی کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ اماں اب اسے میٹھا کھلا رہی تھیں۔

عجی نے بھاپ اڑاتا کپ اپنے شوہر کو تھمایا تھا اور وہ دونوں کسی بحث میں مصروف ہو گئے تھے۔

قیس سب سے اکیلا، سب سے دور اپنی اولاد کو سنبھالنے کے جتن میں مصروف نظر آتا تھا۔ ہادی مسلسل چیخ رہا تھا۔ ہادی کا چیخنا اسے جذباتی کر رہا تھا۔ وہ پیٹھ موڑ کر کھڑا تھا۔ اونچا لمبا مرد، سرسوں والے گھر کا واحد مرد۔ شاید وہ رخ موڑے رو رہا تھا۔

قیس کے کندھے پر ایک ہاتھ ٹھہر گیا تھا۔ زمین جیسے ایک نقطے پر آ کر سمٹ گئی تھی۔ وہ ہل تک نہیں سکا تھا۔ مہر سامنے آ گئی تھی۔ ہادی مہر کو دیکھ کر خوش ہو کر بازو پھیلانے لگا اور مہر نے اسے آگے بڑھ کر خود سے لگا لیا تھا۔ وہ اس کے جھمکوں سے اب کھیل رہا تھا۔

قیس کی سسکی نکلی تھی۔

گالوں پر ایک ایک کر کے آنسو پھسلنے لگے۔

"تم رو رہے ہو؟"

''شاید نہیں......شاید ہاں......''

''سر اٹھاؤ میں بھی تو دیکھوں کہ روتے ہوئے کیسے نظر آتے ہو؟'' وہ ہنسی تھی۔

ہادی اب مہر کا چہرہ بار بار اپنی طرف موڑ کر متوجہ کرتا تھا۔

''سچ کہتی ہیں اماں......اولاد ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔ ہادی کو روتے دیکھ کر میری بھی جان نکل جاتی ہے۔ بے شک اسے جنم زرناب نے دیا ہو مگر پالا میں نے ہے اسے۔ اس کی تکلیف میری روح کھینچ لیتی ہے۔ ساری زندگی میں نے اماں کی تم سے محبت پر سوال اٹھائے ہیں مگر آج مجھے سارے جواب مل گئے ہیں۔ آج میں بھی اماں کی جگہ پر کھڑی ہوں۔ مگر......میں اسے دوسرا قیس بنتے کبھی نہیں دیکھ پاؤں گی۔''

وہ رو رہا تھا۔ جوتے کی نوک سے فرش پر آواز پیدا کر رہا تھا۔ لفظ خاموش تھے۔ اطلس ان کی طرف آیا۔

قیس نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگایا تھا اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''خیال رکھنا مہر کا......ہمارے گھر کی لاڈلی ہے۔''

دروازے پر سجی سجائی کار آ گئی تھی۔ اماں اور عجی کی معیت میں مہر بختیار گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی۔

کستوری محلے کی گلیاں روشن تھیں۔

عجی کی آنکھیں نم تھیں۔ اماں بھی آنسو بہا رہی تھیں۔ ہادی ابھی بھی مہر کی گود میں تھا۔ قیس نے آگے بڑھ کر ہادی کو اس سے لینا چاہا۔

مہر نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم بیمار کر دو گے اسے۔ ہادی میرے ساتھ جائے گا۔ اماں اور تم سے نہیں سنبھلے گا۔ اتنا حق رکھتی ہوں میں اس پر کہ اسے ساتھ لے جاؤں......؟''

''تم سارے حق رکھتی ہو مہر......ہمیشہ سے۔''

قیس نے مہر کو دیکھا۔ وہ حق کہاں رکھتی تھی، وہ تو زبردستی حق وصول لیا کرتی تھی۔ قیس اعجاز چار قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

دلہن کی گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔ صحن خالی تھا۔ پھول مرجھا گئے تھے۔

عجی کو وحشت نے چٹکیاں کاٹی تھیں تبھی وہ رومان کو لے کر فی الفور وہاں سے چلی گئی تھی۔ اماں کلثوم اور قیس گھر کی سیڑھیوں پر چپ چاپ بیٹھ گئے۔

قیس نے اماں کی گود میں سر رکھ لیا تھا۔

آنکھوں سے چار آنسو ٹوٹ کر بہہ گئے تھے۔

دو اماں کلثوم کے...... دو قیس اعجاز کے!

قیس جنگل میں اکیلا ہے، مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو
جاں بلب دیکھ کے مجھ کو میرے عیسیٰ نے کہا
لا دوا درد ہے یہ، کیا کروں، مر جانے دو
ٹھہرو! تیوری کو چڑھائے ہوئے جاتے ہو کدھر
دل کا صدقہ تو ابھی سر سے اتر جانے دو
ہم بھی منزل پہ پہنچ جائیں گے مرتے کھپتے
قافلہ یاروں کا جاتا ہے اگر جانے دو

❁ ❁

ختم شد